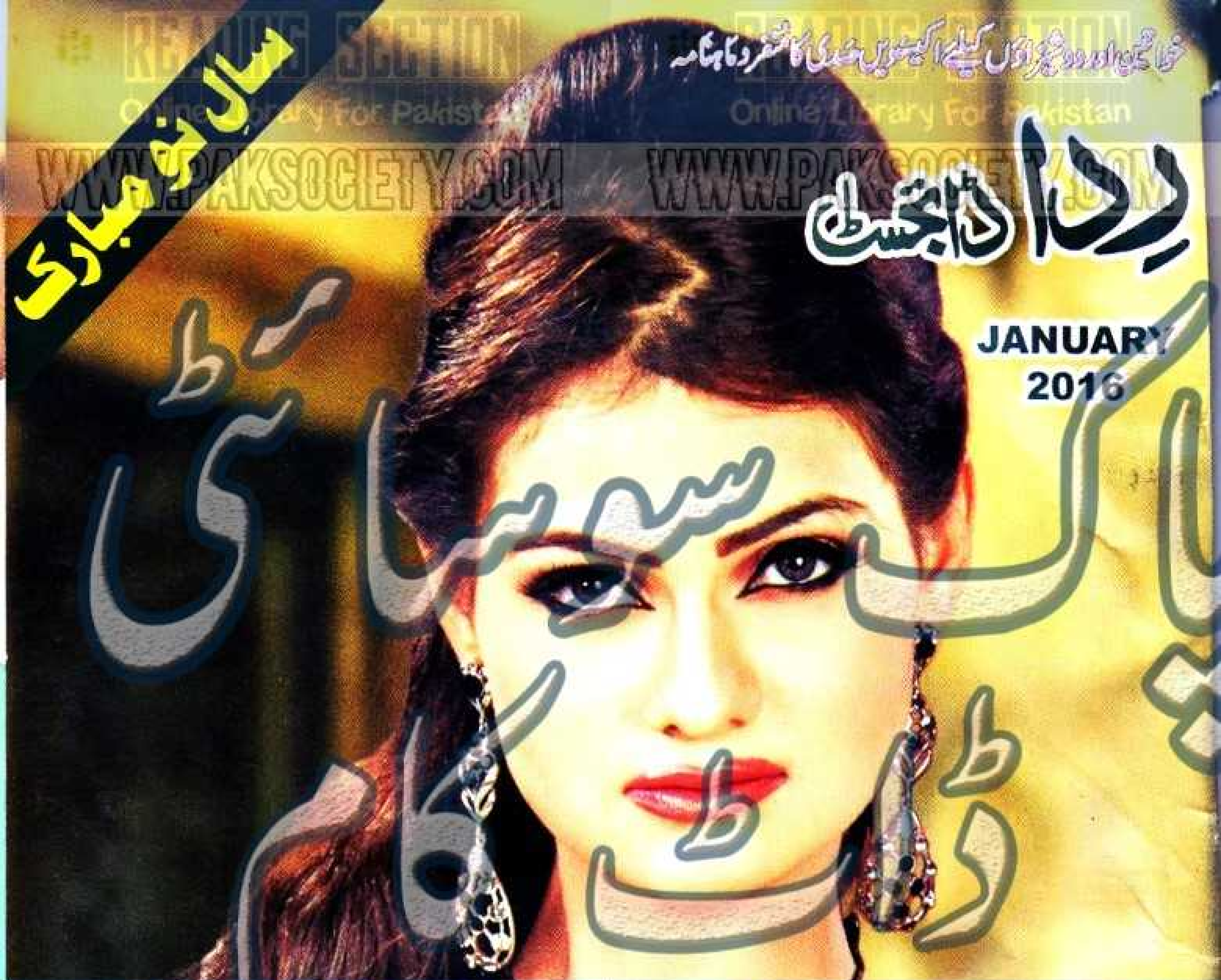


READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM

ماڈل: نینا

میک اپ: روز بیوٹی پارلر

فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

ڈائجسٹ

چیف ایڈیٹر

صالحہ محمود

ایڈیٹرز

سعدی محمود جعفری

نائندہ امریکہ، فراز جعفری

E-Mail . frazjafri@aol.com

نائندہ UAE ، عمیر عسلی جعفری

Mail : [illegible]

نائندہ لندن، شبانہ آصف چوہان



گوشہ آگہی صالحہ محمود ۶

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
720 روپے

34535726

جنوری 2016ء
جلد نمبر 20 شمارہ نمبر 1
قیمت 60 روپے

مستقل سلسلے





کھنکتے ہوئے لمحوں کی کہانی زندگی ہے، زندگی کے ادوار مختلف ہوتے ہیں۔ خوشی اور غم دونوں کے امکانات ہوتے ہیں پیمانہ زندگی جو ہے انہی دو لفظوں سے چھلک رہا ہے۔ جنوری آن پہنچا ہے بہت ساری ہمیں خوشیاں دیں اس نے ہم پھولوں کی آبیاری سے ہمکنار ہوئے وہیں کہیں ہم بنجر دھوپ میں بے سایہ شجر میں رہے یہ ہر انسان کی کہانی ہے۔ کہانی کوئی بھی ہو اختتام سب کا ایک ہے سو چلو ہم بھول جاتے ہیں اس وقت کو جو گزر گیا بس اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں باہوش و حواس زندہ رکھا۔ ہم نے صبر کی تلقین سنی اور اپنی پیاس محسوس کی۔ صبر و استقامت جب دامن گیر ہوا تو حوصلہ زندگی بڑھا پھر وہی زندگی کے ادوار پلٹ آئے اور پلک جھپکتے سال بیت گیا اور نئے سال کی آمد کا شور ہر طرف ہے۔ اس شور میں خود کو فراموش مت کریں۔ اپنے ارد گرد کی خبر رکھیں زندگی یہی نہیں کہ کھایا پیا اور پاؤں پسار کر چلے گئے۔ ہر لڑکی کو عملی طور پر کچھ کرنا ہے۔ دنیاوی تعلیم نہ سہی دینی تعلیم حاصل کریں، اپنے بچوں کی اچھی معلم بنیں جب وقت گزر جاتا ہے تو کچھ ہاتھ نہیں آتا اپنے کردار کو پاک رکھیں غرور و تکبر سے دور رہیں یہ انسان کو خاک کر دینے والی چیزیں ہیں۔ تہذیب و تمدن ذہنی پاکیزگی، فیملی میں ہم آہنگی آنے والی نسلوں کی آبیاری ہے۔ پھولوں کی آبیاری کرنا اتنا سہل نہیں ہے سایہ شجر میں بیٹھنے کے لیے پہلے سے سوچا جاتا ہے۔ تب جا کر سر پر سایہ میسر ہوتا ہے آنے والی نسل سے مجھے پوری امید ہے جو میں لکھتی ہوں اس پر وہ عمل بھی کرتی ہوں گی۔ اچھے اعمال ہمیشہ انسان کو اچھا ہی پھل دے کر جاتے ہیں۔ مایوسی کفر ہے۔ جدوجہد انسان کا وہ عمل ہے جو کندن بنا دیتا ہے اگر آپ کو کندن بننا ہے تو علم کی جدوجہد جاری رکھیں کوئی عذر کوئی بہانہ نہیں ہے کہ آپ اسے ٹال جائیں۔ پابندی وقت نماز بھی اتنا ہی ضروری ہے۔

ردا آپ کا ہے نئے لکھنے اور پڑھنے والوں کے لیے ہے اور یہی بات ہے کہ ردا نے اپنا مقام بہت جلد بنا لیا ہے اور ہم آج بھی ایمانداری سے ہر مصنف کو موقع ضرور دیتے ہیں کسی سے زیادتی ہو جائے تو میں اسٹاف کو الٹ پلٹ دیتی ہوں آپ لوگ اتنا طویل لکھتی ہیں کہ ہمیں مشکلات کا سامنا ہو جاتا ہے کہانی وہی اچھی ہوتی ہے جو جلد ختم ہو جائے۔

اب چلتے ہیں اس سب باغباری کی طرف جہاں پتا پتا بوٹا بوٹا آپ کے ذوق کے لیے منتظر ہے۔ ردا کے رنگ ہر سو بکھر گئے ہیں یہ آپ کی محبتوں کی ایک مثال ہے اور ہمارے صبر کی لمبی داستان کہ اللہ نے ہماری اوقات سے زیادہ ہمیں آپ کی محبتوں سے زندہ رہنے کا سلیقہ سکھا دیا۔ چاہنے والوں کے جھرمٹ میں زندگی کے دشوار راستوں پر چلنا آسان لگا ورنہ مشکلوں میں زندہ رہنا اور پھولوں کی آبیاری کرنا اتنا سہل نہیں تھا پھر بھی ردا کا سفر جاری رکھا میں نے۔ آپ کی محبتوں اور چاہتوں نے مجھے پر عزم بنا دیا۔ میں تمام سندیسے خود پڑھتی ہوں آپ کی محبتوں کی شدت کو محسوس کرتی ہوں اور یقین جانیے کہ اداریہ لکھتے وقت بہت تر و تازہ سی ہو جاتی ہوں جب آپ ایک لائن میری محنت پر تبصرہ کر کے بھیجتی ہیں واؤ۔ کیا بتاؤں کہ ہواؤں میں اڑتی پھرتی ہوں کہ میرے نام سندیسہ آیا ہے پھر وہی عزم و سفر کی داستان کہ ردا سے جڑے رہیے۔ ردا آپ کو مایوس نہیں کرے گا۔ ردا آپ کا اپنا ہے اس لیے آپ کا سندیسہ بہت اہم ہے نئے سال کی ساعتیں ہیں، جنوری نمبر آپ کو کیسا لگا ضرور بتائیے گا اور نئے لکھنے والے بھی ہم سے رابطہ کریں۔

آپی

صالحہ محمود

ردائے نور

آداب کا بیان

ایک آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے السلام علیکم کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”10 نیکیاں ہوگئیں“ پھر ایک دوسرا آدمی آیا اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”20 نیکیاں ہوگئیں۔“ پھر ایک اور آدمی آیا اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”30 نیکیاں ہوگئیں۔“ (ترمذی، ابوداؤد۔ عن عمران بن حصینؓ)

(وضاحت: بعد میں آنے والوں نے ورحمۃ اللہ اور وبرکاتہ کے الفاظ کا اضافہ کیا تھا یعنی مکمل سلام کہنے سے 30 نیکیاں ملتی ہیں)۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب وہ لوگ ہوں گے جو سلام کہنے میں پہل کرتے ہیں۔“ (ترمذی، ابوداؤد۔ عن ابی امامہؓ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم گھر میں داخل ہوا کرو تو گھر والوں کو سلام کیا کرو اور جب تم گھر سے باہر نکلا کرو تو بھی گھر والوں کو سلام کیا کرو۔“ (بیہقی۔ عن قتادہؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو، اس سے تم پر اور تمہارے گھر والوں پر برکت نازل ہوگی۔“ (ترمذی۔ عن انسؓ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم عورتوں کے پاس سے گزرے تو ہمیں سلام کیا۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ۔ عن اسماء بنت یزیدؓ)

(وضاحت: اگر فتنہ میں پڑنے کا خطرہ نہ ہو تو غیر محرم عورتوں کو بھی سلام کرنا جائز ہے۔)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہوتا ہے۔“ (بیہقی۔ عن عبداللہ بن مسعودؓ)

میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بغیر سلام کیے اور بغیر اجازت طلب کیے حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے صفوان، واپس جاؤ اور السلام علیکم کہہ کر اجازت طلب کرو کہ میں اندر آسکتا ہوں؟“ (ابوداؤد، احمد۔ عن صفوان بن امیہؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے جب کسی کو قاصد کے ذریعے بلایا جائے اور وہ اسی قاصد کے ساتھ چلا جائے تو اس کی یہی کی اجازت ہے۔“ (مزید اجازت لینے کی

ضرورت نہیں)۔ (ابوداؤد۔ عن ابی ہریرہؓ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے دروازے پر جاتے تو دروازہ کے بالکل سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ دروازہ کی دائیں یا بائیں طرف ہوتے اور السلام علیکم کہتے۔“ (ابوداؤد۔ عن عبداللہ بن بسرؓ)

میں نے کسی ایسے آدمی کو نہیں دیکھا جو اخلاق و عادات کے لحاظ سے فاطمہؓ سے زیادہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہو جاتے، ان کا ہاتھ پکڑتے، ان کا بوسہ لیتے اور انہیں اپنے بیٹھنے کی جگہ پر بٹھاتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑی ہو جاتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پکڑتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوسہ لیتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ (ابوداؤد۔ عن عائشہؓ)

جب میں مدینہ منورہ ہجرت کر کے آیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے گلے ملے۔ (شرح السنہ۔ عن جعفر بن ابی طالبؓ)

حسنؓ اور حسینؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑتے ہوئے آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو گلے لگا لیا۔ (احمد۔ عن یعلیٰؓ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی آمد پر لوگ (ادباً) کھڑے ہو جائیں تو وہ شخص اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، عن معاویہؓ)

(وضاحت: اگر لوگ خود احتراماً کھڑے ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ 2 بیٹھے ہوئے آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر ان دونوں کو الگ الگ کر کے بیٹھ جائے۔“ (ابوداؤد۔ عن محمد بن عبداللہؓ)

(وضاحت: کسی جگہ دو آدمی بیٹھے باتیں کر رہے ہوں تو تیسرا وہاں جا کر ان کی اجازت کے بغیر ان کے درمیان نہ بیٹھے)

میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ پر ہاتھ کی ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ (ترمذی۔ عن جابر بن سمرہؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز سے فارغ ہو جاتے تو اسی جگہ پر ذکر و اذکار کرتے رہتے یہاں تک کہ سورج اچھی طرح نکل آتا۔ (ابوداؤد۔ عن جابر بن سمرہؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ جو پیٹ کے بل (الٹا) لیٹا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس طرح لیٹنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے۔“ (ترمذی۔ عن ابی ہریرہؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کوئی آدمی ایسی چھت پر نہ سوئے، جس کا کوئی پردہ (دیوار) نہیں ہو۔“ (ترمذی۔ عن جابرؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھ لیتے اور چھینک کی آواز کو پست کرتے تھے۔ (ابوداؤد، ترمذی۔ عن ابی ہریرہؓ)

(وضاحت: چھینک لیتے وقت آواز کو بلند کرنا ادب کے خلاف ہے)

......☆......

شازیہ مصطفیٰ عمران

سلسلے وار ناول

قسط نمبر 24

تجھ سے مانگوں میں تجھ کو

''میں آپ سب سے معافی چاہتا ہوں۔ راشدہ کی وجہ سے آپ سب اتنے دن پریشان رہے حتیٰ کہ راشدہ نے نوشین کو تباہ کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' سرفراز صاحب بول رہے تھے اور سب



حیرت وانبساط کی تصویر بنے انہیں دیکھ رہے تھے۔
''ہماری نوشین کا رشتہ پکا ہو گیا ہے۔''
''کیا کہہ رہے ہیں آپ سرافراز بھائی۔'' رضوانہ کو حیرانگی کا دوسرا جھٹکا لگا۔
نوشین نے حیا سے سر جھکا لیا رضوانہ نے اسے گلے سے جو لگا لیا تھا۔
''بھئی آج تو خوشی کا دن ہے۔'' عتیق احمد کو بھی یہ جان کے بہت خوشی ہوئی۔
''پھوپھا جان کہاں رشتہ طے کر دیا نوشین کا اسے پسند بھی آئے گا وہ لڑکا۔'' ضمران نے شوخی سے پر جوش لہجے میں پوچھا۔
حباب نے رخ موڑ کے اسے تنقیدی دیکھا۔
نوشین نے بھی دیکھ لیا تھا حباب کو ضمران کا پوچھنا برا لگا۔
راشدہ ابھی تک خاموش تھیں۔ طلحہ اور مزمل ان سب کے لیے کولڈ ڈرنک وغیرہ لے آئے تھے۔ اتنے



میں آدم بھی آ گیا۔ وہاں کا منظر اس کے لیے بھی چونکا دینے والا تھا سب سے سلام دعا کرنے کے بعد وہ نوین کو دیکھنے لگا جو پر پل کپڑوں میں ملبوس کولڈ ڈرنک کے گلاس ٹرے میں رکھ رہی تھی۔

''آپ لوگوں نے تو بتایا نہیں آپ لوگ کہاں جا رہے تھے۔'' سرفراز صاحب نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

''سرفراز اب تم سے ہم ادھر ہی بات کر لیتے ہیں۔'' عتیق احمد نے لمبی چوڑی تمہید باندھنے سے گریز کیا اور رضوانہ کو بولنے کا اشارہ کیا۔

''سرفراز بھائی ہم لوگ آدم کے لیے نوین کا رشتہ لینے آ رہے تھے۔''

''کیا۔'' راشدہ کا حیرانگی سے منہ کھلا۔ نوین نے گھبرا کے ٹرے اٹھائی اور اندر کچن میں لے جانے لگی۔

آدم چند دنوں سے اس لڑکی کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ اسے وہ اچھی بھی لگنے لگی تھی۔

''سرفراز بھائی آپ کو اور راشدہ کو اس رشتے سے تو انکار نہیں۔'' رضوانہ نے جھٹ پوچھا۔

''ارے بھابی نہیں بالکل بھی نہیں۔'' سرفراز صاحب نے وفور مسرت میں جھٹ کہا جب کہ راشدہ کچھ منہ سے بولنے ہی والی تھیں وہ رک گئی تھیں۔

''چلو حباب مٹھائی نکال کے لے آؤ ہم یہیں ان کا منہ میٹھا کروا دیتے ہیں۔'' عتیق احمد نے رضا مندی پاتے ہی اسے حکم دیا۔

''یہ منہ میٹھا وغیرہ اور رسم ہم آپ کی امی کے سامنے کریں گے۔'' رضوانہ نے کہا۔

اور پھر سب ہی اس رشتے سے خوش تھے رضوانہ نے راشدہ کو گلے لگایا نوشین نے بھی حباب سے معافی مانگی تھی۔

حباب کافی ہلکی پھلکی ہو گئی تھی اسے ایک دم سے سب کچھ بہت اچھا لگنے لگا تھا۔

''آدم اور نوین کی منگنی بھی ہم اسی دن رکھ لیتے ہیں جس دن نوشین اور کرن کی ہو گی۔'' سرفراز صاحب نے گویا دن بھی سیٹ کر لیا تھا۔

''امی پھر بھی آدم بھائی اور نوین بھابی کا منہ تو میٹھا کروا دیں۔'' مزمل نے شوخی اور شرارت سے کہا۔

نوین، حباب کے ساتھ ہی شرمائی شرمائی بیٹھی تھی جب کہ آدم بھی وہیں موجود تھا۔

''لو جی یہاں تو سیٹ بھی کر لیا ابھی سے بھابی۔'' ضمران نے مزمل کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''بھابی مجھے معاف کر دیجیے گا۔'' راشدہ بہت شرمندہ تھیں ان سے نگاہ ملاتے ہوئے بھی انہیں ندامت نے گھیرا ہوا تھا۔

''راشدہ یہ خوشی کا موقع ہے اور مجھے کوئی شکایت نہیں اب کیونکہ تم نے میرے بیٹے کا رشتہ قبول کر لیا ہے۔'' انہوں نے راشدہ کی شرمندگی مٹائی۔

نوشین اور کرن حباب کے ساتھ مل کر سب کے لیے ریفریشمنٹ وغیرہ لے آئیں تھیں کیونکہ کافی کچھ ریفریشمنٹ کے لیے ضمران لے کے آیا تھا اب تو ڈبل خوشی تھی۔

''نوین نے تو آتے ہی کچن سنبھال لیا ہے بھئی۔'' کرن نے بھی شرارتی انداز میں کہا۔

وہ جھینپ کے پھر راشدہ کے پیچھے جا کے بیٹھ گئی۔

''نوین یہ بھی تو اٹھاؤ۔''

''چپ کرو تم۔'' اس نے کرن کو گھورا جو ٹیبل سے حباب کے ساتھ برتن اٹھوا رہی تھی۔

☆......☆

شاہدہ مامی خوشنما اور جوہم نے فاران کی دلہن کی ساری تیاریاں کردی تھیں۔ نزہت مامی تو جیسے بالکل خاموش ہوگئی تھیں۔

''خوشی بیٹا آپ بھی کچھ شاپنگ کرلیں آپ کا بھی ولیمہ ہے۔'' شاہدہ مامی نے ساری پیکنگ کروانے کے بعد اس سے بھی کہا۔

''مامی میں نہیں کررہی ایسی کوئی شاپنگ اور اتنے عرصے بعد ولیمہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔'' وہ جھینپ بھی رہی تھی کیونکہ وہ اسے کئی دفعہ معنی خیزی سے چھیڑ بھی چکی تھیں۔

''خوشی بھابی کا ولیمہ کا ڈریس تو ویسے ہی پڑا ہے کیونکہ ان کا ولیمہ جو رہ گیا تھا ایسا کریں وہی پہن لیجیے گا بھابی بہت خوب صورت ہے آپ کا برائیڈل ڈریس۔'' بڑے خوش ہوکر جوہم نے یاد دلایا۔

''آں ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔'' شاہدہ نے تائید کی۔

''ارے کیا ہوگیا ہے میں کوئی نہیں پہن رہی۔'' وہ گھبرا گئی اور پھر وہ ایسا کوئی روپ دوبارہ نہیں سہہ سکتی تھی جس نے اسے درد ہی دیا تھا۔

''خوشنما، ہیشم کو ہی خوش کردینا۔''

''مامی کیا ہوگیا ہے آپ کو۔'' وہ ان کی سرگوشی پر جھینپ کے خفگی سے گویا ہوئی۔

''جوہم......''

نزہت کی آواز پر وہ تینوں ہی چونک گئیں۔ ہال کمرے میں سارا سامان پھیلا ہوا تھا۔ انہوں نے اس کا بھی جائزہ لیا تھا اور یہ تو انہیں خبر تھی مرتضیٰ علی نے فاران کی باقاعدہ شادی کا بھی اعلان کردیا ہے اور چند ہفتے بعد اس کا ولیمہ بھی تھا۔

جوہم فوراً ہی ان کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''جی امی۔'' شاہدہ نے بغور انہیں دیکھا جب کہ خوشنما سارے پیک کیے ڈبے بڑے صوفے پر رکھنے لگی تھی۔

''جلدی سے اٹھو۔ اپنے دادا جان اور ابو کے لیے چائے بنا کے دادا جان کے کمرے میں دے آؤ۔'' وہ بہت نرم اور دھیمے لہجے میں بھی بول رہی تھیں اور یہ ان سب کے لیے بہت حیران کن بات بھی تھی۔ جوہم فوراً ہی حکم کی تعمیل کے لیے اٹھ گئی تھی۔

''شاہدہ مامی میں بھی کمرے میں جارہی ہوں عشاء کی نماز بھی پڑھنی ہے۔'' خوشنما کی کوشش ہوتی تھی وہ نزہت مامی کے سامنے کم سے کم رہے کیونکہ ان کی نگاہوں کی ناگواریت اسے برداشت نہیں ہوتی تھی۔

''ہاں ہاں جاؤ ہیشم بھی کب کا آیا ہوا ہے۔'' انہوں نے بھی اٹھنے کا قصد کیا کیونکہ ماہ رخ کو بھی ٹی وی کے آگے سے اٹھانا تھا ورنہ وہ صبح اسکول کے لیے اٹھنے کے لیے بہت دیر لگاتی تھی۔

''کیا کیا خرید لیا۔ مجھے تم لوگوں نے دکھانا تک پسند نہیں کیا۔'' نزہت نے نہ چاہتے ہوئے بھی گلہ کردیا جب کہ وہ فاران کے ایسے اقدام سے خوش نہیں تھیں مگر مرتضیٰ علی کے سمجھانے پر وہ چپ ہوگئی تھیں

اور پھر فاران ان کا بیٹا تھا انہیں خود کو نہ چاہتے ہوئے بھی نرم کرنا پڑا تھا مگر انہیں خوشنما سے نگاہ ملاتے ہوئے جھجک ہو رہی تھی اسے وہ کتنا گرا ہوا سمجھتی تھیں۔

خوشنما نے حیرانگی سے انہیں دیکھا تھا مگر وہ رکی نہیں چلی گئی اس کا کمرہ اوپر تھا نیچے ہال کمرے کے سائیڈ سے نکل کے جا رہی تھی کہ مرتضیٰ علی کے روم سے بڑے ماموں کی آواز آ رہی تھی۔

''بیٹا تم کیوں ایسا سوچ رہے ہو۔''

''ماموں جان ہمارا جانا ہی اچھا ہے کیونکہ بڑی مامی ہم سے ناراض ہی رہیں گی۔'' خوشنما ہیثم کی آواز پر رک گئی اور ان کی بات سننے لگی۔

''نزہت کو بابا جان نے بہت اچھی طرح سمجھا دیا ہے اور دیکھو نزہت کا رویہ بھی اچھا ہو گیا ہے۔''

''ماموں جان ان کا رویہ اپنے بیٹے کی وجہ سے اچھا ہو گیا ہے فاران ان کا سگا بیٹا ہے میں تو نہیں۔'' وہ اتنا افسردہ اور مغموم لگ رہا تھا۔ خوشنما کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

''ہیثم بیٹا یہ بات آپ غلط کر رہے ہو صرف ایک کے رویے کی وجہ سے تم سب سے ہی ناراض ہو باقی سب تو تمہیں کتنا پیار کرتے ہیں۔ ان کی بھی تمہارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔'' مرتضیٰ علی بھی دل گرفتہ سے ہو رہے تھے۔

''نانا جان میرا یہاں سے جانا ہی بہتر ہے اور پھر خوشنما کی بھی میں تضحیک برداشت نہیں کر سکتا۔ بڑی مامی اسے طنزیہ باتیں سناتی رہتی ہیں خوشنما میری بیوی ہے اور میں نہیں چاہوں گا کوئی بھی اسے گری ہوئی نظروں سے دیکھے۔'' ہیثم کا دل بہت رنجور تھا اس کی باتوں سے لگ رہا تھا وہ بہت ہرٹ ہوا ہے اسی لیے وہ یہاں سے جانا چاہتا ہے۔

''ہم تمہیں کہیں بھی نہیں جانے دیں گے۔'' بڑے ماموں نے دوٹوک اور قطعیت بھرے لہجے میں سختی سے کہا۔

''ماموں جان آپ مجھے مجبور نہیں کریں۔'' وہ ان کے گلے لگ کے رو دیا۔

خوشنما کو ایسا لگا جیسے اس کا دل مٹھی میں آ گیا ہو۔ ہیثم اتنا حساس ہو گا اس کا اندازہ اسے ہو رہا تھا۔ یعنی جو کچھ پہلے تھا وہ سب اس نے نادانستہ کیا تھا اور اب وہ سب کچھ سمجھنے لگا ہے تو اسے خوشنما کی عزت بھی عزیز تھی وہ اپنی بیوی کو کسی سے بھی بے عزت نہیں کروا سکتا تھا۔

''بیٹا تم رو کیوں رہے ہو۔''

''ماموں جان میں آپ سب کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ سب نے مجھے بچپن سے سنبھالا ہے اور بڑی مامی نے تو فاران میں اور مجھ میں کبھی فرق ہی نہیں کیا اب پتا نہیں کیسے وہ یہ سب کرنے لگی ہیں۔'' وہ خود ہی وضاحت بھی دینے لگا۔

''نزہت تھوڑا فاران کی وجہ سے ڈسٹرب ہے۔ بابا اور میں نے اسے کافی سمجھایا ہے تھوڑا وقت تو لگے گا ظاہر ہے بڑی اولاد ہے اس نے اچانک سے شاک دیا ہے تو وہ غصہ کہیں تو نکالے گی۔'' وہ اسے سمجھانے لگے۔

''ارے یہ چائے ابھی تک آئی کیوں نہیں۔'' مرتضیٰ علی نے ماحول کی تلخی کو دور کرنے کے لیے چائے کو یاد کر لیا۔

''نزہت گئی تو تھی چائے کا بولنے وہ بھی وہیں رہ گئیں۔'' بڑے ماموں کو بھی خیال آیا خوشنما چونک کے جلدی سے وہاں سے نکل گئی کیونکہ کسی نے اسے دیکھ لیا تو باتیں سنتے اچھا نہیں لگے گا۔
کمرے میں آ کے اس نے واش روم میں جا کے وضو کیا اس کا دل جانے کیوں ہیثم کو ایک دم سے معاف کرنے کو کہہ رہا تھا وہ اسے کتنا عزیز رکھ رہا تھا۔ اس کی خاطر وہ کیا کچھ کرنے جا رہا تھا یعنی اس کے دل میں بیوی کی عزت و اہمیت کہیں زیادہ ہے۔
عشاء کی نماز پڑھ کے پنج سورہ پڑھا اور خاموش سی وہ سنگل صوفے پر بیٹھ گئی۔
ہیثم بھی اسی دوران اندر آ گیا وہ سنبھل گئی، جانے کیوں اسے ہیثم سے ایک دم سے جھجک آنے لگی۔
وہ جو اتنی بڑ بڑا کے پر اعتماد انداز میں اس سے بات کرتی تھی آج وہ جانے کیوں اتنی پزل ہو رہی تھی۔
''کل شام میں تیار رہنا کچھ شاپنگ کے لیے۔'' وہ موبائل اور والٹ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھنے کے بعد اپنی اسکائی بلیو شرٹ کی آستین کے بٹن کھولنے لگا۔
''کیوں کس لیے؟'' آواز کو پر اعتماد بنایا۔
''نانا جان نے کہا ہے ولیمے کے لیے۔''
''سنیے ہیثم صاحب! مجھے اتنا پرانا ولیمہ کروانے کا قطعی شوق نہیں ہے۔'' ذرا خفگی بھرے لہجے میں کہا۔
اس نے دونوں ہاتھ پشت پر جما کے خوشنما کو بغور دیکھا جو لیمن کاٹن کے ایمبرائیڈری کے سوٹ میں خاصی کھلی کھلی دمک رہی تھی۔ وہ اسے جب بھی دیکھتا نگاہ گہری ہی رکھتا تھا۔
''مجھے بھی شوق نہیں ہے میں نے منع بھی کر دیا فاران کی شادی کی تو تیاری کرنی ہی ہے تمہارا کیا بھروسا بھری محفل میں یہ کہہ دو میرا شوہر میری ضرورتوں کا بھی خیال نہیں رکھتا۔'' ہیثم اندر سے اتنا ٹوٹا ہوا تھا وہ جھنجلاہٹ اس پر نکال رہا تھا۔
خوشنما نے لب بھینچ لیے مگر اس وقت اسے غصہ نہیں آیا بلکہ خود کو خاموش رکھا اس لیے کہ ہیثم پہلے ہی بہت رنجور اور مغموم تھا وہ مزید اسے رنجیدہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ تو اسے سب گھر والوں کے سامنے معتبر رکھے ہوئے تھا اور وہ جواب میں اسے سوائے بے رخی کے کچھ نہیں دے رہی تھی۔
''میں ایسا کچھ نہیں کہہ رہی اور پلیز آپ میری اتنی فکر نہیں کریں۔''
''میں فکر نہیں کروں بعد میں پھر مجھے ہی طعنے دیتی رہوگی جب فاران کی شادی گزر جائے گی میں نے تمہیں کچھ نہیں دلایا۔'' وہ اس کے بالکل سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔
خوشنما اِدھر اُدھر نگاہ کرنے لگی اس سے تو آج تیز لہجے میں بھی بات نہیں ہو رہی تھی۔
''تم مجھے اول روز سے ہی طعنے دے دے کے مار رہی ہو اور تمہیں سکون اسی دن آئے گا جب میں سچ میں مر جاؤں گا۔''
''اللہ نہ کرے۔'' وہ دل پر ہاتھ رکھ کے رہ گی۔
''کیونکہ تمہارے دل کو جب ہی سکون ملے گا کیونکہ میں جب نہیں رہوں تمہارا انتقام بھی پورا ہو جائے گا۔''
''پلیز یہ فضول باتیں نہیں کریں۔'' اس کا دل گھبرانے لگا۔ ہیثم حد سے زیادہ سنجیدہ اور ترش ہو رہا تھا۔

وہ ایسا بالکل نہیں چاہتی تھی کہ ہیثم ایسی کوئی الٹی سیدھی بات بھی کرے۔
''ایسی باتیں کرنے کا موقع تم مجھے خود دے رہی ہو۔ ہر کسی نے میری ذات کو بے وقعت سمجھ لیا ہے جس کا دل چاہتا ہے بے عزت کر دیتا ہے۔''
''سنیے الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والی بات کر رہے ہیں۔ آپ نے میری ذات کو بے وقعت کیا ہے۔'' وہ بھی تیز لہجے میں آ گئی۔
''اپنی غلطی مان تو چکا ہوں اور کیا کروں ٹھیک ہے ان سب باتوں کا یہی مطلب ہے کہ تم ساری زندگی ایسے ہی بے عزت کرتی رہو گی طعنے مارتی رہو گی تم خود فیصلہ کر لو کیا چاہتی ہو۔''
''کیسا فیصلہ؟'' وہ چونک کے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی جو بیڈ پر لیٹ چکا تھا۔
''تم میرے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی ہو۔''
''میں نے ایسا کب کہا۔'' وہ نگاہ چرانے لگی۔
''دیکھو خوشنما میں اپنی اور تمہاری ایسی طنزیہ باتوں سے پریشان رہنے لگا ہوں۔ پلیز مجھے بخش دو مجھے موقع تو دو تمہاری ساری شکایتیں دور کر دوں گا۔'' وہ واقعی بہت تھک گیا تھا، سنجیدہ اور ملول بھی ہو رہا تھا۔
''آپ کا کیا بھروسہ کمپرومائز کر رہے ہوں۔'' وہ جیسے اتنی جلدی ہار ماننا نہیں چاہتی تھی۔
''تم ایسی ہی بے یقین رہنا میں مزید تمہیں کیسے یقین دلاؤں۔'' وہ اٹھا اور وارڈ روب کھول کر کچھ نکالا۔
''یہ ایک لاکھ روپے ہیں تم اپنی امی کے گھر چلی جانا وہاں سے اپنی بہنوں کے ساتھ شاپنگ کر لینا کیونکہ میرے ساتھ جانا تو تمہاری شان میں گستاخی ہو گی۔'' اس نے لفافہ اس کے ہاتھ میں تھمایا۔
خوشنما حیرت وانبساط میں کھڑی اسے دیکھے گئی وہ اتنے انتشار میں بھی اس کا خیال کر رہا تھا اور وہ جواب میں اس سے بے رخی اور رکھائی برت رہی تھی۔
''اور پیسوں کی ضرورت ہو گی تو وہ بھی میں کل تک تمہیں دے دوں گا کیونکہ کیش میرے پاس یہاں اتنا ہی تھا۔''
''مجھے کچھ نہیں لینا۔''
''سنو اب میری سنو تمہیں شاپنگ کرنی ہے اور ہر اس چیز کی جو تمہیں ضرورت ہو میں آگے سے تمہاری ایک بھی نہیں سنوں گا۔'' وہ درشت لہجے میں بولا۔
''بہت تم نے میری بے عزتی کر لی شرافت ہے میری جو تم سے پیار کرنے لگا ہوں۔'' خوشنما کے قریب آ کے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے وہ بول رہا تھا۔
خوشنما کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔ ہیثم کی نگاہیں خاصی بے باک اور معنی خیز بھی لگ رہی تھیں اس سے آگے کچھ بولا ہی نہیں گیا وہ دو قدم پیچھے ہو گئی۔
''کل صبح میں تمہاری امی کے گھر ڈراپ کر دوں گا وہاں سے چلی جانا شاپنگ کرنے۔'' وہ پھر بیڈ پر چلا گیا۔
خوشنما نے آگے سے کچھ نہیں کہا بلکہ لب بھینچ کے اتھل پتھل سانسوں کو قابو کرنے لگی تھی۔

☆......☆

شہریار صبح سے کہیں گیا ہوا تھا۔ اس کی کل رات کی فلائٹ تھی اور کچھ اس کی پیکنگ بھی رہتی تھی۔
''یہ شہریار تم سے کچھ کہہ کے گیا تھا۔'' حسین بیگم کتنی ہی بار حسنیٰ سے پوچھ چکی تھیں۔
''کہہ رہے تھے کہ کلفٹن تک جا رہا ہوں۔ دو گھنٹے لگیں گے۔'' اس نے بتایا۔
''عجیب لڑکا ہے پتا نہیں کہاں نکل گیا۔ دوپہر ہونے کو آئی ہے۔''
''اماں میں نے کال کی تھی اس نے شکر ہے ریسیو کر لی کہہ رہا ہے آ رہا ہوں۔'' اکرم بھی خاصی دیر سے اسے ہی ڈھونڈنے نکلے تھے۔ حسنیٰ نے بھی تشکر بھرا سانس لیا اور کمرے میں آ کے اس کی پیکنگ کیے ہوئے سامان کو ایک طرف کرنے لگی شہریار جا رہا تھا اور وہ اداس تھی۔ شہریار نے ابھی تک اسے یہ نہیں بتایا تھا وہ اسے کب تک بلائے گا۔
''پتا نہیں میرا اب دل کیسے لگے گا۔'' وہ کمرے میں ٹہل رہی تھی۔
بینا باجی کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ اگنور کر کے کمرے سے پھر بھی نہیں نکلی۔
''ارے حسنیٰ ایسا بھی کیا تم تو اندر ہی گھسی بیٹھی ہو۔'' بینا باجی تو ایک منہ پھٹ تھیں، کب کسی کا لحاظ کرتی تھیں۔
''جی وہ میرے سر میں درد ہو رہا تھا۔ صبح کی اٹھی ہوئی تھی آرام کرنے لیٹ گئی تھی۔'' اس نے گھبرا کے عذر بتایا۔
''چلو مبارک ہو تمہارا سر درد بھی ختم ہو جائے گا۔ شہریار تمہیں ساتھ لے جا رہا ہے۔''
''جی۔'' وہ تو حیران رہ گئی۔ انہیں کیسے پتا چلا۔
''شہریار آ گیا ہے وہ بتا رہا تھا۔''
''کیا۔'' وہ تیزی سے باہر نکلی۔
شہریار پانی پی رہا تھا۔ لگتا تھا وہ بہت ضروری کام سے ہی نکلا تھا۔ جو اتنی دیر لگا کے آیا تھا۔
''حسنیٰ آنٹی آپ بھی تیاری پکڑیں، شہریار ماموں کے ساتھ آپ بھی جا رہی ہیں۔'' ارومہ نے معنی خیزی سے مسکرا کے کہا۔
شہریار کی اور اس کی نگاہوں کا تصادم ہوا۔ حسنیٰ کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا اتنی جلدی اچانک سے یہ سب کیسے۔
''زیادہ حیران نہیں ہو اپنی بھی ساتھ پیکنگ کرو کیونکہ کل کی فلائٹ ہے۔'' شہریار نے اس کا سکتہ توڑا۔
''ارے تم چلے جاتے بعد میں حسنیٰ کو آرام سے بلا لیتے۔'' حسین بیگم چاہ نہیں رہی تھیں وہ اتنی جلدی جائے۔
''اماں، بیوی آپ میرے لیے لائی ہیں۔ ظاہر ہے میری کوشش تھی ساتھ ہی لے جاؤں وہ تو میں سارے کاغذات کے ساتھ آیا تھا کچھ کام تھا اس کے لیے نکلا تھا وہ بھی قسمت اچھی تھی کہ حسنیٰ کا فارم کینیڈا سے آ گیا۔'' وہ بظاہر بہت مطمئن تھا۔
مائدہ دوپہر کا کھانا لگانے کے لیے کچن میں چلی گئی تھیں گھر میں ایک دم سے ہڑبونگ مچ گئی تھی، حسنیٰ کے چہرے پر اچانک سے چمک آ گئی تھی جو شہریار نے واضح محسوس کی تھی۔

''اگر تم جانا نہیں چاہتی ہو تو رہنے دو۔'' وہ کھانے سے فارغ ہو کے کمرے میں آئی ساتھ ہی اپنی پیکنگ بھی کرلی تھی ارومہ کو اس نے ساتھ لگا لیا تھا۔

''ایسا میں نے کب کہا۔'' وہ اپنی ضروری چیزیں ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے نکال رہی تھی۔

''مگر تمہارے چہرے سے تو ایسا ہی لگ رہا ہے۔'' شہریار کو اس کا یوں چمکتا چہرہ اچھا لگ رہا تھا۔ وہ خوش اور مسکراتی ہوئی اچھی لگ رہی تھی۔

''وہ میں یہ سوچ رہی تھی کہ امی اور مما کو تو پتا بھی نہیں میں بھی آپ کے ساتھ جا رہی ہوں۔'' اس نے خاصے متفکر لہجے میں پرسوچ انداز میں کہا۔

''تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے پھپھو کو میں نے بتا دیا ہے گھر گیا تھا پھپھو فراج کے ساتھ آنے ہی والی ہوں گی تمہاری مما کو بھی میں نے خاص طور پر جا کے بتایا تھا۔''

حسنیٰ کو تو یقین نہیں آرہا تھا وہ اس کا اتنا خیال کرنے لگا ہے۔

''ارے ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔'' اس نے حسنیٰ کو اپنی جانب تکتا دیکھ کر پوچھا۔

''یہی کہ آپ کو میرا اتنا خیال ہے۔'' اس نے بیگ میں چیزیں رکھنی شروع کی تھیں۔

''ہاں بہت خیال ہے اور مزید خیال وہاں جا کے رکھوں گا۔'' اس نے مسکرا کے حسنیٰ کے شانوں کو پکڑا آنکھوں میں اس کے معنی خیزی تھی۔

''جی۔'' وہ جھینپ بھی رہی تھی شہریار کے ایسے روپ کے لیے وہ خواب دیکھتی تھی۔ اس کی سماعت اور بصارت یقین نہیں کر رہی تھی۔

''ارے ایسے کیا گھور رہی ہو۔'' اس نے چٹکی بجائی۔

حسنیٰ کا سکتہ بھی ٹوٹ گیا۔

''آں ہاں کچھ نہیں۔'' اس نے اپنے بالوں کو کان کے پیچھے کیا اور نگاہ جھک گئی تھی۔

''یقین نہیں آرہا میری باتوں پر۔'' شہریار کی آواز اتنی گھمبیر ہوگئی اور لہجے کا ترنگ بھی بتا رہا تھا وہ واقعی بہت خوش ہے۔

''ظاہر ہے آپ نے مجھے کتنا ٹارچر کیا ہے، یقین کرنا تو مشکل ہو رہا ہے۔'' پر پل کپڑوں کے دوپٹے کو شانوں پر برابر کیا۔

''ویسے میرا ٹارچر کرنا کام کر گیا تم اسمارٹ اور خوب صورت اور زیادہ ہوگئی ہو۔''

''کیوں موٹی تھی تو میں جب اچھی نہیں لگتی تھی۔'' اس نے بے ساختہ پوچھا۔

''مجھے تم شروع سے ہی اچھی لگتی تھیں بس تمہیں میں کھونا نہیں چاہتا تھا۔ حالانکہ تم نے دو دفعہ میرا پرپوزل ریجیکٹ کیا تھا۔''

''آپ کی ہمت کی داد دیتی ہوں اتنا سننے کے بعد بھی آپ باز نہیں آئے پرپوزل بھیجتے ہی رہے۔''

''وہ پتا ہے کیا ہے نا میں نے سوچا اس دفعہ تو انکار ہی نہیں ہوگا کیونکہ پھپھو کو میری کینیڈا کی جاب متاثر کر گئی اور پھپھو نے بھی تمہیں قابو کر ہی لیا۔'' وہ حسنیٰ کے رخساروں پر دہکتی لالی کو بڑی محظوظ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

حسنیٰ کے لیے یہ سب اتنا اچانک ہو رہا تھا اس کی حالت غیر ہونے لگی جسم میں سنسنی سی دوڑ رہی تھی۔

اس شخص کے ایسے روپ کی تو متمنی تھی۔
''آپ مجھے اتنا ٹارچر کرنے لگے تھے کہ میں ذہنی طور پر بہت اپ سیٹ ہوگئی تھی۔''
''چلو میرا ٹارچر کام کر گیا تم کچھ زیادہ ہی سلم ہوگئی ہو۔'' وہ اس کے وجود کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
''آپ بہت برے ہیں۔'' وہ بلش ہو رہی تھی۔
''ہاں واقعی وہ تو میں ہوں۔ شادی کی رات بھی تمہارے نخرے نہیں اٹھائے بلکہ اپنے اٹھوائے۔''
''شادی کی رات کوئی دلہن سے چائے بنواتا ہے؟'' وہ خفگی سے گویا ہوئی۔
''کوئی بنواتا نہیں تو کیا ہوا میں نے تو بنوالی۔'' اس نے حسنیٰ کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کے دبایا مگر آج ان ہاتھوں میں محبت، اپنائیت اور پریم تھا وہ آج بہت خوش تھی۔ شہریار نے اسے ایکدم سے اتنی خوشیاں جو دے دی تھیں۔ وہ اللہ کا بہت بہت شکر ادا کر رہی تھی۔
''حسنیٰ آنٹی، حباب اور ضمران بھائی آئے ہیں آپ لوگ آجایئے۔'' ارومہ کی آواز پر دونوں ہی چونک گئے۔
''ارے ٹائم کا تو احساس ہی نہیں رہا تم جلدی جلدی پیکنگ کرو میں جا کے ان لوگوں سے ملتا ہوں۔'' اس نے حسنیٰ کے شانے پر تھپکی دی کہ وہ پیکنگ کرے۔
☆......☆
شہریار اور حسنیٰ کے جانے کے بعد وہ کچھ اداس ہوگئی تھی مگر پھر خود کو نارمل کیا نوشین اور کرن کی منگنی تھی یہ بھی آج پتا چلا تھا نوشین کے دیور سے کرن کا رشتہ بھی مانگ لیا تھا۔ اس لیے اب ڈبل تیاری تھی۔ نوین اور آدم کی منگنی بھی سرفراز صاحب نے کہا تھا اسی دن رکھ لیں حباب کے اور رضوانہ کے بازاروں کے چکر لگ رہے تھے۔ رضوانہ نے نوین کی تیاری بہت اچھی کی تھی جوڑا اور دیگر کئی لوازمات بھی ساتھ لے کے جا رہی تھیں۔
حباب ہلکی پھلکی ہوگئی تھی کیونکہ نوشین کا معاملہ جو سمٹ گیا تھا۔ وہ ضمران پر توجہ دینے لگی تھی ضمران نے کئی دفعہ چونک کے اسے دیکھا تھا۔
''سنیے میں آج ان دونوں میں سے کون سا ڈریس پہنوں؟'' اس نے سی گرین اور پنک کلر کا جدید اسٹائلش ڈریس ہینگر لیے اس کے سامنے لہرائے وہ باتھ لے کر اسی وقت نکلا تھا۔
سب آج منگنی پر جا رہے تھے تیاریوں میں لگے تھے۔
ضمران نے چونکنے والے انداز میں دیکھا وہ مسکرا بھی رہی تھی۔
''میری مرضی کی کب سے ضرورت پڑ گئی۔ میں تو آپ کی کسی گنتی میں شمار ہی نہیں ہوتا۔'' اس نے کچھ طنز اور استہزائیہ لہجے میں کہا۔
حباب لب بھینچ کے رہ گئی ہینگر اس نے بیڈ پر ڈال دیئے۔
''ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔''
''پھر کیسی بات ہے۔'' گیلے بالوں میں تولیہ رگڑ کے تولیہ گلے میں ڈال دیا۔ اسکائی بلیو کلر کے قمیص شلوار میں نکھرا نکھرا وہ کچھ شوخ لگ رہا تھا۔ شاید وہ حباب کی آنکھوں میں وہ سب دیکھ چکا تھا۔ جو وہ

چاہ رہی تھی۔
''پھر کیسی بات ہے کیونکہ اتنی اہمیت تو آپ نے مجھے ابھی تک دی ہی نہیں ہے۔'' ضمران کی بصارت اور سماعت یقین نہیں کر رہے تھے حباب اتنی فرینک اور صلح جو انداز میں اس سے بات کر رہی تھی وہ تو اس سے کتنے مہینوں سے اجنبی بن کے ہی مخاطب ہوتی تھی۔
''وہ میں اس لیے پوچھ رہی تھی کہ آپ کی امی کہہ رہی تھیں کہ ضمران کی پسند سے ہی پہنا اوڑھا کرو۔''
''اچھا یہ بات امی کہہ رہی تھیں۔ انہوں نے یہ بات آج کی ہے یا اس وقت سے کہتی آرہی ہیں جب ہماری شادی ہوئی تھی۔'' ضمران کو اس کا شرمایا گھبرایا انداز مزا دے رہا تھا۔ اس کا دل بھی خوش ہو رہا تھا حباب اسے سمجھنے لگی ہے۔
''خیر ایسی بات نہیں ہے۔'' وہ جھینپ گئی اور ڈریسنگ ٹیبل کی ساتھ دراز سے چوڑیاں نکالنے لگی۔
ضمران اس کی پشت پر ہی آکے کھڑا ہو گیا۔
''اوہ اچھا یاد آیا نوشین والی غلط فہمی دور ہو گئی کیونکہ میں جو کہتا تھا اس پر تو آپ کو یقین نہیں تھا نوشین نے کہا تو سمجھ آگیا۔'' وہ طنز پر طنز کیے جا رہا تھا۔
''آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔'' وہ کھسیا گئی۔
''عجیب سے مطلب! کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہوں۔'' وہ اس کے بالکل سامنے آگیا۔ حباب اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بھی گھبرا رہی تھی۔ کیونکہ دل کا چور چہرے پر عیاں ہو رہا تھا۔
''آپ سے تو بات کرنا فضول ہے میں امی سے پوچھ لوں گی۔'' وہ چڑ کے جانے لگی۔
مگر ضمران کی گرفت اس کے بازو پر مضبوط ہو گئی۔ وہ تو سٹپٹا گئی کیونکہ ضمران کی آنکھوں میں تو معنی خیزی اور شرارت تھی۔
''جب مجھ سے بات شروع کی ہے تو پوری بھی کرو۔''
''مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔'' حباب کو اس وقت خود اپنے منہ سے اظہار کرتے ہوئے حیا آرہی تھی مگر اسے یہ اجنبیت کی دیوار تو گرانی ہی تھی جو اس نے خود ہی کھڑی کی تھی۔ ضمران اس کے رویے سے کبھی بھی چڑا نہیں اتنا وہ اسے اگنور بھی کرتی آرہی تھی مگر ضمران کے چہرے پر اس نے کبھی اکتاہٹ نہیں دیکھی تھی۔
''کیا بات ہے آج کیا سورج کہیں اور سے نکلا تھا جو محترمہ مجھے اہمیت دے رہی ہیں۔''
''زیادہ خوش فہمی اچھی نہیں ہوتی۔'' وہ کسماتے اپنا بازو چھڑوانے لگی۔
''مجھے خوش فہمیوں میں رہنے کی عادت سی ہو گئی ہے۔'' وہ ہنسا۔
''یہ عادت بہت بری ہے تبدیل کریں۔'' وہ جھٹ بولی۔
''وہ کیا ہے کہ میں تبدیل کرنا نہیں چاہتا۔'' حباب کی آنکھوں میں دیکھا وہ گھبرائی ہوئی تھی۔
''حباب کیا ہم دونوں کی زندگی اسی طرح گزرے گی؟'' وہ ایک دم ہی پھر سنجیدہ بھی ہو گیا۔
حباب نے چونک کے اسے دیکھا آنکھوں میں حسرت بھی تھی۔
''تم کب تک اسی بات کو لے کے بیٹھی رہو گی لوگ تمہیں غلط سمجھتے ہوں گے کہ اس طرح ہماری شادی ہوئی دیکھو ہماری قسمت میں اسی طرح ہی شادی لکھی تھی۔ میں نے تمہیں جب بھی دیکھا انجانے میں دعا ہی کی۔ اس لڑکی سے میری زندگی جڑ جائے۔'' وہ بول رہا تھا اور حباب اس کی بات بغور سن رہی تھی۔

''آج کل کسی کو کوئی فرصت نہیں پڑی کہ کون کیا کر رہا ہے یا اس طرح اس نے کیوں کیا۔ کسی کو یہ واضح یاد نہیں ہوگا کہ تمہیں اور مجھے کسی نے ایسے دیکھا رہے چندا میاں انہیں تو ہر ایک پر باتیں بنانے کی عادت تھی کیونکہ وہ کوئی کام جو نہیں کرتے تھے۔ اب دیکھو وہ امریکہ بھی چلے گئے اپنے بیٹوں کے پاس اور تم اسی بات کو لے کے بیٹھی ہو۔ تم نے مجھ میں تو کمی نہیں دیکھی کہ میں نے تمہیں وہ پیار اور محبت نہ دی ہو یہ الگ بات ہے کہ تم نے مجھے پیار اور محبت کے قابل ہی نہیں سمجھا۔'' ضمران کو آج سب کہنے کا موقع مل گیا تھا۔ حباب خفیف سی ہوگئی۔ ضمران کا لہجہ شکوہ کناں تھا اسے باخوبی اندازہ ہو گیا وہ اس سے بہت محبت کرتا ہے۔

''تم نے کبھی میری پرواہ ہی نہیں کی شروع سے لوگوں کی پرواہ کی۔ لوگ کیا کہتے ہوں گے تم نے یہ نہیں سوچا زندگی بھر کا ساتھی میں ہوں یہ لوگ نہیں ہیں، لوگ بھی دوسروں کی پرواہ نہیں کرتے یہ صرف فالتو لوگوں کا کام ہوتا ہے جو دوسروں پر یہ نگاہ رکھتے ہیں کہ کون کیا کر رہا ہے۔ رہے چندا میاں ان کے چھوٹے بیٹے نے تو کرسچن لڑکی سے شادی کی۔ اپنے گھر میں نگاہ ڈالتے نہیں ہیں دوسروں پر باتیں بناتے ہیں تم نے سوائے بے وقوفی کے کچھ نہیں کیا۔'' وہ اسے مکمل احساس دلانا چاہتا تھا کہ وہ صرف اپنا نقصان کرتی آ رہی ہے۔

''سارے جہان کو پتا ہے ان کا بیٹا کرسچن لڑکی سے شادی کر کے امریکہ میں بیٹھا ہے مگر لوگوں کو فرصت نہیں کہ ان کے متعلق باتیں کریں تم نے اچھی لوگوں کی پرواہ کی۔''

حباب جز بز ہو کے لب بھینچ کے رہ گئی کیونکہ ضمران کو موقع مل گیا تھا اسے سخت سست سنانے کا۔

''تمہیں میری محبت و پیار پر یقین ہی نہیں اور میرے گھر والوں کی محبت پر بھی سب نے تمہیں بڑے خوش ہو کے اس گھر کی دلہن بنایا ہے۔ مگر تمہیں اس گھر والوں کی فکر تھوڑی دنیا والوں کی فکر تھی وہ باتیں بناتے ہوں گے۔'' وہ بہت ناراض اور برہم بھی ہو رہا تھا۔

حباب تو اپنی ماں کی حرکتوں کی وجہ سے بھی ایسا سوچنے لگی تھی جب کہ بینا بھی سنجیدہ ہوگئی تھیں جب سے اس کی شادی ضمران سے ہوئی تھی ان چند ماہ میں کافی کچھ بدل گیا تھا مگر اس نے تو یہ سب نوٹ ہی نہیں کیا تھا یا پھر وہ صرف بدگمانی میں جی رہی تھی۔

ضمران نے اس کی بت بنی کیفیت دیکھی وہ جیسے پتھر کی ہوگئی ہو۔ وہ تو بس اسے اپنے لیے احساس دلانا چاہتا تھا اسے کوئی الزام نہیں دے رہا تھا۔

''حباب ادھر بیٹھو۔'' اس نے ہاتھ پکڑ کے بیڈ پر بیٹھا حباب کو ایسا لگا اس کا سکتہ ٹوٹ گیا ہو وہ ضمران کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

''حباب پلیز اب تو میری محبت پر یقین کر لو۔ میں تھک گیا ہوں مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ تمہاری توجہ اور پیار کی ضرورت ہے۔'' وہ اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کے دبانے لگا مگر بہت محبت اور پریم سے۔

''تم مجھے اپنی سادگی کی وجہ سے اچھی لگنے لگی تھیں تم جب جب مجھے ملی ہو میرے دل میں نیا احساس جگایا مگر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا تم یوں اچانک سے مل جاؤ گی تم میری سب سے بڑی خوشی ہو۔'' حباب کو یقین نہیں آ رہا تھا وہ اس کے لیے اتنی اہمیت رکھتی ہے اور وہ اسے چاہتا ہے وہ تو یہ سمجھتی آ رہی تھی زبردستی

اس پر مسلط کی گئی ہے اور وہ کسی اور کا تھا اس نے زبردستی اس کی زندگی میں دخل اندازی کی وہ نوشین کا نصیب تھا۔

''حباب میں نے کبھی بھی نوشین کو چاہا ہی نہیں ہمیشہ کزن اور بہن سمجھا ہے وہ پتا نہیں کیوں زبردستی میرے پیچھے لگی تھی اس میں بھی اس کا قصور نہیں راشدہ پھپھو نے اس کی شخصیت خراب کی تھی اب دیکھو کیسے وہ لائن پر آگئی ہے کیونکہ یہ پھوپھا جان کی وجہ سے ہوا ہے۔ انہوں نے خود اپنی بیٹیوں کو اپنے ذمے لیا تو راشدہ پھپھو کی بھی عقل ٹھکانے آگئی ہے۔''

وہ حباب کا دل و دماغ بالکل واش کرنا چاہتا تھا تاکہ اگر اس کے دل و دماغ میں ذرا بھی بدگمانی ہے وہ سب ختم ہو جائے۔

حباب کی آنکھوں میں نمی آگئی۔ ضمران نے کبھی بھی جذبات سے کام نہیں لیا تھا۔ اس کے متنفر رہنے کی وجہ سے کبھی بھی غصہ کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ضمران سمجھدار اور بڑا تحمل مزاج تھا اسے اندازہ ہو گیا تھا۔

''پلیز اب تو مجھے قبول کرلو۔'' لہجہ ملتجی اور مسرت بھرا تھا۔

''آئی ایم سوری۔'' وہ بس اتنا ہی بول سکی تھی کیونکہ اس کو لگتا تھا الفاظ ختم ہو گئے ہیں وہ اور کیا کہتی ضمران نے اس کی ساری دھند صاف کردی تھی اور پھر اسے بھی تو اندازہ ہو گیا تھا۔ اتنے عرصے میں وہ ضمران کی محبت اور توجہ کی قائل ہو گئی تھی۔

''صرف سوری وہ بھی اتنے آرام سے سوری۔'' وہ تو تیز لہجے میں گویا ہوا۔

حباب سہم کے اس سے قدرے فاصلے پر ہو گئی کیونکہ ضمران غصہ بھی تو ہو رہا تھا۔

''مجھے معاف کردیں میں پتا نہیں کیا کیا خود سے اخذ کر کے بے وقوفی کرتی رہی۔'' وہ خود کو شرمندگی اور ندامت میں گرتی ہوئی محسوس کر رہی تھی۔

''بے وقوفی ارے بے وقوفیاں کی ہیں تم تو معافی کے بھی قابل نہیں ہو۔''

''حباب...... حباب۔'' دروازے پر رضوانہ تھیں اور اسے پکار رہی تھیں۔

''جی جی۔'' وہ بوکھلا گئی۔

''رکو میں دیکھتا ہوں تمہاری روتی صورت دیکھ کر پریشان ہو جائیں گی۔'' وہ خود دروازہ کھولنے لگا۔

''ارے بیٹا کب تک تیار ہو کے نکلو گے سرفراز کی کال آئی ہے نوشین کے سسرال والے پہنچ گئے ہیں۔''

''اوہ اچھا، بس تیار ہی ہو رہے تھے۔''

''بیٹا جلدی آؤ آدم بھی تیار ہو گیا ہے۔'' وہ اسے جلدی کرنے کا کہہ کے چلی گئی تھیں۔

''جلدی تیار ہو اور ہاں یہ والا ڈریس پہنو۔'' ضمران نے اس کے کپڑے بھی سلیکٹ کیے۔

''آپ مجھے معاف کردیں۔'' حباب کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''معاف تو میں تمہیں اچھی طرح کروں گا ابھی تو تیاری کرو۔'' لہجہ معنی خیز تھا مگر سنجیدگی بھی ہنوز برقرار تھی۔

حباب کے دل میں گھبراہٹ شروع ہو گئی تھی۔ ضمران اس کی طرف دیکھ جو نہیں رہا تھا۔

''پلیز میری بات تو سنیے۔'' اس نے ضمران کا بازو پکڑ لیا۔

''منگنی سے واپس آکے میں اچھی طرح تمہاری بات بھی سنوں گا مگر ابھی نہیں۔'' اس نے حباب کے گرد بازو حمائل کر کے مسکرا کے معنی خیز انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھا۔
حباب کو یقین نہیں آیا وہ صلح جو انداز میں مسکرا رہا تھا اسے ایسا لگا ہفت اقلیم ہاتھ لگ گیا ہو۔
''سچ کہہ رہا ہوں اچھی طرح ہر بات سنوں گا۔'' حباب کے ہاتھوں کو بڑے پیار سے دبایا اس نے مارے حیا کے نگاہ جھکالی۔

☆......☆

شاپنگ اس نے رمنا اور ایمن کے ساتھ جا کے کر لی تھی مگر صرف ضروری چیزوں کی کیونکہ سارے بری اور جہیز کے کپڑے تو یونہی پیک تھے۔ اس نے سوچ لیا تھا انہی کپڑوں میں سے کوئی سا بھی سوٹ نکال کے فاران کی شادی اور ولیمے پر پہن لے گی۔
''ارے خوشنما تم نے کوئی ڈریس تو خریدا ہی نہیں۔'' شاہدہ مامی نے اس کی کی گئی شاپنگ کو حیرانگی سے ہی دیکھا۔
''مامی اتنے کپڑے پڑے ہیں ان میں سے پہن لوں گی۔'' وہ منمنائی۔
''صاف بولو میاں کی بچت کروا رہی ہو۔'' وہ مسکرا کے چھیڑنے لگیں۔
''یہ بات نہیں ہے اصل میں مجھے ان کاٹن اور لان کے کپڑوں کی ضرورت تھی کیونکہ گھر میں ایزی سے کپڑے ہی پہنے جاتے ہیں۔'' وہ وضاحت دینے لگی۔
''چچی جان خوشنما بھابی بھی کفایت شعار بیوی بننا چاہتی ہیں۔'' جوہم نے ساری خبریں دیکھنے کے بعد سب شاپرز میں سامان ویسے ہی پیک کر کے رکھا۔
''جو بھی سمجھ لو۔'' خوشنما جھینپ تو گئی تھی۔
''ارے چچی جان کل تو فاران بھائی کی دلہن کو رخصت کرا کے لانا ہے یہ بتایئے میں ڈریس کون سا پہنوں۔'' جوہم کو اپنی تیاری کی پڑی تھی۔
''ہاں ذرا خاص طریقے سے تیار ہونا، سنا ہے کچھ لوگ تمہیں بھی دیکھنے آئیں گے۔'' شاہدہ نے معنی خیزی سے اسے چھیڑا جوہم جھینپ کے رہ گئی۔
''جی نہیں مجھے ابھی شادی کرنی نہیں ہے پہلے میرا ماسٹرز کمپلیٹ ہو جائے۔''
''مرتضٰی بھائی اور بھابی تمہاری سنیں گے کب۔'' خوشنما کو بھی ہنسی آگئی کیونکہ جوہم کھسیائی ہوئی ہوگئی تھی۔
''ارے کیا ادھر ہی جمی رہو گی اپنے ابو اور مہران کے کپڑے استری کرو۔'' نزہت جوہم کے سر پر آکر کھڑی ہوگئی تھیں۔
خوشنما انہیں دیکھ کے کھڑی ہوگئی وہ کوشش کرتی تھی ان کے سامنے نہ جائے تو بہتر ہے۔
''خوشنما تمہیں بابا جان بلا رہے ہیں۔''
وہ آج اس سے مخاطب ہوئی تھیں وہ بھی اتنے نرم لہجے میں ان لوگوں پر حیرت طاری ہوگئی۔
''میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو استری کرو جا کے۔'' انہوں نے جوہم کے حیرت سے منہ کھلے رہنے پر ذرا ڈپٹ کے ہی کہا۔
خوشنما نے بھی جانے میں عافیت جانی مگر اسے ابھی تک بھی یقین نہیں آرہا تھا۔

''بھابی آپ ناراض تو نہیں ہیں۔'' شاہدہ نے ان سے پوچھا۔
''کس بات پر۔'' وہ انجان بن کے حیرانگی سے پوچھنے لگیں۔
''فاران کی دلہن کو ہم لوگ کل رخصت کروا کے لے آئیں گے۔
''بیٹے کی ضد کے آگے میری ناراضی بھی کہیں پیچھے چلی گئی ہے کیونکہ میں نہیں چاہتی وہ میری وجہ سے کوئی انتہائی قدم اٹھائے میں بھی بیٹی والی ہوں۔'' وہ فاران کی یہ بات بھولی نہیں تھیں اس نے مریم کو چھوڑنے کی بات جو کی تھی اسی بات نے انہیں ہلا دیا تھا۔ پھر مریم بن ماں باپ کی بچی وہ کسی کی آہ نہیں لینا چاہتی تھیں۔ مگر ان کے ارمان ٹوٹ گئے تھے۔ مگر پھر خود کو راضی کیا اور بیٹے کی خوشی کو قبول کیا اور پھر ان کے آگے ان کے بڑے بول ہی آئے تھے وہ خوشنما کو کمتر اور غریب ہونے کا طعنہ دیتی تھیں کیسے حقارت سے پیش آتی تھیں ان کا یہی بڑا بول ان کے آگے آیا تھا اور ان کا سر شرمندگی سے جھک گیا تھا کتنے دن وہ ضمیر کی عدالت میں کھڑی رہی تھیں۔
''بھابی مریم اچھی سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ آپ مل کر اس سے بہت خوش ہوں گی۔''
''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' وہ مسکرا کے گویا ہوئی تھیں۔
مگر اندر انہیں کچھ خالی پن بھی لگ رہا تھا جو کل تک تنفر سے گردن اکڑائے پھرتی تھیں آج ان کی گردن بھی نیچی ہو گئی تھی ورنہ اپنی غلطی کا اعتراف کرنا کتنا مشکل لگ رہا تھا۔
''شاہدہ تم فاران کا روم اچھی طرح سیٹ کروا دینا۔ سارا سامان بکھرا پڑا ہے۔''
''بھابی آپ فکر نہیں کریں آج میرا یہی ارادہ ہے چاہے ساری رات کیوں نہ جاگنا پڑے۔ کام پورا کرنا ہے فاران بھی موجود ہے وہ بھی کروا لے گا۔'' شاہدہ نے انہیں اطمینان دلایا۔
نزہت بھی پھر اپنے روم کی طرف بڑھ گئیں وہ خوشی اور ہیثم سے بات کرنا چاہتی تھیں مگر ان کی ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی۔ ہیثم کو بھی انہوں نے کتنا سنایا تھا۔

☆......☆

صبح وہ فجر کی اذانوں سے بھی پہلے ہی اٹھ گئی۔ ہیثم بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ وہ تہجد کی نماز پڑھ کے تسبیح پڑھ رہی تھی۔
ہیثم کی بھی کروٹ بدلنے کے ساتھ آنکھ کھلی اس نے خوشنما کو بڑے صوفے کے سائیڈ پر جائے نماز بچھائے سر جھکائے تسبیح پڑھتے دیکھا۔
کاسنی کپڑوں پر بڑا سا نماز کا دوپٹہ اوڑھے نیلے بلب کی مدھم روشنی میں وہ ماورائی مخلوق ہی لگ رہی تھی۔ وہ دلچسپی سے اسے بغور دیکھے جا رہا تھا۔ وہ خوشنما کو اور شدتوں سے چاہنے لگا تھا۔ وہ خود بھی حیران تھا۔ ہر وقت صرف اس کے حواسوں پر خوشنما ہی چھائی رہتی تھی ورنہ وہ کب کہیں رکتا تھا مگر یہ بات ہے اس نے کبھی بھی اپنی حدیں پار نہیں کی تھیں جب سے وہ خوشنما سے ملا تھا اس کے علاوہ وہ کسی اور کو سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا قدرت کو بھی کیا منظور تھا اسی کے آفس میں وہ تھی مگر اسے یہ نہیں پتا تھا یہی لڑکی اس کی بیوی ہے نہ وہ اشعر کے آفس جاتا اور نہ وہ اسے یوں ملتی۔
مگر جب سے ملی تھی اس کا بزنس بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اسے اتنے فائدے ہو رہے تھے صرف خوشنما کی وجہ سے واقعی یہ خوشنما نام کی نہیں اس نے تو اس کی زندگی خوشنما ہی بنا دی تھی۔

بچپن میں ماں باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ نانا نے ہی اس کی پرورش کی بڑی مامی نے اس کا بہت خیال رکھا تبھی کبھی اپنے بچوں اور اس میں فرق نہیں رکھا تھا۔ وہ خوشنما کو دل سے چاہنے لگا تھا اس کا غصہ نفرت سب اسے عزیز تھی۔ اسے قوی امید تھی اللہ کی ذات سے کہ وہ ایک دن ضرور اسے معاف کرے گی فجر کی اذانوں کی آواز آئی تو وہ بھی اٹھ گیا۔ بہت عرصے بعد یوں اسے فجر کی نماز کے لیے اٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔
خوشنما نے چونک کے حیرانگی سے دیکھا وہ واش روم سے وضو کر کے نکلا تھا۔
ٹوپی کی تلاش میں وارڈ روب کی درازیں دیکھی تھیں۔ شکر تھا مل گئی اس نے جلدی سے سلیپر پہنے اور باہر نکل گیا۔
خوشنما نے کبھی کبھی نماز پڑھتے دیکھا ضرور تھا مگر وہ پابندی سے نہیں پڑھتا تھا اسے بہت خوشی ہوئی تھی ہیثم کو بھی نماز سے لگاؤ ہے۔
فجر کی نماز پڑھ کے وہ قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگی تھی۔ اسی دوران وہ بھی آ گیا تھا۔ فان کلر کے قمیص شلوار میں وہ فریش فریش بڑے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔
ہیثم نے سوچ لیا تھا وہ نماز کی پابندی کرے گا اور اپنے رب سے خوشنما کے دل کو موم کرنے کی دعائیں کرے گا۔ وہ خوشنما کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اسے جب بھی دیکھتا تھا دلی سکون ملتا تھا۔ اس کی خاطر تو وہ اس گھر سے نکلنے کو تیار تھا محض اس لیے کہ بڑی مامی خوشنما کو کمتر جو سمجھتی تھیں مگر اس نے بڑی مامی سے بھی بات کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ ان کے دل میں اس کی طرف سے اور خوشنما کی طرف سے فضول کوئی بات نہیں ہو۔ ویسے بھی آج فاران کی دلہن کو رخصت کرا کے لانا تھا اور وہ پہلے بات کرنا چاہتا تھا۔
''میں سو رہا ہوں نو بجے تک مجھے اٹھا دینا۔'' وہ اٹھا اور پھر سونے کے لیے لیٹ گیا۔
خوشنما قرآن پاک پڑھ کے اسی وقت اٹھی تھی۔
''اور سنو ادھر کی لائٹ بھی آف کر دو۔'' ہیثم نے بیڈ کی طرف کی لائٹ کا کہا۔
حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا خوشنما اس کے پاس آ کے بیٹھے اور اس سے باتیں کرے۔
لائٹ آف کر کے وہ بھی کچھ دیر کے لیے لیٹنے کے لیے آ گئی۔
ہیثم نے اسے بغور دیکھا وہ ہمیشہ اس کی طرف سے کروٹ لے کے لیٹتی تھی۔
''کل ولیمہ ہے۔'' وہ یکدم بولا۔
''آج رخصتی تو ہونے دیں ولیمہ بھی کل ہو جائے گا۔'' وہ مسکراہٹ روک کے گویا ہوئی۔
''نانا جان کہہ رہے تھے ہمارا ولیمہ بھی ہے۔'' وہ اس کی پشت پر نگاہیں جمائے بول رہا تھا۔
''اب تو ایک سال ہونے والا ہے اور ایک سال بعد ولیمہ اچھا بھی نہیں لگتا۔''
''میں نے بھی یہی کہا تھا پھر ایسا کرو پلیز تم خود نانا جان کو سمجھاؤ اور منع کرو کیونکہ مجھے اپنا ریکارڈ نہیں لگوانا۔'' وہ یہ مسئلہ خوشنما پر ڈال کے بولا۔
''نانا جان سے میں نے پہلے ہی بات کی ہوئی ہے۔ سمجھا دیا ہے۔'' وہ اس کی حالت سے محظوظ بھی ہو رہی تھی۔
''آپ نے تو اپنی شادی کے دن ہی برباد کیے ہیں۔ آپ کو کیا اندازہ یہ دن کیا ہوتے ہیں۔'' اس کی زبان پر حسرت بھرا شکوہ در آیا۔

ہیثم تو چونک گیا اس نے پہلی دفعہ اپنی شادی کے دن کی بات جو کی تھی۔
''کہہ تو رہا ہوں ساری تشنگی مٹانے کو تیار ہوں تم موقع ہی نہیں دے رہی ہو۔'' وہ خوش بھی ہوا خوشنما کی اسے یہ نیم رضامندی ہی لگی تھی۔
''آپ کا کیا بھروسہ۔''
''ہاں میرا کیا بھروسا دس بیس اپنے ساتھ لگا رکھی ہوں۔'' وہ طنزیہ ہو گیا۔
''مجھے کیا پتا۔''
''میرے خیال میں تم بھی سو جاؤ اور میں بھی کیونکہ ایسی بحث کا کوئی فائدہ نہیں جو صرف لڑائی جھگڑا ہو۔ میں نے بھی سوچ لیا تمہاری مرضی کے مطابق فیصلہ کر ہی دوں کیونکہ ایسی زندگی سے میں تنگ آ گیا ہوں۔'' وہ جھنجلا رہا تھا۔
''یعنی آپ مجھ سے عاجز آ گئے ہیں۔'' وہ اسے سلگا ہی رہی تھی۔
''سنو میں تم سے نہیں تمہاری باتوں سے عاجز ہوں۔ تمہاری نظر میں کسی کی کوئی اہمیت ہی نہیں ایک شخص اپنا آپ گرا کے تم سے معافیاں مانگ رہا ہے۔ تمہارے مزاج ہی نہیں ملتے۔'' ہاتھ بڑھا کے اسے اپنے قریب کر لیا۔
خوشنما تو وحشت زدہ ہو گئی۔ ہیثم کی آنکھوں میں غصہ جو نظر آ رہا تھا۔
''یہ میری شرافت ہے جو میں نے تمہیں ابھی تک ہاتھ نہیں لگایا ہے ورنہ مجھے کیا ضرورت ہے تمہاری مرضی اور رضامندی کی، چاہتا تو من مانی کرتا اور تمہاری پرواہ بھی نہیں کرتا۔ میں نے تو صرف تمہاری ایک رات بے وقعتی کی ہے اور تم کتنی راتوں اور دنوں سے میری بے وقعتی کر رہی ہو میں تو پھر بھی خوش ہوں۔ تم اگر نہیں رہنا چاہتی ہو تو اپنا فیصلہ سنا دو تاکہ تمہیں میں تمہارے حال پر چھوڑ دوں اور جو تمہیں پسند ہو تمہاری قدر کرتا ہو اس سے شادی کر لینا۔''
''جی کیا کہا۔'' وہ تو ٹھنک گئی۔
''کتنی آسانی سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔ آپ کو پتا بھی ہے ایک شادی شدہ عورت سے کون دوسری شادی کرتا ہے۔''
''اچھا تمہارا ارادہ ہے۔'' وہ بہت مایوس اور افسردہ ہو رہا تھا۔
''میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ آپ کے ارادے کچھ اور بتا رہے ہیں۔'' وہ لاجواب تو ہو گئی تھی نگاہ دوسری طرف کر لی۔ ہیثم کی گرفت میں وہ ابھی بھی تھی۔
''میرے ارادے تم جانتی ہو۔'' اس کے لہجے میں اپنائیت محبت کا سمندر تھا۔
مگر خوشنما پھر بھی نگاہ چرا رہی تھی۔ اسے اس کی انا روک رہی تھی لیکن وہ ہیثم کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتی۔
وہ اس سے پیار کرنے لگی تھی اس کی دھڑکنوں میں وہ بسنے لگا تھا۔ اسے اس کی پرواہ کرنا اچھا لگتا تھا۔
وہ اسے شدتوں سے چاہنے لگا تھا اس نے آزما لیا تھا۔ محض غصہ اور ضد کی وجہ سے وہ اسے پہلی رات اگنور کر گیا تھا ورنہ تو وہ ایسا نہیں تھا۔ وہ اس کی عزت کرتا تھا اور سب سے کرانا بھی جانتا تھا۔
''مجھے اپنا فیصلہ کل تک بتا دینا تاکہ یہ قصہ ہی تمام ہو۔'' گرفت ڈھیلی کی اور پیچھے ہو گیا۔
''خوشنما یاد رکھنا میری طرح اتنی شدتوں سے تمہیں کوئی نہیں چاہے گا۔'' وہ بول رہا تھا۔

خوشنما سن رہی تھی۔ دل تو اس کا ہیشم کی طرف ہمک رہا تھا۔
''کیسا فیصلہ۔'' وہ پھر انجان بنی۔
''دیکھو انجان نہیں بنو جو فیصلہ چاہتی ہو اس کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ پھر تحمل سے گویا ہوا۔
''ٹھیک ہے بتا دوں گی۔'' وہ کروٹ لے کے لیٹ گئی۔
''ہیشم میں بھی تو آپ کو اسی شدتوں سے چاہنے لگی ہوں مجھے آپ کا ساتھ اچھا لگنے لگا ہے۔ مجھے آپ شروع سے اچھے لگتے تھے۔ میں نے آپ سے دل کا رشتہ باندھا تھا۔ میں ان لڑکیوں کی طرح نہیں ہوں جو شوہر کے ہوتے ہوئے دوسروں پر توجہ دیتی ہیں۔ میں نے تو آپ سے دوررہ کے بھی نفرت نہیں کی۔ ہاں بس غصہ تھا کہ آپ سے بدلہ لے سکوں مگر یہاں تو کہانی ہی دوسری ہوگئی۔ آپ میرے دل کے قریب سے قریب تر ہوتے گئے۔ اشعر بھائی کے آفس میں آپ کو پہلی دفعہ دیکھا دل اور زیادہ دھڑکنا شروع ہو گیا تھا۔ مجھے اس بات پر اور خوشی ہے آپ کے دل میں میں ہی بستی ہوں میری ناراضی آپ کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ مجھے منا رہے ہیں اور میں ایک عورت ہو کے اتنی سخت دل کیسے بن گئی۔ نہیں میں اور زیادہ آپ کو ناراض نہیں کروں گی میں آپ کو اور زیادہ غمگین نہیں کر سکتی میں یہی چاہتی تھی۔ آپ مجھے میری رضا سے مانگ رہے ہوں۔'' وہ سوچتی ہوئی سوگئی۔

☆......☆

یہاں آئے ہوئے تیسرا روز تھا۔ سردی ایسی کڑاکے کی پڑ رہی تھی اس کا تو دل گرم گرم بستر سے نکلنے کو دل نہیں کر رہا تھا مگر شہریار کی وارننگ پر اٹھنا پڑا۔ پنک نائٹی میں اس کا خوب صورت وجود بالکل پھول کی طرح ہی لگ رہا تھا۔ پورے گھر میں ہیٹر کی گرمی تھی۔ پھر بھی وہ پڑی ہوئی تھی۔
شہریار کی نگاہیں خمار آلود تھیں۔ وہ واش روم سے فریش ہو کے آئی تھی۔
''ہاں تو جان من کہو میری ہمراہی میں خوش ہو۔'' شہریار نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔
''آپ ضرورت سے زیادہ ہی بے باک ہو رہے ہیں۔'' وہ چھوئی موئی کی طرح اس کی بانہوں میں کسمسا رہی تھی۔
''ہم تو ایسے ہی ہیں۔'' وہ ہنسا۔
''وہاں پاکستان میں تو بڑے اکڑو بنے ہوئے تھے۔'' حسنیٰ بہت خوش تھی۔ شہریار کی محبت، پیار اور توجہ سب اس کے لیے تھی۔
''وہاں مجھے ایسے بن کے رہنا پڑتا تھا تم اماں کو تو جانتی ہو۔'' حسنیٰ کی گوری گوری بانہیں خوب صورت لگ رہی تھیں۔
''ہوں یہ تو ہے۔''
''اچھا چھوڑیئے ناشتہ تو کرنے دیں۔'' وہ کچن میں جانے کے لیے پر تول رہی تھی۔
''مجھ سے اب تو شکایت نہیں۔'' وہ مسکرا کے دیکھ رہا تھا۔
''آپ یہاں اپنے ساتھ لائے ہیں، ساری شکایتیں دور کر دی ہیں تھینکس۔'' وہ کیبنٹ سے مگ نکال رہی تھی۔ دونوں کا چھوٹا سا فلیٹ بہت خوبصورت تھا۔

(جاری ہے)

سباس گل

مکمل ناول

من بھی چاہت تمہاری ہے

"اخبار چاٹ لیا ہو تو یہ چائے پی لو، ٹھنڈی ہو جائے گی تو اور نہیں ملے گی، دودھ پتی سب ختم ہے"۔
شمسہ بیگم نے شوہر کو چائے دینے کے ساتھ ہی دودھ پتی ختم ہونے کی اطلاع بھی دی، تو انہوں نے چشمے کی اوٹ



نے انہیں دیکھا اور پھر چائے کے کپ کو اور مسکراتے ہوئے چائے کا کپ اٹھا کر ایک گھونٹ بھرا اور کپ پھر سے اسٹول پر رکھ دیا۔

"امی! ابو ضرورت رشتہ کے اشتہار پڑھ رہے ہیں"۔ سب سے چھوٹے بیٹے بارہ سالہ اشعر نے شوخ لہجے میں بتایا۔

"ایک بیوی اور اس کی اولاد تو سنبھالی نہیں جاتی، دوسری شادی کریں گے، ہونہہ....." شمسہ بیگم ترکاری بناتے ہوئے تلخی سے بولیں تو شفیق حسین ہنسنے لگے۔

"اری نیک بخت! میں اپنی بیٹیوں کے لئے رشتہ دیکھ رہا ہوں"۔

"رشتے اگر اخباروں میں ملتے تو سب کی بیٹیاں بیاہی جاتیں، اور ایک بات تو بتاؤ تم؟ رشتے اگر مل بھی گئے تو شادی کیسے کرو گے؟ پیسہ ہے جیب میں جو رشتہ ڈھونڈ رہے ہو؟ یہ تو وہی بات ہو گئی کہ گاڑی پاس ہے نہیں اور گیراج بنانے چلے



ہیں"۔ شمسہ بیگم سبزی کاٹتی جارہی تھیں اور شفیق حسین کو بھی حقیقت کا آئینہ دکھا رہی تھیں، وہ چائے پی رہے تھے اور اخبار پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔

"جبھی تو میں ایسا رشتہ ڈھونڈ رہا ہوں، جس میں ہمیں پیسہ خرچ ہی نہ کرنا پڑے اور بنا پیسہ خرچ کیے شادی ہوجائے"۔ شفیق حسین نے چائے ختم کرتے ہوئے کہا تو شمسہ بیگم کو تاؤ آ گیا۔

"بنا پیسے خرچ کیے تو خوابوں میں ہی ہوسکتی ہے شادی، وہ تم جتنی چاہے مرضی کرالو اور بیٹیوں کی کیا دو تین، شادیاں تم اپنی بھی کرالو مفت کی شادی، بنا پیسے کے شادی"۔

"او مل گیا اپنے مطلب کا ایک رشتہ"۔ شفیق حسین خوشی سے بولے۔

"سنو......"

"میں نہیں سنتی"۔

"ارے سنو تو بیوی"۔ شفیق حسین بہت پر جوش نظر آرہے تھے، شمسہ بیگم نے سبزی کاٹتے ہوئے ہاتھ روک دیئے اور ان کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

"لکھا ہے، ضرورت ہے ایک ساٹھ سالہ کروڑ پتی شخص کے لئے رشتے کی، لڑکی کا تعلق متوسط طبقے سے ہو، جس کی عمر 25 سال سے زیادہ نہ ہو، ذات پات کی کوئی قید نہیں ہے، لڑکی خوش شکل، پڑھی لکھی ہو، صرف پرخلوص گھرانے کے افراد رابطہ کریں"۔ شفیق حسین نے اشتہار پڑھ کر چشمہ اتارا اور شمسہ بیگم کو دیکھا تو وہ نفی میں سر ہلا کر کہنے لگیں۔

"لو کرلو بات، کروڑوں کا پڑھ کے کون پرخلوص آدمی رابطہ کرے گا؟ اس کروڑ پتی بڈھے سے ہر کوئی اس کی دولت کے لالچ میں ہی رابطہ کرے گا"۔

"ہاں تو عمر بھی تو دیکھو ساٹھ سال کا ہے یہ کروڑ پتی اور یقیناً یہ ایک آدھ بیماری ضرور اپنے ساتھ لے کر جی رہا ہوگا، پیسے والوں کو سب آسان لگتا ہے۔ دیکھنا تم کتنے لوگ اس بڈھے کروڑ پتی کو فون کریں گے، یہ اشتہار پڑھتے ہی صرف اس کی دولت کی خاطر، ورنہ کوئی بھی شخص اس کروڑ پتی آدمی کو خدا ترسی میں یا اللہ واسطے تو اپنی بہن، بیٹی دینے سے رہا"۔

"ایک تو ان دولت مند بوڑھوں کو نجانے آخری عمر میں کم عمر لڑکی سے شادی کی کیا سوجھتی ہے ایک پاؤں قبر میں ہے اور دوسرا جنت میں، ایک حور بیاہنے کے چکر میں، قبر کے پھول سہرے کے پھول بن جاتے ہیں، ہاں بھئی پیسے کے کھیل ہیں سب، جیب میں پیسہ ہو تو کچھ بھی کرلو، کچھ بھی خریدلو، بیوی بھی"۔ شمسہ بیگم گہرا سانس لے کر بولتی سبزی اٹھا کے کچن میں چلی گئیں۔ شفیق حسین نے وہیں صحن میں بیٹھے بیٹھے کہا۔

"تو مانتی ہو نا کے پیسہ سب کا باپ ہے"۔

"تو میں نے پیسے کی اہمیت سے کب انکار کیا ہے؟" شمسہ بیگم وہیں سے باآواز بلند جواب دیتی ہانڈی پکانے لگیں۔

"تو کیا خیال ہے پھر یہ کروڑوں کی لاٹری ہم نہ کھلوالیں"۔

"سٹھیا گئے ہو کیا؟"

"سوچ لو ایک بیٹی کی قربانی سے باقی پانچوں بیٹیوں کی کیا ہم سب کی زندگی آسان ہوجائے گی، ہمارے بھی دن پھر جائیں گے ورنہ ہماری اتنی حیثیت نہیں ہے کہ جو بیٹیوں اور ایک بیٹے کو بیاہ سکیں، ہماری تو روز کی دال روٹی ہی چل رہی ہے بس، اس منہ زور اور مادر پدر آزاد مہنگائی میں کچھ بچت ہوگی بھلا تو کسی بیٹی کو بیاہیں کیسے؟ بڑی بیٹی اٹھائیس کی

ہو گئی ہے اور اس کے پیچھے بھی لائن لگائے کھڑی ہیں"۔ شفیق حسین نے سنجیدہ اور متفکر لہجے میں کہا تو وہ کچن سے باہر نکل آئیں۔

"ٹھیک کہتے ہو آپ! سال دو سال کے فرق سے بھی شادی کی عمر کو پہنچ رہیں اور ہم ایک کی بھی شادی نہیں کر پا رہے بڑی دونوں کی بات طے تو ہو گئی مگر جہیز نہ ہونے کی وجہ سے اگلے شادی کی تاریخ تک نہیں مانگتے، یہ ہے سگے اور خون کے رشتے داروں کا، رشتوں کا حال انہیں تو گھر بھر کے جہیز چاہئے، نہ تمہارے بھائی میں لاج، ہے نہ میری بہن کو احساس ہے کہ سگی بھانجی کو تین کپڑوں میں ہی بیاہ کے لے جائے، اپنے بیٹے کون سا گورنر لگے ہیں؟ پھر بھی جہیز کے لالچ میں چپکے بیٹھے ہیں، کیا ہو گا میری بیٹیوں کا شفیق حسین؟" شمسہ بیگم کا لہجہ فکر و پریشانی میں ڈوبا ہوا تھا، انہیں تو دن رات، سوتے، جاگتے، اٹھتے بیٹھتے یہی فکر کھائے جاتی تھی کہ ان کی بیٹیوں کی شادی کیسے ہو گی؟ کب ہو گی؟ شفیق حسین انہیں تسلی دینے لگے۔

"نیک بخت! پریشان مت ہو، اللہ نے بیٹیاں دی ہیں تو وہ بیاہنے کے وسیلے بھی پیدا کر دے گا اور وسائل بھی، اور یہ ضرورت رشتہ کا اشتہار تو مجھے اسی سلسلے کی ایک کڑی لگ رہا ہے"۔

"مطلب؟" شمسہ بیگم دوبارہ صحن میں بچھے تخت پر آ بیٹھیں۔

"مطلب یہ کہ ہو سکتا ہے اللہ سوہنے نے اس کروڑ پتی بوڑھے کو ہمارے مسائل کے حل کے لئے وسیلہ بنا کے بھیجا ہو"۔

"تو تم رابی کو اس کروڑ پتی بڈھے سے بیاہ دو گے؟"

"ہاں تو اس میں حرج ہی کیا ہے، اپنی ضرورت اور مجبوری کے تحت ہی ہم ایسا کرنے کا سوچ رہے ہیں ناں؟" شفیق حسین نے خود غرضی سے کہا تو وہ بولیں۔

"رابی! میری سب سے حسین بیٹی ہے اور تم اسے اس بڈھے سے بیاہنے کا سوچ رہے ہو، نہیں میں اپنی خوبصورت بیٹی کو ایک بیمار بوڑھے سے نہیں بیاہنے کی"۔

"شمسہ بیگم! غریب کے گھر میں خوبصورت لڑکی اس دلہن کی مانند ہوتی ہے، جسے زیور اور سرخی پاؤڈر نہ ملے بنا زیور کے دلہن بھی کوئی دلہن ہوتی ہے، کوئی سراہنے والا، چاہنے والا نہ ہو تو حسن کس کام کا، اگر یہ شادی ہو جاتی ہے نا تو وہ شخص ہماری رابی کی بہت قدر کرے گا، اور اپنی رابی اس کی دولت کی تنہا وارث ہو گی"۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" شمسہ بیگم نے سوال کیا۔

"کیا اس کروڑ پتی بڈھے نے شادی نہیں کی ہو گی اس کے بیوی بچے ضرور ہوں گے۔ یہاں نہیں ہوں گے تو ملک سے باہر کہیں لندن، امریکہ میں ہوں گے اور بڑے میاں اپنی تنہائی دور کرنے کے لئے نئی بیوی لانے کے خواب دیکھ رہے ہیں اس کے گھر والوں کو اگر پتا چل گیا تو وہ ہماری رابی کی زندگی اجیرن کر دیں گے"۔

"تم بے فکر ہو جاؤ میں اس سلسلے میں اس شخص سے بات کروں گا، ہر طرح سے اپنی تسلی کر کے اپنی بیٹی کا مستقبل محفوظ کرا کے، ضمانت لے کر ہی ہاں کروں گا"۔ شفیق حسین نے سنجیدگی سے کہا گویا وہ اس رشتے کو اس موقع کو وہ بھی امیر بننے کے سنہری موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔

"رابی نہیں مانے گی"۔ شمسہ بیگم نے گویا اپنی رضامندی دیتے ہوئے انہیں بتایا۔

"مان جائے گی وہ ہم سب پہ جان چھڑکتی ہے"۔

"تو کیا ہم اس کی جان لے لیں؟ اسے اتنی بڑی آزمائش میں ڈال دیں؟" شمسہ بیگم کا دل نہیں مان رہا تھا، رابی سے

انہیں خاص انس تھا، وہ اس کی معصومیت اور حسن کو اپنی ضرورتوں کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہتی تھیں۔

''وہ اپنی بہنوں کی خاطر مان جائے گی اور دولت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا، سب کچھ ہوگا ہماری بیٹی کے پاس وہ راج کرے گی اس رئیس کے گھر۔'' شفیق حسین یقین سے بولے۔

''سوچ لیں! دل تو نہیں مان رہا مگر مجبوری الگ ہے، پھر بھی سوچ لو لوگ کیا کہیں گے؟''

''لوگ کب کچھ نہیں کہتے؟'' شفیق حسین نے تلخی سے کہا۔

''ہماری چھ بیٹیاں پیدا ہو گئیں تو لوگ تب بھی ہائے افسوس، کرتے نہیں تھکتے تھے، ایک بیٹا ہو گیا تب بھی لوگ یہ کہنے سے باز نہ آئے کہ ہائے! بیٹا تو ایک ہی ہے دو ہو جاتے تو اچھا تھا، بیٹیوں کے رشتے طے ہو گئے تب بھی لوگوں نے کہا کہ دیکھتے ہیں شادی کب تک کرتے ہو، رشتہ طے کرنا آسان ہے، شادی کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے، لوگوں کو کب ٹھنڈ پڑتی ہے بنا کچھ کہے؟ بیٹیوں کی شادیاں لیٹ ہو گئیں تو بھی کچھ نہ کچھ کہتے رہتے ہیں اور اگر شادیاں ہو جائیں گی انشاء اللہ تعالیٰ! تب بھی لوگ تو کچھ نہ کچھ کہیں گے ہی۔ ہمیں اپنے حالات کی بہتری کے لئے، اپنی بیٹیوں کی شادیوں کے لئے خود ہی کچھ کرنا ہوگا۔ میں تو اس موبائل نمبر پر ضرور فون کروں گا، کیا خبر یہ نمبر ڈائل کرنے سے ہماری بیٹیوں کی قسمت کھل جائے۔''

''ہوں''۔ شمسہ بیگم بولیں نہیں بس سر ہلا کر سوچ میں گم ہو گئیں اور شفیق حسین اپنے کمرے میں جا کر اشتہار میں دیا گیا موبائل نمبر اپنے موبائل سے ملانے لگے۔ شفیق حسین اور شمسہ بیگم کا تعلق متوسط طبقے سے تھا، شفیق حسین ایک سرکاری محکمے میں کلرک تھے، ان کی معمولی تنخواہ میں گزارا ہی ہو رہا تھا بس، یکے بعد دیگرے ان کے ہاں مسلسل چھ بیٹیوں کی پیدائش نے وقت سے پہلے ہی ان کو بوڑھا کر دیا تھا سب سے بڑی موحل اٹھائیس سال کی تھی، پھر کومل تھی، پھر اشمل، بالترتیب رابیل، سجل اور ریمل تھیں، موحل اور کومل ایف۔اے سے زیادہ نہ پڑھ سکیں تھیں، کچھ پڑھنے کا شوق نہیں تھا اور کچھ گھر کے مالی حالات ایسے نہیں تھے کہ وہ مزید تعلیم جاری رکھ سکتیں وہ دونوں گھر داری میں لگ گئیں۔ اشمل نے ایم۔اے کیا تھا اور رابیل نے ایم۔اے، بی۔ایڈ کرنے کے بعد اسکول میں نوکری کر لی تھی، اشمل گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی تھی۔ اس طرح مل جل کر گھر کے اخراجات پورے ہو رہے تھے، تھوڑے پیسے بچا کر شمسہ بیگم نے موحل اور کومل کے لئے کچھ برتن، بستر، چادریں وغیرہ خرید رکھی تھیں جو جہیز کے لئے انتہائی ناکافی تھیں۔ سجل اور ریمل ایم۔اے اور بی۔اے کر رہی تھیں، سب سے چھوٹا بارہ سالہ اشعر حسین نویں جماعت میں تھا، بہت ذہین اور شرارتی بچہ تھا وہ شفیق حسین کو اس سے بڑی امیدیں تھیں کہ ان کا سہارا بنے گا، ان کا بوجھ بانٹے گا، شفیق حسین سات مرلے کے گھر کے مالک تھے بس یہ آسرا بہت بڑا تھا ان کے لئے چھت تو ان کی اپنی ہے، دو منزلہ گھر میں کل نو افراد سکھ شانتی سے رہ رہے تھے، لیکن بیٹیوں کی شادی سب سے بڑا مسئلہ تھا ان کے لئے۔ شفیق حسین نے موحل کا رشتہ اپنے بڑے بھائی کے بیٹے غفران سے طے کیا تھا، تین سال پہلے غفران کی کپڑے کی دکان تھی میٹرک پاس تھا غفران اور موحل کو پسند کرتا تھا، جبھی اس کے ماں باپ اس کا رشتہ لے کر ''شفیق ہاؤس'' گئے تھے، لیکن شادی دھوم دھام سے کرنے کا کہہ گئے تھے کہ ان کے بیٹے کی دکان خوب چلتی ہے تو بیوی بھی ایسی ہو جو خوب جہیز لے کر آئے، اور کومل کی منگنی اس کی خالہ کے بیٹے مراد سے چار سال پہلے ہوئی تھی، تب مراد کی نوکری نہیں تھی، دو سال پہلے وہ پولیس میں بھرتی ہوا تھا، شادی کے لئے اس کی ماں کو گھر بھر کے جہیز چاہیے تھا، اس کا کہنا تھا کہ مراد اس کا اکلوتا بیٹا ہے چار بہنوں کا بھائی وہ گھر بنا رہا ہے محنت کی کمائی لگا رہا ہے تو اس گھر کو اس کی دلہن کے جہیز سے ہی سجایا جائے گا، اگر کومل ان کی یہ شرط اور خواہش پوری نہیں کر سکتی تو وہ مراد کے لئے کوئی اور لڑکی دیکھ لیں گے، مراد کو کومل سے محبت تھی جبھی وہ ماں کو دوسری لڑکی دیکھنے سے روکے ہوئے تھا، لیکن اس کی اپنی خواہش بھی یہی تھی کہ اس کی

بیوی اتنا جہیز تو لائے کہ اسے گھر کو سجانے کے لئے الگ سے رقم کا بندوبست نہ کرنا پڑے کومل نے مراد سے بات کی تو اس نے بے دھڑک کہہ دیا۔

''امی، نے ایسا غلط کیا کہا ہے کومل! دیکھو میاں، بیوی دونوں ہی مل کر گھر چلاتے ہیں اس مہنگائی کے دور میں ایک اکیلا مرد کتنا کما سکتا ہے میں تو گھر بنا رہا ہوں تم گھر کا سامان جہیز میں لے آؤ، پھر تو میں نے ہی ساری زندگی تمہاری ذمہ داری اٹھانی ہے، نوکری تھوڑی کروانی ہے تم سے، اور جہیز تو ہر لڑکی لے کر آتی ہے۔ میں تو تمہاری محبت میں امی کو رو کے ہوئے ہوں ورنہ امی تو ہماری منگنی توڑ کر میرے لئے کسی امیر گھر کی لڑکی ڈھونڈنے کا ارادہ رکھتی ہیں تا کہ وہ گھر بھر کے جہیز لائے''۔ اور کومل اپنا سا منہ لے کر رہ گئی، ماں اور بہنوں کو بھی مراد کے اعلیٰ خیالات سے آگاہ کیا تھا تو ان سب کو بھی بہت دکھ اور پریشانی نے گھیر لیا تھا۔ لڑکیوں کے رشتے تو آتے تھے مگر مالی حیثیت کم ہونے کے باعث طے نہیں ہو پاتے تھے۔ یہی حالات و مسائل تھے جنہوں نے شفیق احمد کو اس کروڑ پتی بوڑھے سے رابطہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

رابیل نے سنا تو سکتے میں رہ گئی، شمسہ بیگم، موبل اور کومل نے اسے گھر کے حالات بتائے، مسائل، مجبوریوں کا بتا کر سمجھا بجھا کر اس رشتے کے لئے آمادہ کر ہی لیا تھا۔ اس کی دلی خواہش اور دعا تھی کہ وہ اپنے گھر والوں کے لئے کچھ کر سکے، ان کی زندگیوں میں خوشی اور آسانی لا سکے، سو وہ تھوڑے پس و پیش کے بعد اس رشتے کے لئے راضی ہو گئی تھی۔ شفیق حسین تو اس کروڑ پتی بوڑھے سے مل کر بے حد خوش اور مطمئن تھے، رابیل کی تصویر وہ ساتھ لے گئے تھے اور اس کروڑ پتی بوڑھے نے جس کا نام عیسیٰ علوی تھا نے رابیل کو پسند کرتے ہوئے اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کر دی تھی۔ انہوں نے شفیق حسین کو فون کر کے کہا تھا اور شفیق حسین ان سے بات کرتے ہی جوش مسرت میں موبائل آف کئے بنا ہی رابیل سے بات کرنے چلے آئے یہ جانے بنا کہ عیسیٰ علوی ان کی باتیں سن رہا ہے اپنے سیل فون پر۔

''رابیل، بیٹی! وہ ملنا چاہتے ہیں''۔

''تو......؟'' رابیل نے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''تو وہ یہاں نہیں آنا چاہتے''۔

''ہاں ظاہر ہے ابو! وہ دولت مند لوگ ہیں یہاں غریب محلے میں آئیں گے تو ان کی شان نہیں گھٹ جائے گی''۔ رابیل نے اسکول کی کاپیاں چیک کرتے ہوئے تلخی سے کہا۔

''نہیں بیٹی! بات یہ ہے کہ ان کا خیال ہے کہ لوگ باتیں بنائیں گے، ہماری ان سے بات بنے نہ بنے، لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع ہاتھ آ جائے گا، اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ ہم ان سے ان کے گھر جا کر ملیں''۔ شفیق حسین نے تفصیل سے بتایا۔

''تو آپ اور امی ان سے ان کے گھر جا کر مل لیں''۔

''بیٹی! ہمارے ساتھ تم بھی چلو گی کیونکہ وہ تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں، تم سے بات کرنا چاہتے ہیں''۔

''واہ کیا آن اور انا ہے ان کی کہ اپنے رشتے کے لئے ایک مڈل کلاس لڑکی کے گھر نہیں آ سکتے اور مجھے کیا اتنی گری ہوئی اور بے شرم لڑکی سمجھا ہے انہوں نے کہ میں اپنی نمائش کے لئے ان کے گھر خود چل کر جاؤں؟ انہیں اپنی آن، بان، شان کا اتنا ہی خیال ہے نا تو ان سے کہیں کوئی اور گھر دیکھ لیں، میں شو پیس بن کر ان کے گھر نہیں جاؤں گی''۔ رابیل نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''تو کہیں باہر ان کے دفتر یا کسی ہوٹل میں ملنے کی تجویز بھی ہے ان کی''۔ شفیق حسین نے بے چارگی سے کہا۔

''ابو! مطلب انہیں ہے، ہم سے وہ خود چل کر یہاں آئیں ایسا ہی ہوتا ہے کیا کہ لڑکی خود اپنا رشتہ لے کر لڑکے

کے گھر جائے“۔
”بیٹی! ضرورت ہمیں ہے اور پیاسا ہی کنویں کے پاس جاتا ہے، کبھی کنواں خود چل کر پیاسے کے پاس نہیں آتا“۔ شفیق حسین نے اسے سمجھایا۔
”ابو! میں ان صاحب سے کسی دفتر، ہوٹل یا ریسٹورنٹ میں یا ان کے اپنے گھر میں ملنے نہیں جاؤں گی کہہ دیجئے ان کو۔ انہیں مجھ سے ملنا ہے تو شریفانہ طریقے سے یہاں گھر آ کر مل لیں، کسی رکشے یا ٹیکسی میں بیٹھ کر آ جائیں، بڑی سی گاڑی میں بیٹھ کر اس چھوٹی سی گلی میں آنے کی ضرورت نہیں ہے اس سے ان کی شان میں فرق نہیں پڑے گا نہ ہی لوگ باتیں بنائیں گے“۔ رابیل نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
”ٹھیک ہے میں بات کرتا ہوں تم اپنا کام کرو غصہ مت کرو انشاء اللہ سب بہتر ہوگا“۔ شفیق حسین نے ہتھیار ڈال دیئے اور کمرے سے باہر نکل گئے۔ عیسیٰ علوی نے اپنا سیل آف کر دیا، وہ مسکرا رہے تھے۔
”لڑکی تو بہت خوددار اور سمجھدار لگتی ہے، اصول پسند، آن، انا والی اور مغرور سی، کیا اعتماد ہے رابیل شفیق میں، مجھے اس سے ملنا چاہئے دیکھیں تو سہی کیا چیز ہیں یہ مس رابیل شفیق؟“ عیسیٰ علوی نے خود کلامی کی۔
”اب کیا ہوگا رابی تو کسی صورت علوی صاحب سے ملنے کو راضی نہیں ہو رہی“۔ شفیق حسین نے سر میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پریشانی سے کہا۔
”ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے رابی، بھلا وہ کیوں جائے اس کے گھر اپنے آپ کو دکھانے آخر اس کی بھی کوئی عزت ہے“۔ شمسہ بیگم نے کہا۔
”میں نہیں چاہتا کہ یہ رشتہ ہاتھ سے نکل جائے، گھر آئی دولت کو ٹھکرانا بے وقوفی ہے۔ مجھے ہی کچھ سوچنا ہوگا ان سے رابی کی ملاقات کا کوئی مناسب حل۔ میں ابھی علوی صاحب کو فون کرتا ہوں“۔ شفیق حسین پل میں یہ جا وہ جا، شمسہ بیگم پوچھتی ہی رہ گئیں کہ کہاں جا رہے ہو؟ مگر وہ ان سنی کئے باہر نکل گئے۔

☆......☆......☆

وہ اسکول میں تھی، تو چپڑاسی نے آ کر بتایا کہ کوئی صاحب اپنی بچی کے سلسلے میں اس سے بات کرنے آئے ہیں، رابیل دوپٹہ سر پر اوڑھ کر وزٹنگ روم میں چلی آئی، جہاں ایک عمر رسیدہ شخص یعنی عیسیٰ علوی موجود تھے، رابیل نے اس کے سراپے پر نگاہ ڈالی۔ وہ پچاس پچپن کا گریس فل بوڑھا لگا اسے۔ جس کی چھوٹی داڑھی میں سفید بالوں کی چاندی چمک رہی تھی۔ قلمیں اور سر کے بال بھی کہیں کہیں سے گرے تھے آنکھوں پر گولڈن فریم والا قیمتی چشمہ لگا رکھا تھا، تھری پیس سوٹ رائل بلیو ڈاٹس والی ٹائی لگائے، سیاہ بوٹ پہنے، مردانہ پرفیوم سے مہکتا یہ شخص رابیل کو حلیے سے ہی دولت مند محسوس ہوا۔
”السلام علیکم!“ رابیل نے انہیں دیکھتے ہوئے سلام کیا۔
”وعلیکم السلام“۔ عیسیٰ علوی نے بغور اسے دیکھتے ہوئے دلکش لہجے میں جواب دیا۔
”تشریف رکھئے“۔
”شکریہ“۔ عیسیٰ مسکراتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے۔ رابیل بھی سنگل صوفے پر بیٹھ گئی۔ سفید شلوار اور نیلی لمبی سی قمیض، دوپٹے میں، میک اپ سے مبرا چہرے کے ساتھ وہ اپنے گلابی مائل سفید رنگ میں، دلکش نین نقوش لئے عیسیٰ کو تصویر سے زیادہ حسین لگی۔
”جی فرمائیے“۔ رابیل نے اس سے آنے کا مقصد پوچھا۔

”آپ مس رابیل شفیق ہیں ناں؟“ اس نے تصدیق چاہی۔
”جی ہاں، اور آپ اپنی بچی کے ایڈمیشن کے سلسلے میں آئے ہیں؟“
”جی نہیں، میں رشتے کے سلسلے میں بات کرنے آیا ہوں“۔
”ایکسکیوزمی، آپ غلط جگہ آگئے ہیں یہ اسکول ہے، میرج بیورو نہیں ہے“۔ رابیل نے اسے تحیر سے دیکھا تھا۔
”میرا نام عیسیٰ علوی ہے“۔ اس نے تعارف کرایا۔
”تو......؟“ اس کے انداز میں استعجاب تھا۔
”آپ کو میرا نام سن کر کچھ یاد نہیں آیا؟“
”کیا یاد نہیں آیا؟“
”یہی کے میرے اور آپ کے رشتے کی بات چل رہی ہے“۔
”اوہ آئی سی......تو آپ ہیں وہ کروڑ پتی صاحب! جو اپنی دولت کے بل پر جوان بیوی چاہتے ہیں“۔ رابیل بری طرح چونکی اور پھر فوراً ہی سنبھل کر بولی۔
”آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟“ وہ اپنی جگہ پر پہلو بدلتا اس کی بدگمانی پر کڑھا تھا۔
”آپ کو میرے بارے میں ایسا کہنے کا کوئی حق نہیں مس رابیل! میں نے آپ کے پیرنٹس سے رابطہ نہیں کیا، آپ کے والد صاحب نے مجھے فون کیا مجھ سے ملنے کے لئے میرے گھر تشریف لائے تھے بمعہ آپ کی تصویر کے“۔
”تو تصویر دیکھنے کے بعد مجھ سے ملنے کا خیال کیوں آیا آپ کو؟“
”جاننا چاہتا ہوں کے اس رشتے کے لئے آپ پر دباؤ تو نہیں ہے؟“ عیسیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا۔
”کیا آپ کو مجھ سے یہ سوال پوچھنا چاہئے؟“ رابیل کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔
”آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ آپ سے جو بھی شخص آپ کے اس اخباری اشتہار کے سلسلے میں رابطہ کرے گا، وہ اپنی ہی کسی غرض، ضرورت اور لالچ کے تحت ایسا کرے گا، میرے والد صاحب نے بھی اپنی غربت کی وجہ سے اپنی مجبوری کی وجہ سے آپ سے رابطہ کیا ہے۔ کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ اگر ان کی بیٹی کی شادی آپ کے ساتھ ہوجائے گی تو آپ کی دولت سے ان کے بگڑے کام بھی سنور جائیں گے۔ ہم چھ بہنیں ہیں اور ایک چھوٹا بھائی، بڑی بہنوں کی منگنی ہو چکی ہے شادی اس لئے نہیں ہو پا رہی کہ ان کے سسرال والوں کو گھر بھر کے جہیز چاہئے، باقی بہنوں کے رشتے بھی آتے ہیں مگر کچھ ہمارے مالی حالات کو محسوس کر کے دوبارہ نہیں آتے اور کچھ کو ہم خود انکار کر دیتے ہیں کہ پہلے بڑی بیٹیوں کے فرض سے تو فارغ ہوجائیں، ایسے ہی حالات ان لوگوں کے بھی ہوں گے جو آپ سے رابطہ کر رہے ہیں یا کر چکے ہوں گے اب تک؟ آپ سے جو بھی رابطہ کرے گا اپنی ضرورت کے لئے ہی کرے گا“۔ رابیل نے نہایت سنجیدگی سے حالات اس کے سامنے رکھے تھے۔
”تو اس میں غلط کیا ہے؟“ عیسیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”ہم سب نظریہ ضرورت کے تحت ہی تو جی رہے ہیں۔ ایک دوسرے سے ہم اپنی اپنی ضرورت کے حساب سے ہی تو تعلق، رشتے، ناتے جوڑتے ہیں، یہ دنیا تو کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر ہی چل رہی ہے، گیو اینڈ ٹیک ہی رائج ہے ہماری سوسائٹی میں، ایک ہاتھ دے، ایک ہاتھ لے، اسی فارمولے پر کاروبار حیات چل رہا ہے، ہم سب اپنی غرض کے بندے ہیں، اپنی اپنی ضرورتوں کے محتاج، اپنے، اپنے فائدے کے خواہشمند ایک اکیلا آدمی کچھ نہیں

کرسکتا، میں آپ کی ضرورت پوری کرتا ہوں آپ میری ضرورت پوری کر دیں"۔

"لیکن رشتے تو کسی مفاد اور غرض سے پاک ہونے چاہئیں، محبت اور خلوص پر مبنی"۔ رابیل کسی سوچ کے زیر اثر کھوئے کھوئے لہجے میں بولی تو عیسیٰ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"محبت اور خلوص کے سکے دل کے بازار میں چلتے ہیں مس رابیل! اور ہمارے ہاں اب دل کہاں ہیں دل کی جگہ تجوری ہے، جس میں مفاد اور غرض کے سکے جمع ہوتے ہیں، دولت کے لئے دل کے سودے ہو جاتے ہیں، اور دولت کے لئے محبت میں دھوکے بھی دیئے جاتے ہیں، خیر چھوڑیں اس بحث کو میں جانتا ہوں مجھ سے جو بھی رابطہ کر رہا ہے، شادی کے سلسلے میں وہ میری دولت کے لالچ میں ہی کر رہا ہے، تو کسی اور کو کیا دیکھنا، پرکھنا ہے اب؟ مجھے آپ کا پرپوزل قبول ہے، اور انشاء اللہ ہم اسی جمعے کو شادی کر رہے ہیں، آپ کے والد صاحب سے میں آج ہی بات کرلوں گا، آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا؟" عیسیٰ نے رابیل کے دلکش چہرے کو دیکھتے ہوئے مسکراتے پوچھا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"آپ میری یہ جاب مت چھڑوایئے گا بس یہی شرط ہے میری"۔

"آپ ایک کروڑ پتی آدمی کی بیوی بننے جا رہی ہیں اس معمولی جاب کی کیا ضرورت ہے؟"

"یہ معمولی جاب میرے گھر والوں کے لئے بہت بڑا سہارا ہے"۔ رابیل نے اٹھتے ہوئے اسے دیکھا وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ کے گھر والے اب میری ذمہ داری ہوں گے"۔

"احسانات کا اتنا بوجھ میرے کندھوں پر مت ڈالیئے گا کہ میں آپ کے سامنے سر نہ اٹھا سکوں اور نہ آپ سے نظر ملا سکوں"۔ رابیل یہ کہہ کر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

"جانتا ہوں، ایک انسان کے لئے اس کی سیلف ریسپیکٹ کتنی ضروری ہوتی ہے"۔ وہ خود کلامی کرتے ہوئے مسکرا دیا۔ اور مطمئن ہو کر وہاں سے چلا آیا۔ شفیق حسین اور شمسہ بیگم کی تو سچ مچ لاٹری نکل گئی تھی۔ انہوں نے اپنے بھائی بہن کو بیٹیوں کی شادی کی تاریخ دے دی تھی، اور جہیز کا انتظام عیسیٰ نے کر دیا تھا۔ پندرہ دن بعد کومل اور مومل کی شادی تھی اور رابیل کی شادی نہایت سادگی سے گھر والوں اور کومل، مومل کے سسرال والوں یعنی خالہ اور تایا کی فیملیز کی موجودگی میں ہو گئی، انہیں ایک عمر رسیدہ شخص سے ہونے والی شادی پر حیرت تو بہت ہوئی، مگر جب پتا چلا کہ مومل اور کومل کو گھر بھر کے جہیز دیا جائے گا تو ان کی بولتی بند ہو گئی۔

......☆......

"عیسیٰ لاج" دو کینال کا وسیع و عریض بنگلہ کسی محل سے کم نہ تھا، رابیل سرخ عروسی جوڑے میں عروسی زیورات اور شاندار میک اپ میں اپسرا لگ رہی تھی، "عیسیٰ لاج" میں ایک عمر رسیدہ خاتون انا بی نے اس کا سواگت کیا۔ گھر کے ملازموں نے انہیں مبارک باد دی، عیسیٰ کے دو دوست اور ان کی بیگمات جو بارات کے ساتھ گئے تھے یہ مختصر بارات دلہن کو حجلہ عروسی میں پہنچا کر واپس چلے گئے تھے۔ خوبصورتی سے سجے حجلہ عروسی کو رابیل حیرانگی سے دیکھ رہی تھی، موتیئے اور گلاب کی لڑیوں سے سجی سیج، وسیع کمرے میں ہر چیز نئی اور جدید تھی۔ سفید ڈبل بیڈ اور ڈریسنگ ٹیبل بہت ہی دلکش ڈیزائن سے مزین تھے۔ دیوار گیر الماریوں کے سفید منقش دروازے، کمرے کی دیواروں پر سفید پینٹ، سفید رنگ کے جدید طرز کے صوفہ سیٹ، ہر چیز سفید تھی، آئینے کی طرح چمک رہی تھی، کمرہ روشن روشن لگ رہا تھا، فرش پر بلیو رنگ کا قالین بچھا تھا، کمرہ قیمتی فرنیچر سے سجا تھا، کھڑکیاں جو باہر لان میں کھلتی تھیں، ان پر سفید خوبصورت کپڑے

اور ڈیزائن میں سلے پردے پڑے تھے۔ اے۔ سی بھی آن تھا۔ ایل۔ سی۔ ڈی، ہر چیز نئی اور جدید تھی قیمتی تھی۔ رابیل کو احساس کمتری نے آ گھیرا۔

''میں تو کچھ بھی نہیں ہوں عیسیٰ کی اس شاندار جنت کے سامنے''۔ رابیل نے دل میں سوچا۔

''لوگ اس گھر کو جنت کہتے ہیں مگر اس جنت میں ایک حور کی کمی تھی، جو آج دور ہوگئی، تمہارے آنے سے یہ جنت مکمل ہوگئی ہے مسز رابیل عیسیٰ علوی''۔ عیسیٰ کی دلکش آواز نے اسے چونکا دیا، اس نے پلکیں اٹھا کر دیکھا عیسیٰ سفید شلوار اور سیاہ شیروانی میں ملبوس اس کے روبرو تھا۔

''یہ ہے میرا نصیب؟'' اس خیال نے پھر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر دیئے۔

''کیا ہوا دولہا پسند نہیں آیا؟'' عیسیٰ اس کے روبرو بیٹھ گیا۔

''میں سمجھ سکتا ہوں رابیل! کے تمہارے بھی خواب ہوں گے، ہر لڑکی کی طرح تم نے بھی اپنی شادی کے لئے کچھ سنہرے خواب سجائے ہوں گے اپنی آنکھوں میں، میں تمہارے سب خواب پورے کروں گا بس مجھے دھوکا مت دینا''۔

''دھوکا تو آپ نے جان بوجھ کر کھایا ہے جانتے ہیں ناں کہ یہ رشتہ آپ نے جوڑا نہیں ہے خریدا ہے''۔ رابیل نے نرم مگر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''تو تم جوڑ لو مجھے خود سے اس رشتے کو امر کر دو اپنی محبت سے''۔ عیسیٰ نے سنجیدگی سے اس کے ہاتھ تھام کر کہا تو آنسو اس کے رخساروں پر بہہ نکلے۔

''افوہ، پھر آنسو، یہ لڑکیاں شادی پر اپنی رخصتی کے وقت اتنا روتی کیوں ہیں؟'' وہ اس کے آنسو صاف کر رہا تھا۔

''وہ سوچتی ہیں اتنے سالوں بعد دولہا ملا وہ بھی یہ''۔ رابیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو وہ ہنس دیا۔

''شہزادے کے خواب دیکھے ہوں گے تم نے اور مل گیا ریٹائر بادشاہ''۔ اس نے رابیل کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔

''آپ چینج کرلیں میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں''۔ عیسیٰ کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ اور نجانے کیوں رابیل کا دل ڈوب سا گیا۔

''مجھے ان کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہئے، آخر کو عیسیٰ علوی میری اپنی چوائس ہیں، میرے گھر والوں کی چوائس اور مرضی، بلکہ خوشی، تو مجھے بھی اب اچھی بیوی بننا ہے، شادی ہوگئی ہے میری مجھے اس رشتے کو دل سے نبھانا ہے انہوں نے میری فیملی پر احسان کیا ہے، مجھے ان سے شکوہ کرنے یا ان پر غصہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے''۔ رابیل نے زیورات اتارتے ہوئے سوچا اور عروسی لباس اور زیورات اتار کر سادہ شلوار قمیض پہن لیا۔

''مجھے تو عیسیٰ کا احسان مند ہونا چاہئے کہ انہوں نے میرے گھر والوں کو خوشی دی، میرے ماں باپ کا بوجھ ہلکا کیا ہے۔ عیسیٰ نے میرے گھر والوں کو خوشیاں دیں، تو میں بھی انہیں خوش رکھنے اور ان کا خیال رکھنے کی کوشش کروں گی۔ ہاں میں بیوی ہونے کا ہر فرض نبھاؤں گی انشاء اللہ! مجھے اپنے نصیب پر شاکر رہنا چاہئے''۔ رابیل خود کو سمجھاتی، یقین دلاتی، عزم باندھتی آئینے کے سامنے کھڑی اپنے لمبے، سیاہ سلکی بالوں میں برش پھیر رہی تھی، نگاہ اٹھائی تو آئینے میں عیسیٰ کا عکس نظر آیا وہ کھڑے کھڑے ہی تیز گھومی تو اس کے سلکی مہکتے بال عیسیٰ کے چہرے کو چھوتے ہوئے گزر گئے، کسی اچھے شیمپو کی خوشبو عیسیٰ کی سانسوں میں اتر گئی۔ وہ اتنی حسین لگ رہی تھی اس سادگی میں کے وہ مبہوت رہ گیا۔ سیاہ آنکھوں میں اپنائیت کا رنگ لئے وہ اسے دیکھ کر نظریں جھکا گئی اور شرمیلے پن سے مسکرانے لگی۔ عیسیٰ کو اس کے اس انداز پر حیرت ہوئی وہ تو اس سے غصے کی امید لئے آیا تھا۔

"سوری تمہاری رونمائی کا گفٹ دینا بھول گیا تھا"۔ عیسیٰ نے بمشکل اس کے چہرے سے نگاہ ہٹائی اور اس کے نرم کومل سے ہاتھ کو تھام کر اس کی کلائی میں ڈائمنڈ کا بریسلٹ پہنا دیا۔

"تھینکس، بہت خوبصورت ہے"۔ رابیل نے بریسلٹ کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"تم سے زیادہ نہیں"۔ عیسیٰ نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرے کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا، تو اس نے شرما کر نظریں جھکا لیں۔

"آؤ یہاں بیٹھو"۔ عیسیٰ کو اس کے مثبت رویئے سے حوصلہ ہوا، اس نے اسے شانوں سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھایا۔

"رابیل! یہ گھر، میں، میرا سب کچھ تمہارا ہے، انشاء اللہ میں تمہیں کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دوں گا، اور تمہاری اجازت کے بغیر تمہارے قریب بھی نہیں آؤں گا"۔

"نکاح نامے سے بڑھ کر بھی کسی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے کیا؟" رابیل نے نظریں جھکائے ہوئے شرگیں لہجے میں کہا۔

"رابیل، اوہ مائی سویٹ ہارٹ"۔ عیسیٰ تو اس کے اس جواب پر حیرت و مسرت سے جھوم اٹھا اور اسے اپنی پناہوں میں سمو لیا۔ محبتوں کے ایک انوکھے پل کا آغاز ہو رہا تھا۔ رابیل کے دل میں اس وقت کوئی دکھ یا پچھتاوا نہیں تھا۔ صرف اس لمحے کا احساس تھا جو عیسیٰ کی جانب سے اس پر محبتوں کی پھوار بن کر برس رہا تھا۔ صبح ناشتے کی میز پر عیسیٰ اور رابیل کے سوا کوئی نہیں تھا۔ ہوتا بھی کیسے وہ دونوں ہی تھے اس گھر کے مکین اب، باقی ملازمین تھے، ناشتے کی میز پر ہر طرح کے پکوان موجود تھے۔

"یہ اتنا کچھ کون کھائے گا؟"

"تم کھاؤ گی"۔ عیسیٰ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ ہنس دی، اس کی ہنسی کے جل ترنگ عیسیٰ کے دل میں ہلچل مچا گئے، وہ انگوری رنگ کے کامدار، پاجامے فراک میں میچنگ چوڑیوں کے لاکٹ سیٹ پہنے، سجی سنوری آنکھوں کے ذریعے دل میں اتر رہی تھی۔

"چشم بددور"۔ عیسیٰ نے ہزار ہزار کے کئی نوٹ رابیل کے سر سے وار کے اناںی کو دے دیئے کے وہ کسی ضرورت مند کو دے دیں، رابیل اس کی اتنی محبت پر مغرور سی ہو گئی۔

"اتنی قیمتی تو نہیں ہوں میں؟"

"تم کیا جانو؟ کتنی قیمتی ہو تم؟ ہیرے کی پہچان تو جوہری کو ہوتی ہے سویٹ ہارٹ"۔ عیسیٰ نے اس کے بالوں کو چھیڑا۔

"اچھا! تو جوہری صاحب! اب ناشتہ کر لیں مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے"۔ وہ ہنس کر اس کا بازو پکڑ کر بولی۔

"ایک منٹ"۔ وہ بھی ہنس دیا اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔ عیسیٰ نے ملازم کو آواز دی۔

"صاحب! مہمان آ گئے ہیں"۔ غفور (ملازم) نے آ کر اطلاع دی۔ اور اس کے پیچھے ہی رابیل کے میکے والے چلے آ رہے تھے۔ رابیل نے خوشگوار حیرت آنکھوں میں لئے عیسیٰ کو دیکھا وہ مسکراتے ہوئے سر ہلا کر گویا اسے اشارہ کر رہا تھا، انہیں اسی نے مدعو کیا ہے۔ اور ناشتے کی میز پر اتنا اہتمام کس لئے تھا یہ بھی رابیل کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ رابیل نے محبت اور تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ بہت خوشدلی اور عزت سے اس کے والدین سے گھر والوں سے مل رہا تھا، وہ بھی سب سے مل کر بہت خوش ہوئی تھی، سب نے اکٹھے ناشتہ کیا اور بہت دیر تک وہ سب باتیں کرتے رہے۔ "عیسیٰ لاج" کا چپہ چپہ انہوں نے دیکھا اور وہ سب ہنسی خوشی واپس لوٹ گئے۔

''تھینک یو ویری مچ آپ نے میرے گھر والوں کو یہاں مدعو کر کے مجھے بہت خوشی دی ہے''۔ رابیل نے ان سب کے جانے کے بعد عیسیٰ سے کہا۔
''نو تھینکس بے بی! میں نے کہا تھا نا کہ اب تمہاری اور تمہارے گھر والوں کی خوشی ان کی ذمہ داری میری ہے''۔
''آپ نے جو کیا ہے وہ بہت ہے بس اور نہیں''۔ رابیل نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دھیمے پن سے کہا۔
''کیوں نہیں؟'' وہ مسکرا دیا۔
''میں کوئی احسان نہیں کر رہا تمہارے گھر والوں پر، احسان تو انہوں نے مجھ پر کیا ہے اپنی اتنی حسین و جمیل، خوبصورت اور باحیا بیٹی کو مجھ سے بیاہ کر ورنہ مجھ بیمار بوڑھے کو اس عمر میں کون اپنی بیٹی دیتا؟''
''بہت سے لوگ دے دیتے جیسے میرے ماں باپ نے دے دی اور یہ بیمار والی بات کیوں کہی آپ نے؟ آپ بیمار ہیں کیا؟'' وہ فکر مند ہوئی اس کے بیمار ہونے کا سن کر۔
''ارے نہیں بے بی! بڑھاپا تو خود ایک بیماری ہے''۔ وہ ہنس دیا۔
''نہیں آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں آپ نے ناشتے میں بھی صرف جوس اور ایک سلائس لیا تھا بس''۔ وہ خالص بیویوں والے انداز میں بات کرتی اسے متاثر کر رہی تھی۔
''اچھا! تو آپ ہمارے کھانے، پینے پر نظر رکھے ہوئے تھیں''۔
''جی اس لئے اب جو بھی کریئے گا سوچ سمجھ کر کریئے گا، کیونکہ اب آپ کی حرکتوں پر نظر رکھنے والی آ گئی ہے''۔ رابیل نے مسکراتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا وہ ہنس پڑا۔
''مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی نا؟''
''جیتے جی تو نہیں''۔ رابیل نے اس کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا۔ لہجے میں پیار تھا، خلوص اور سچائی تھی، جسے محسوس کرتے ہوئے عیسیٰ نے اسے اپنی بانہوں کے حلقے میں لے لیا۔
''اور مرنے میں تمہیں نہیں دوں گا''۔
''اچھا جی!'' وہ ہنسی۔
''ہاں جی''۔ عیسیٰ نے محبت سے اس کے سر پر بوسہ دیا۔



موبل اور کومل کی شادی تھی، رابیل بہت خوش تھی کیونکہ اشمل کے لئے عیسیٰ کے دوست فہد کا رشتہ بھی آ گیا تھا، خوبصورت ہونے کا اور عیسیٰ کی سالی ہونے کا فائدہ ہوا تھا، عیسیٰ کا دوست بتیس برس کا تھا، اس کی کمپنی میں کام کرتا تھا اور عیسیٰ سے عمروں کے فرق کے باوجود ان میں ذہنی ہم آہنگی تھی۔ شادی کے تمام اخراجات عیسیٰ نے اٹھائے تھے۔ ''میرج ہال'' میں دونوں شادیاں ایک ساتھ ہو رہی تھیں اور اشمل کی منگنی کی رسم ادا ہونی تھی، فہد کے گھر والے بھی اس موقع پر اشمل کو انگوٹھی پہنا کر اپنی خوشی پوری کرنا چاہتے تھے، اتنی ڈھیر ساری خوشیاں شمسہ بیگم، شفیق حسین اور سب گھر والوں سے سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھیں، شمسہ بیگم اور شفیق حسین نے تو ''شادی ہال'' میں جانے سے پہلے شکرانے کے نوافل ادا کئے تھے، شادی ہال کے تمام انتظامات عیسیٰ نے کروا دیئے تھے، رابیل، عیسیٰ کی بہت احسان مند تھی۔ مجنڈا کلر کی بھاری کام والی پشواز دوپٹہ اور چوڑی دار پاجامہ، خوبصورت زیورات سے سجی سنوری رابیل خود بھی دلہن لگ رہی تھی، دونوں ہاتھوں میں ڈھیر ساری میچنگ چوڑیاں پہنے، بالوں کو لمبی سی چٹیا میں مقید کئے، ہائی ہیل پہنے، مسکراتی ہوئی وہ جب عیسیٰ کے سامنے آئی تو وہ تو اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

”کیسی لگ رہی ہوں؟“ رابیل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
”حور شمائل، کون کہتا ہے کہ حوریں صرف جنت میں ہی ملتی ہیں، مجھے تو اس دنیا میں اس زمین پر ہی حور مل گئی ہے“۔ عیسیٰ نے اس کے قریب آ کر اسے محبت پاش نظروں سے دیکھا۔
”عیسیٰ......“ وہ شرما گئی۔
”جان عیسیٰ، آج تو آپ نظر لگ جانے کی حد تک حسین لگ رہی ہیں“۔
”تو آپ کیا کسی سے کم ہیں ماشاءاللہ اتنے گریس فل ہیں“۔ رابیل نے چاہ سے اسے دیکھتے ہوئے دل سے کہا۔
”بدلا چکا رہی ہونا“۔
”آپ نے جو کچھ میرے لئے کیا ہے اس کا بدلا تو میں کبھی بھی نہیں چکا پاؤں گی، تھینک یو عیسیٰ، تھینک یو فار ایوری تھنگ“۔ رابیل نے سنجیدگی سے مگر دل سے اس کے احسانات کا شکریہ ادا کیا۔
”تو تھینکس، کیا کہا تھا میں نے؟“ عیسیٰ نے اسے چشمے کے پیچھے سے گھورا۔
”میں نے بھی آپ سے کچھ کہا تھا“۔
”اچھا! چلو تمہیں دیر ہو رہی ہے وہاں شادی میں سب تمہارا ویٹ کر رہے ہوں گے“۔ عیسیٰ نے نرمی سے بات بدل دی۔
”ہاں مگر آپ تو تیار ہو جائیں“۔
”سوری بے بی! میں تمہارے ساتھ نہیں جا رہا تمہیں ڈرائیور چھوڑ آئے گا“۔ عیسیٰ نے اپنا چشمہ اتار کر انگلیوں کی پوروں سے آنکھوں کو سہلایا۔
”مگر کیوں؟“ رابیل نے تحیر آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔
”سمجھا کرو بے بی! وہاں تمہارے خاندان کے سب لوگ موجود ہوں گے وہ تمہیں دیکھ کر تم سے بات کریں گے، لیکن اگر میں تمہارے ساتھ گیا تو وہ لوگ سو باتیں بنائیں گے اور میں نہیں چاہتا کہ تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو میری وجہ سے کچھ سننا پڑے اور خوشی کے اس موقع پر تمہیں کوئی دکھ پہنچے“۔ وہ ٹشو پیپر سے اپنا چشمہ صاف کرتے ہوئے اسے حقیقت سے آشنا کرتا اس کا خیال اور احساس کرتا اسے اپنے دل کے بے حد قریب محسوس ہوا۔
”لوگ کب باتیں نہیں بناتے؟ بس آپ چل رہے ہیں میرے ساتھ“۔
”ضد نہیں کرتے سویٹ ہارٹ“۔ عیسیٰ نے چشمہ لگا کر اسے دیکھا۔
”تم جانتی ہو نا کہ میں ایسا کیوں کہہ رہا ہوں، کیا کہیں گے وہ سب کہ دولت کے لالچ میں بوڑھے سے بیاہ دیا تمہیں، ویسے بھی تمہارے ساتھ مجھے دیکھ کر یہی کہیں گے لوگ کہ“۔
”دیکھو، حور کے پہلو میں لنگور“۔
”عیسیٰ“۔ وہ تڑپ کر بولی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔
”ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں“۔ وہ ہنسا۔
”کس نے کہہ دیا آپ سے کہ آپ ہمیشہ ٹھیک ہی کہتے ہیں؟ آپ شوہر ہیں میرے، آپ کو کوئی حق نہیں ہے میرے شوہر کے بارے میں ایسی فضول بات کرنے کا، آپ اپنی نہیں میری بھی انسلٹ کر رہے ہیں۔ اگر میں نے دل سے آپ کو قبول کر لیا ہے تو“۔ وہ مزید بول نہ سکی آنسو گلے میں پھنس گئے تھے۔ عیسیٰ بے چین ہو گیا تھا۔
”رابیل! آئی ایم سوری پلیز رو نہیں“۔ اس نے اس کے آنسو پونچھے۔

”پلیز سویٹ ہارٹ! ناراض نہ ہو، میری بات سمجھو میں تم سب کو کسی مشکل یا الجھن میں نہیں ڈالنا چاہتا تم کہہ دینا سب سے کہ میں ملک سے باہر گیا ہوا ہوں۔ بعد میں سب سے مل لوں گا لیکن یہ موقع مناسب نہیں ہے پلیز ٹرائی ٹو انڈر سٹینڈ“۔ وہ بہت پیار سے اسے سمجھا رہا تھا وہ بھی اس کی بات سمجھ رہی تھی، وہ کتنا کیئرنگ تھا، کتنا مخلص تھا اس کی سوچ اور امیدوں کے برعکس بہت نیک دل تھا وہ۔

”عیسٰی“۔ اس کے لب کپکپائے۔

”کہو میری جان!“ وہ محبت سے بولا۔

”آئی لو یو“۔ رابیل بے اختیار ہی اس سے لپٹ گئی۔ عیسٰی کو اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کے کومل وجود کا احساس بھی اسے یہ یقین دلانے سے قاصر تھا۔

”کیا واقعی رابیل کو مجھ سے محبت ہو گئی ہے، مجھ بوڑھے سے؟ کہیں یہ مجھے محبت کا فریب دے کر میرا اعتبار جلد از جلد جیت کر میری پراپرٹی ہتھیانے کے چکر میں تو نہیں ہے۔

”یہ چوبیس برس کی بھی نہیں ہوئی ابھی اور ایک ساٹھ برس کے آدمی سے محبت کا اظہار کر رہی ہے، نہیں، نہیں یہ سب فریب ہے، میں نے اس پر، اس کے گھر والوں پر جو عنایات کی ہیں اس کے تشکر کا احساس ہے اور بس، وقتی اثر ہے ورنہ یہ کہاں، مجھ سے محبت کر سکتی ہے؟ مجھ سے تو آج تک کسی نے محبت نہیں کی، میری طرف جو بھی لڑکی آئی تھی میری دولت کی کشش اسے مجھ تک لائی، کیا یہ بھی ان جیسی ہو گی؟ جلد از جلد مجھ سے پراپرٹی حاصل کر کے چھٹکارا حاصل کرنے کے خیال سے یہاں آنے والی بعد میں اپنے من پسند مرد سے شادی کر کے عیش کی زندگی بسر کر سکے“۔ عیسٰی کے دل و دماغ میں زندگی کے تلخ تجربات کی وجہ سے خدشات اور سوالات سر اٹھا رہے تھے۔

”یقین نہیں آ رہا نا آپ کو مجھ پر“۔ رابیل نے اس کے سرد رویئے پر خود سے اپنی بے اختیاری پر شرمندہ ہوتے ہوئے اس سے الگ ہو کر کہا تو وہ چونک گیا۔

”اوہ، نن، نہیں ایسی بات نہیں ہے“۔ وہ سٹپٹا کر بولا۔

”آپ کو شک ہے نا مجھ پر میرے خلوص پر، ہونا بھی چاہئے آخر لاکھوں روپے خرچ کیے ہیں آپ نے مجھے بیوی بنانے کے چکر میں“۔

”رابی! یہ بات نہیں ہے مجھے تو اپنی قسمت پر رشک آ رہا ہے کہ مجھے اتنی حسین بیوی ملی ہے“۔ وہ حیران تھا کہ اس نے اس کی سوچ و خیال کو کیسے پڑھ لیا تھا۔

”میں چلتی ہوں ولیمے کے بعد آ جاؤں گی۔ آپ اپنا خیال رکھئے گا۔ اللہ حافظ“۔ رابیل نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے مسکرا کر کہا اور اپنا سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکل گئی۔

”او شٹ...... یہ میں نے کیا، کیا؟“ عیسٰی نے بے بسی اور غصے سے مکا بنا کر اپنے بائیں ہاتھ پر مارا اور سر پکڑ کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

”وہ اتنی محبت سے میرے قریب آئی تھی اور میں نے اسے اس کی پیش قدمی پر شرمندگی اور شک سے دوچار کر دیا، اسے ہرٹ کر دیا، ٹھیک ہی کہتی تھی رابیل، میں اس کے خلوص پر شک کر رہا تھا، دل یقین کرنا بھی چاہے تو دماغ ماضی کے تلخ تجربات سامنے لے آتا ہے“۔ وہ بے چینی و اضطرابی کیفیت میں گھرا سوچ رہا تھا۔

......☆......

”عیسٰی کا کوئی قصور نہیں ہے وہ بھلا ایک دم سے کیسے یقین کر سکتے ہیں، میری محبت و خلوص پر، بہر حال میں ان کا

یقین اور اعتبار جیت لوں گی اپنی محبت اور خدمت سے انشاء اللہ“۔ رابیل نے دل میں کہا اور خوشی خوشی شادی ہال میں داخل ہوگئی۔ سب نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا کیونکہ اب وہ ایک کروڑ پتی شخص کی بیوی تھی، اور رابیل اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ عزت اس کی نہیں اس دولت کی ہو رہی ہے جو عیسیٰ علوی کے نام سے جڑی تھی اور اب اس کی تھی۔ کومل اور مومل دلہن بنی بے حد حسین لگ رہی تھیں۔ رابیل ان سے مل کر اسٹیج سے نیچے آگئی، جہاں مومل، کومل کی ساسیں، اشمل کی ہونے والی ساس اور نندیں بھی موجود تھیں۔ اشمل بھی بہت پیاری لگ رہی تھی پنک شرٹ اور ٹراؤزر میں اور دوپٹے پر نفیس کام کیا گیا تھا۔

”اے رابی! تمہارا دولہا نہیں آیا شادی میں؟“ خالہ نے پوچھا۔

نہیں خالہ! وہ ملک سے باہر گئے ہیں ایک ہفتے کے لئے“۔ رابیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”تمہیں ساتھ نہیں لے گئے“۔ تائی بھی بولیں۔

”وہ بزنس ٹور پر گئے ہیں تائی جان“۔

”اچھا! تو ہنی مون کا کیا پروگرام ہے؟“ خالہ کی بیٹی نے شوخی سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”وہ امریکہ سے لوٹ آئیں گے تو پروگرام بنائیں گے“۔ رابیل نے مسکراتے ہوئے خوبصورتی سے بات بنائی تھی۔

”رابی! میں نے سنا ہے کہ تیرا دولہا بوڑھا ہے میرا مطلب ہے عمر میں بڑا ہے تجھ سے“۔ مامی نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کریدا۔

”مامی! میں انہیں آپ سب سے ملواؤں گی پھر خود ہی دیکھ لیجیے گا کہ میرا دولہا کیسا ہے؟“ وہ مسکرا رہی تھی۔ دل میں اس بات نے سوئی سی چبھو دی تھی مگر اسے تو اب مسکرانا تھا، اس رشتے کو دل سے نبھانا جو تھا۔

”ہاں، ہاں کیوں نہیں، اور اگر عمر میں بڑا بھی ہے تو خیر ہے مرد کی عمر کون دیکھتا ہے، مرد کی تو دولت اور کمائی دیکھی جاتی ہے اب دیکھو نا تمہارے نصیب سے تمہاری بہنوں کے بھاگ بھی جاگ گئے“۔ مامی نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی، جہاں بارات کے آنے کا شور اٹھ چکا تھا، رابیل کو اس وقت عیسیٰ کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی، رابیل نے اپنے سیل فون سے عیسیٰ کے نمبر پر ”مس یو“ کا میسج بھیج دیا، جسے پڑھ کر عیسیٰ کے دل میں کچھ ہوا تھا، مگر اس نے اس خیال و احساس کو جھٹک دیا تھا۔ بارات کا استقبال بہت شاندار طریقے سے کیا گیا۔ قبول و ایجاب کی رسمیں ادا کی گئیں۔ مبارک سلامت کا شور بلند ہوا۔ اشمل کو بھی فہد ضیاء کے نام کی انگوٹھی پہنا دی گئی، خوشیوں، رنگوں اور خوشبوؤں کا سیلاب امنڈ آیا تھا۔ سب گھر والوں، قریبی رشتوں کے جھمگھٹے میں فوٹو سیشن کے بعد مومل اور کومل کو دعاؤں، آنسوؤں اور قرآن پاک کے سائے تلے رخصت کیا گیا، رابیل خوش تھی کہ اس کے اس ایک فیصلے نے اس کی بہنوں کو سہاگن بنا دیا، وہ اپنے آنسو صاف کر رہی تھی جب عیسیٰ کا فون آ گیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنے سیل فون کی اسکرین پر عیسیٰ کا نام روشن ہوتے دیکھا۔

”السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام، سوئیٹ ہارٹ! بہت بہت مبارک ہو تمہیں تمہاری بہنوں کی شادی بہت شان سے ہوگئی ہے ماشاء اللہ“۔ عیسیٰ نے خوشدلی سے اسے مبارکباد دی۔

”خیر مبارک، تھینک یو عیسیٰ! یہ سب آپ کی بدولت ممکن ہوا ہے“۔ وہ تشکر سے بولی۔

”مائی ڈیئر! مابدولت اور میری دولت اب آپ ہی کی ہے، کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتانا۔

فضائل قرآن

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

★ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف کو سیکھے اور سکھائے۔
★ حق سبحانہ و تقدس کا یہ فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف کی مشغولی کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی، میں اس کو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ شانہ کے کلام کو سب کاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ خود حق تعالیٰ شانہ کو تمام مخلوق پر۔
★ حسد دو شخص کے سوا کسی پر جائز نہیں۔ ایک وہ جس کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن شریف کی تلاوت عطا فرمائی اور دن رات اس میں مشغول رہتا ہے دوسرے وہ جس کو حق سبحانہ نے مال کی کثرت عطا فرمائی اور وہ دن رات اس کو خرچ کرتا ہے۔
★ حق تعالیٰ شانہ اس کتاب یعنی قرآن پاک کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کو بلند مرتبہ عطا کرتا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو پست و ذلیل کرتا ہے۔
★ قیامت کے دن صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن شریف پڑھتا جا اور بہشت کے درجوں پر چڑھتا جا۔ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا۔ بس تیرا مرتبہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے۔
★ جو شخص ایک حرف کتاب اللہ کا پڑھے اس کے لئے اس حرف کے عوض ایک نیکی اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سارا (الم) ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف، میم ایک حرف ہے۔
★ جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے اسکے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا جسکی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی اگر وہ آفتاب تمہارے گھر میں ہو۔ پس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص کے متعلق جو خود عامل ہے۔
★ جس شخص نے قرآن پڑھا پھر اس کو حفظ یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت میں داخل فرما دیں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرما دیں گے جس کے لئے جہنم واجب ہو چکی ہو۔
★ جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں وہ بمنزل ویران گھر کے ہے۔
★ دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگتا ہے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ ان کی صفائی کی کیا صورت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ موت کو اکثر یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔
★ تم لوگ اللہ جل شانہ کی طرف رجوع اور اس کے یہاں تقرب اس چیز سے بڑھ کر کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر سکتے جو خود حق سبحانہ سے نکلی ہے یعنی کلام پاک۔
★ جو شخص ایک آیت کلام اللہ کی سنے اس کیلئے دو چند نیکی لکھی جاتی ہے اور جو تلاوت کرے اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔
★ کلام اللہ کو آواز سے پڑھنے والا علانیہ صدقہ کرنے والے کے مشابہ ہے اور آہستہ پڑھنے والا خفیہ صدقہ کرنے والے کی مانند ہے۔
★ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کلام پاک سے بڑھ کر کوئی سفارش کرنے والا نہ ہوگا نہ کوئی نبی نہ فرشتہ وغیرہ۔
★ اگر تو صبح کو جا کر ایک آیت کلام اللہ شریف کی سیکھ لے تو نوافل کی سو 100 رکعات سے افضل ہے اور اگر ایک باب علم کا سیکھ لے خواہ اس وقت وہ معمول بہ ہو یا نہ ہو تو ہزار رکعات نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔
★ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو اطلاع دی کہ بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ان سے خلاصی کی کیا صورت ہے انہوں نے کہا کہ قرآن شریف۔

"ضرورت ہے"۔ رابیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"کس کی؟"
"آپ کی"۔
"رئیلی"۔ عیسیٰ ہنس پڑا۔
"جی، میں نے آپ کو بہت مس کیا عیسیٰ"۔
"اب تم مجھے بنا رہی ہو بیوی"۔
"بنانے یا بگاڑنے کا اختیار تو آپ کے پاس ہے سرتاج"۔
"اوکم آن بے بی! ڈونٹ وری، میں کبھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑوں گا نہ ہی تم سے بگاڑوں گا، جب تک کہ تم نہ چاہو"۔ عیسیٰ نے ہنس کر کہا تو اس نے فوراً سوال کیا۔
"اور میں کیوں بگاڑوں گی آپ سے؟"
"یہ تو تم ہی جانو! او کے ٹیک کیئر، بائے"۔ عیسیٰ نے مزید کچھ سنے بغیر ہی فون بند کر دیا۔
"عیسیٰ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے کوئی بات نہیں اعتبار بھی آ ہی جائے گا اور پیار بھی، میرا نام بھی رابیل ہے دیکھتی ہوں کب تک میری محبت پر یقین نہیں کرتے"۔ رابیل نے دل میں سوچا اور مسکراتی ہوئی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی، جہاں سب گھر جانے کے لئے اس کا انتظار کر رہے تھے۔
"رابی بیٹی! تم خوش تو ہونا عیسیٰ کے ساتھ؟" رات کافی ہو چکی تھی لیکن وہ سب جاگ رہے تھے، شادی کی ہی باتیں کر رہے تھے کہ اچانک شمسہ بیگم نے اسے مخاطب کیا۔
"جی امی، میں خوش ہوں عیسیٰ بہت اچھے انسان ہیں، میری ہر ضرورت کا خیال رکھتے ہیں"۔ رابیل نے دل سے اعتراف کیا تو انہیں اطمینان ہو گیا۔
"تمہاری کیا وہ تو ہم سب کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھتے ہیں اللہ انہیں بہت دے، صحت، زندگی دے"۔ شفیق حسین نے دل سے کہا۔
"رابی تم اس بوڑھے کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزارو گی"۔ سجل نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔
"سجل، تمیز سے بات کرو وہ میرے شوہر ہیں"۔ رابیل نے اسے ڈپٹا۔ مگر وہ پھر بھی بولنے سے باز نہ آئی۔
"ہاں تو میں نے کون سا غلط کہا ہے ان کی ساری زندگی تو گزر رہی گئی ہے، ساٹھ کے وہ ہیں دو چار سال اور جی لیں گے پھر کیا تم ساری زندگی ان کے نام پر ہی بیٹھی رہو گی؟ تم جوان ہو، خوبصورت ہو"۔
"شٹ اپ، سجل! ایک تو ہم نے اپنی غرض اور لالچ میں عیسیٰ کو اپنایا ہے اور اس پر تم یہ بکواس کر رہی ہو، تمہیں تو کوئی بوڑھا یا ہنے نہیں آ رہا جو تمہیں اتنی بے چینی ہو رہی ہے، میں نے اپنی خوشی سے یہ شادی نہیں کی تھی لیکن میں دل سے اس رشتے کو نبھا رہی ہوں آپ سب کی خوشی کے لئے، رشتوں کا احترام کرنا ان کی قدر کرنا سیکھو سجل"۔ رابیل نے سپاٹ اور تیز لہجے میں کہا تو سجل شرمندہ سی ہو گئی۔
"رابی! تم اس کی بات دل پر نہ لو یہ تو ایسے ہی بکتی ہے، پکی، پکائی جو مل رہی ہے نا اسے"۔ شمسہ بیگم نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔
"ہاں تو اور کیا ہم تو عیسیٰ بھائی کے احسانات تلے دب گئے ہیں اور یہ فضول بول رہی ہے"۔ سجل سے چھوٹی ریمل نے کہا۔

”امی، ابو، بس اب آپ لوگ عیسیٰ سے مزید کچھ نہیں لیں گے۔ انہوں نے آپ کی تین بیٹیاں بیاہ دیں۔ چوتھی کا رشتہ بھی طے کروا دیا، اور کیا چاہئے آپ کو؟ آپ تو ساری زندگی یہ نہ کرسکتے وہ بھی چند دنوں میں“۔ رابیل نے شمسہ بیگم اور شفیق حسین کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

”ہاں بیٹی! تم ٹھیک کہہ رہی ہو، عیسیٰ کی وجہ سے ہی آج ہمارا آدھا بوجھ اتر گیا“۔ شمسہ بیگم نے تسلیم کیا۔

”بالکل، اور ویسے بھی اب تم عیسیٰ کی بیوی ہو اس کے سیاہ و سفید کی مالک ہو، تم خود ہی ہمارا خیال کر لینا، یہ بات اپنے ذہن میں رکھنا کہ ہم نے تمہیں اس بوڑھے آدمی سے صرف اپنی ضرورتوں کے لئے بیاہا تھا اور وہ ضرورتیں اب تم نے ہی پوری کرنی ہیں“۔ شفیق حسین نے بے مروتی و خود غرضی سے کہا تو رابیل نے بہت دکھ سے انہیں دیکھا۔

”ابو! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“ اشمل کو ان کی بات بری لگی تھی بے کل ہو کر بولی۔

”تم چپ رہو“۔ شفیق حسین نے اسے گھورا۔

”کیوں ابو! کیا تین بیٹیوں کی مفت میں شادی اور چوتھی کا رشتہ طے ہو جانا بلکہ دس لاکھ روپے وہ آپ کو میری شادی کے لئے ایڈوانس میں دے چکے ہیں اس پر بھی آپ کا دل نہیں بھرا، بلکہ لالچ بڑھتا جا رہا ہے آپ کے دل میں۔ ہم آپ کی ذمہ داری ہیں عیسیٰ بھائی کی نہیں مفت میں ایک پیسہ خرچ کئے بنا آپ کی بیٹیوں کی شادی ہو گئی۔ پھر بھی آپ کی نظر ان کی دولت پر لگی ہے، اگر رابی، یہ شادی نہ کرتی تو کیا مونل اور کومل اس وقت اپنے سسرال میں ہوتیں؟ نہیں نا، کچھ تو احساس کریں آپ، دونوں، بیٹیوں کو ان کی اپنی نظروں میں گرا رہے ہیں اور ان کے سسرالیوں کے سامنے بھی شرمندہ کرانا چاہتے ہیں، رابی کو اس قابل تو رہنے دیں ابو، کے وہ اپنے شوہر کے سامنے نظریں اٹھا کر جی سکے“۔ اشمل غصے سے بول رہی تھی جبکہ رابیل حیرت، غصے، دکھ اور بے بسی کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔ رابیل کو نہیں بتایا تھا عیسیٰ نے کہ وہ اس کے والد کو اشمل کی شادی کے لئے دس لاکھ روپے دے چکا ہے، وہ تو سچ مچ اس سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی، بس ایک اطمینان تھا اسے کہ وہ عیسیٰ کے ساتھ مخلص تھی، انہیں دھوکا نہیں دے رہی تھی، دل سے انہیں قبول کر چکی تھی، ان کی اچھائیوں کی بدولت ان سے محبت کرنے لگی تھی۔

”رابی کے ابو، اشمل ٹھیک کہہ رہی ہے، ہم عیسیٰ میاں کے سامنے نظر نہیں اٹھا سکتے اب، بہت کر دیا انہوں نے ہمارے لئے بس اب اور نہیں، ہمارا تو آدھے سے زیادہ بوجھ بانٹ لیا انہوں نے، اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کریں، ہم اتنا ہی کم ہے“۔ شمسہ بیگم نے بھی سنجیدگی سے انہیں سمجھایا۔

”اچھا ٹھیک ہے، سو جاؤ اب تم سب رات بہت ہو گئی ہے“۔ شفیق حسین نے کھسیانے ہو کر کہا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

”رابی! تجھے کوئی ضرورت نہیں ہے اب ان کے مطالبے پورے کرنے کی، بس تو اپنے شوہر کا خیال رکھ“۔ اشمل نے رابیل کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے کہا۔

”اشمل! مجھے عیسیٰ نے نہیں بتایا کہ انہوں نے تمہاری شادی کے لئے ابو کو دس لاکھ روپے دیئے ہیں“۔

”اوہ...... یقیناً وہ بہت اچھے انسان ہیں جو اپنی بیوی کو شرمندہ نہیں دیکھ سکتے جبھی نہیں بتایا، رابی، ان کا خیال رکھنا“۔ اشمل نے اس کی بات سن کر دل سے کہا۔

”ہاں وہ تو میں رکھوں گی“۔

......☆......

ولیمہ بھی خیریت سے ہو گیا تھا، رابیل نے ڈرائیور کو فون کر دیا تھا۔ وہ گاڑی لے کر آ گیا اور رابیل کو ”عیسیٰ لاج“

لے آیا۔
"السلام علیکم، انابی!" رابیل نے انابی کو عیسیٰ کے بیڈ روم سے باہر نکلتے دیکھا تو خوشدلی سے مسکراتے ہوئے سلام کیا۔
"وعلیکم السلام رابیل بیٹی! آ گئیں تم، بہنوں کی شادی مبارک ہو بیٹی"۔ انابی نے خوش ہو کر اسے مبارک باد دی۔
"خیر مبارک انابی! بہت شکریہ، یہ سوپ کس کے لئے ہے؟" رابیل نے ان کے ہاتھ میں سوپ کا پیالہ دیکھ کر پوچھا۔
"عیسیٰ میاں کے لئے بنایا تھا مگر وہ پی ہی نہیں رہے۔ دو دن سے بخار میں جل رہے ہیں"۔
"کیا؟" رابیل پریشان ہو گئی۔
"مجھے کیوں نہیں بتایا آپ نے؟"
"عیسیٰ بابا نے منع کیا تھا بتانے سے وہ تو آپ کے جانے کے بعد سے ہی بستر سے لگے ہوئے ہیں، گردوں کا مسئلہ ہے ناں، وہ کیا کہتے ہیں؟ ہاں ڈائیلاسز ہوا تھا ناں کل"۔ انابی نے مزید معلومات فراہم کیں تو عیسیٰ کی بیماری کا سن کر تو وہ بے دم سی ہو گئی۔
"کیا عیسیٰ کی حالت اتنی خراب ہے؟"
"ہاں بیٹی، ڈاکٹر نے گردے تبدیل کرانے کا مشورہ دیا ہے، عیسیٰ بابا تو ڈاکٹر کی بات ہی نہیں مانتے، اب تم ان کا خیال رکھو اب وہ اکیلے تو نہیں ہیں ناں تمہاری ذمہ داری ہے ان پر"۔ انابی اسے سمجھاتی، بتاتی کچن کی طرف بڑھ گئیں اور وہ دل تھام کر رہ گئی۔ رابیل نے خود کو سنبھالا اور اپنے اور عیسیٰ کے بیڈ روم میں داخل ہوئی، عیسیٰ بیڈ پر موجود تھا۔ سو رہا تھا شاید، وہ بے قراری سے دوڑ کر اس کے پاس آئی، بیڈ کے کنارے پر بیٹھ کر اسے پکارا۔
"عیسیٰ!" اس کے وجود میں کوئی حرکت نہ ہوئی تو اس نے گھبرا کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں سمو لیا۔
"عیسیٰ! آنکھیں کھولیں ناں پلیز"۔ عیسیٰ نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں تو رابیل کو خود پر جھکے پایا، اس کے ملبوس سے اٹھتی خوشبو نے عیسیٰ کے حواس بیدار کر دیئے، رابیل کے چہرے پر بدحواسی چھائی ہوئی تھی۔
"رابیل! کیا ہوا بے بی؟" عیسیٰ کا لہجہ تفکر لئے ہوئے تھا، آواز خشک تھی جیسے کب سے پانی نہ پیا ہو۔
"آپ کو کیا ہوا ہے؟ مجھے نہیں بتایا کہ آپ کو بخار ہے؟" وہ سیدھی ہو گئی اور شکوہ کرنے لگی۔
"تمہیں بتا کر تمہاری خوشی کو خراب نہیں کرنا چاہتا تھا اور یہ سب تو چلتا رہتا ہے، لیکن بہنوں کی شادی کا یہ یادگار موقع پھر تو نہیں آتا ناں، کیسی رہی شادی؟" عیسیٰ اٹھتے ہوئے دھیمے پن سے بولا رابیل نے اسے سہارا دے کر پیچھے تکیہ لگا کر بٹھا دیا۔
"اللہ کا شکر ہے، بہت اچھی رہی، لیکن ایک چیز اچھی نہیں لگی۔" رابیل نے اس کے بالوں کو انگلیوں سے سنوارا۔
"وہ کیا؟" عیسیٰ نے اس کے سندر چہرے کو دیکھا۔
"آپ کی غیر موجودگی"۔
"واقعی......؟"
"جی، میں نے آپ کو بہت مس کیا، بہت زیادہ مس کیا"۔ رابیل نے محبت سے اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں سرخ لکیروں کا جال بچھا تھا، چہرہ الگ تپا ہوا تھا، بخار سے اس کی حالت سچ مچ کمزور محسوس ہو رہی تھی۔ "سب کچھ تھا بس ایک کمی تھی"۔

''کیا؟''

''آپ کے ساتھ کی کمی میں نے بہت محسوس کی''۔ رابیل نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دل سے کہا تو وہ ہنس کر بولا۔

''ارے تو تم یہ سمجھ لیتیں کہ میں ہوں ہی نہیں''۔

''اللہ نہ کرے''۔ رابیل نے تڑپ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''دوبارہ ایسا مت کہیئے گا، سنا آپ نے اور اب آپ نے اپنا ٹھیک سے علاج کروانا ہے ورنہ''۔

''ورنہ کیا؟'' عیسیٰ نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''میں خود اپنے ہاتھوں سے آپ کا گلا دبا دوں گی''۔

''اچھا!'' عیسیٰ کو ہنسی آ گئی وہ روٹھی روٹھی سی اس کے لئے فکر مند ہوتی اسے بے حد اپنی محسوس ہو رہی تھی۔

''اتنی اچھی بات پر تو تمہیں گلے لگانے کو دل چاہ رہا ہے''۔

''عیسیٰ......'' رابیل سچ مچ اس کے گلے سے لگ کر رو دی۔

''آپ کو تو مذاق سوجھ رہا ہے نا، لیکن میں آپ کو سچ مچ دل سے پیار کرتی ہوں اور آپ کو صحت مند، سلامت دیکھنا چاہتی ہوں''۔

''میں ٹھیک ہوں ڈونٹ وری ہنی''۔ عیسیٰ نے مسکراتے ہوئے اس کے سر کو تھپکا۔

''کیسے ٹھیک ہیں آپ؟'' وہ اس سے الگ ہو کر بولی۔

''اتنا تیز بخار ہے اور انائی نے مجھے سب بتا دیا ہے آپ کو کڈنی کی تکلیف ہے، اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں''۔

''بتا کر تمہیں بھی پریشان کرتا کیا فائدہ؟''

''اپنی منطق اپنے پاس رکھیں، میاں، بیوی کا رشتہ ایسا نہیں ہوتا کہ ایک دوسرے سے اتنی بڑی باتیں چھپائی جائیں''۔

''لیں پانی پئیں''۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ میں سے گلاس میں پانی انڈیل کر اسے پانی پلایا۔

''میں آپ کے کھانے کے لئے کچھ لاتی ہوں''۔

''تم رہنے دو اس کام کے لئے ملازم موجود ہیں تمہارے گھر میں سب کام تمہیں خود کرنے پڑتے ہوں گے، لیکن یہاں ہر کام کے لئے ملازم موجود ہیں''۔ جانے کیوں عیسیٰ نے جان بوجھ کر اس پر طنز کیا تھا، جسے رابیل نے خوشدلی سے سہہ لیا تھا۔

''میں آپ کی بیوی ہوں آپ کی خدمت کرنا میرا فرض ہے، کام یا ملازمت نہیں ہے کہ جس کی آپ مجھے ہر ماہ تنخواہ دیں گے، اور اگر ہر کام کے لئے ملازم موجود تھے تو آپ نے اس عمر میں اس بیماری کے ساتھ شادی کیوں کی؟''

''اپنی جائیداد کے وارث کے لئے''۔ وہ گہرا سانس لے کر بولا۔

''میرے مرنے کے بعد میری دولت و جائیداد کس کو ملتی؟''

''آپ اپنی جائیداد سے کوئی ٹرسٹ بنا سکتے تھے کوئی فلاحی ادارہ قائم کر دیتے، یا کسی فلاحی ادارے کو ٹرسٹ یا تنظیم کو اپنی پراپرٹی ڈونیٹ کر دیتے اس کا ثواب آپ کو تا حیات ملتا رہتا، شادی کرنا ضروری تھا کیا؟'' رابیل نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں میں اپنی پہچان چاہتا تھا میرے بعد میری اولاد''۔

''بھول ہے آپ کی''۔ رابیل نے بڑی سرعت سے اس کی بات کاٹی تھی۔
''آپ کی اولاد آپ کے بغیر کیسے پرورش پا سکتی ہے؟''
''پیسے سے سب کچھ ممکن ہے رابیل جی! میرے پاس اتنی دولت ہے کہ سات نسلیں بیٹھ کر کھا سکتی ہیں، پیسہ باپ کی کمی محسوس ہی نہیں ہونے دیتا'' عیسیٰ نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔
''آپ کی ہر بات پیسے سے شروع ہو کر پیسے پر ہی ختم ہوتی ہے، پیار کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے آپ کے دل میں، آپ کی زندگی میں؟ آپ نے شادی کے معاملے میں بھی صرف اپنا ہی سوچا اور اس لڑکی کا کیا جسے آپ بھری جوانی میں بیوہ کرنے کا سوچ بیٹھے ہیں''۔ وہ تلخی سے بولی۔
''نہیں ایسا نہیں ہے میں نے تمہارا بھی سوچا ہے میری یہ دولت تمہارے اور تمہارے گھر والوں کے کام آ رہی ہے نا یہ بھی تو نیک کام ہے کہ کچھ لڑکیوں کی شادی ہو گئی اور تمہارے بھائی کو بھی میں انشاءاللہ باہر اعلیٰ تعلیم کے لئے بھجواؤں گا''۔
''بڑی نوازش آپ کی بہت نیکی کے کام کر رہے ہیں آپ تو، جاتے جاتے نیکی کے کام ہی کرنے چاہئیں تا کہ آپ کی آخرت سنور سکے''۔ رابیل نے ناراض لہجے میں کہا۔
''ناراض مت ہو''۔ وہ دھیرے سے ہنسا۔
''مجھے آپ کی دولت نہیں چاہئے یہ دولت آپ کسی اور کے کھاتے میں ڈال دیں''۔ وہ ناراضی سے بولتی ہوئی اٹھ گئی۔
''تم بیوی ہو میری، مجھ پر تمہارا حق ہے، میری ہر چیز تمہاری ہے تم ہی کو ملے گی''۔ عیسیٰ نے اسے دیکھتے ہوئے جتایا۔
''مجھے آپ کی دولت نہیں، محبت چاہئے صرف محبت''۔
''محبت بنا دولت کے کچھ بھی نہیں ہے، جیسے کسی مردہ انسان کو آکسیجن دے کر زندہ رکھنے کی سانس دینے کی کوشش کی جا رہی ہو، تمہاری عمر کا تقاضا ہے محبت کے خواب دیکھنا''۔ عیسیٰ نے تلخی سے مسکراتے ہوئے اسے جتایا۔
''موت بھی کتنی بے درد ہوتی ہے خوبصورت چہروں کو بھی نگل لیتی ہے''۔ رابیل نے دکھ اور بے بسی سے عیسیٰ کے چہرے کو دیکھا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔
''چند دنوں کی رفاقت میں کیا کسی کی محبت اور اس کے نیک نیت ہونے پر یقین کیا جا سکتا ہے؟'' عیسیٰ نے خود سے سوال کیا تھا۔ اور جواب رابیل کے حق میں آیا تھا۔
''نہیں یہ بہت جلدی ہے برسوں کے ساتھ پل بھر میں ختم ہو گئے تو یہ چند دنوں کا ساتھ کیسے رابیل کی نیک نیتی ثابت کر سکتا ہے؟ ابھی جوانی کا جوش و جذبہ ہے دولت کی ریل پیل پہلی بار دیکھی ہے اس نے تو اسے سب کہنا آسان لگ رہا ہے، شاید مجھے اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لئے وہ محبت، محبت کا کھیل، کھیل رہی ہے مجھ سے تا کہ سب کچھ جتنی جلدی ممکن ہو اپنے نام کروا سکے، ہاں ایسا ہی ہے، بہت دیکھے ہیں ایسے ڈرامے، خوبصورت اور معصوم چہرے محبت کی آڑ لے کر سب کچھ لوٹ کر چلے جاتے ہیں اور انسان خالی ہاتھ رہ جاتا ہے۔ میں بچہ نہیں ہوں کہ رابیل کے حسن اور پیار بھرے اظہار میں چھپے مطلب اور لالچ کو نہ سمجھ سکوں''۔ عیسیٰ نے دل میں سوچا اور آنکھیں موند لیں۔
''انابی! میں عیسیٰ سے محبت کرتی ہوں لیکن انہیں میری محبت پر اعتبار ہی نہیں ہے''۔ وہ اداس ہو کر انابی سے حال

دل کہہ بیٹھی۔
''بیٹی! انہیں تو اپنی زندگی کا ہی اعتبار نہیں ہے''۔
''زندگی کا اعتبار کسے ہے انابی؟ بیمار ایڑیاں رگڑتے رہ جاتے ہیں اور اچھے بھلے صحت مند انسان پل بھر میں لقمہ اجل بن جاتے ہیں، کسی حادثے میں، بم دھماکے میں، یا ہارٹ اٹیک سے جان کی بازی ہار جاتے ہیں۔ کیا بھروسہ ہے زندگی کا؟ موت تو اٹل حقیقت ہے۔ ازل سے یہی دستور جاری ہے۔ اگر آج میں اچانک سے مرجاتی ہوں تب کیا تم کریں گے عیسیٰ؟''
''ارے بیٹی، اللہ نہ کرے، کیسی باتیں کررہی ہوں؟'' انابی نے اس کی بات سن کر دہل کر کہا وہ مسکرادی۔
''سچ ہی تو کہہ رہی ہوں انابی! اگر میں عیسیٰ سے پہلے مرگئی تو کس پر اعتبار کریں گے وہ؟ زندگی میں جینے کے لئے ایک ہلکی سی امید کی کرن بھی بہت ہوتی ہے، سانسوں کو ضائع کرنے سے کیا حاصل؟ یہی پل، یہی سانسیں ہم کسی کو خوشی دے کر، کسی کے ساتھ محبت اور اپنائیت کا اظہار کر کے انمول بھی تو بنا سکتے ہیں ناں''۔ رابیل نے اداس مگر مدلل لہجے میں کہا انابی نے سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔
''اچھا بیٹی! میں ذرا عیسیٰ بابا کو سوپ دے آؤں ان کی دوا کا وقت ہونے والا ہے''۔ انابی یہ کہتے ہوئے اٹھ گئیں۔
''انابی! سوپ میں لے جاؤں عیسیٰ کے لئے''۔
''ہاں، ہاں کیوں نہیں بیٹی؟ انہیں بہت خوشی ہوگی''۔ انابی نے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا اور کچن میں گئیں سوپ گرم کر کے سوپ کا پیالہ ٹرے میں رکھ کر رابیل کو ٹرے تھمادی، رابیل بیڈروم میں آگئی۔ عیسیٰ نے آنکھیں کھول دیں، اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔
''ناراض ہو''۔ عیسیٰ اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔
''میں کیوں ناراض ہوں گی، لیں سوپ پئیں''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی اور اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔
''بھوک نہیں ہے''۔
''بیماری میں بھوک کسے لگتی ہے؟ لیکن کھانا تو پڑتا ہے ناں تاکہ جسم کی طاقت وتوانائی بحال ہوسکے''۔ وہ کسی استاد کی طرح اسے شفقت سے سمجھا رہی تھی اور وہ حیرانگی سے اسے تک رہا تھا۔
''مجھے نہ تو یہ سوپ پینا ہے اور نہ ہی تمہارا یہ لیکچر سننا ہے''۔ عیسیٰ نے بدتمیزی سے کہا مگر اس نے چمچ میں سوپ بھر کر اس کے منہ کے قریب کیا۔
''سوپ تو آپ کو پینا پڑے گا، شاباش منہ کھولیں''۔
''بس''۔ وہ سوپ پی کر منہ بنا کر بولا۔
''تھوڑا سا اور''۔ رابیل نے دوسرا چمچ پلایا۔
''انتہائی بدمزہ سوپ ہے''۔ وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔
''آپ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھوڑا سا اور پی لیں''۔
''کہا ناں نہیں پینا، ہٹاؤ اسے''۔ عیسیٰ نے درشتی سے پر غصیلے لہجے میں کہتے ہوئے ہاتھ سے ہٹایا تھا اور سوپ کا پیالہ رابیل کے دائیں بازو پر الٹ گیا تھا۔
''آ......'' رابیل گرم گرم سوپ کی جلن اور درد سے بے ساختہ چیخ اٹھی، اور ایک دم سے اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی پیالہ اور چمچ نیچے جا گرا تھا۔

''اوہ، شٹ......'' عیسیٰ کا مقصد اسے جلانا ہرگز نہیں تھا، وہ اس کے بازو پر سوپ گرانے پر شرمندہ سا نظر آرہا تھا۔
''انابی......!'' رابیل نے زور سے آواز دی۔ انابی دوڑی چلی آئیں، اندر کی صورتحال دیکھ کر گھبرا گئیں۔
''بیٹی! یہ کیا ہوا؟''
''کچھ نہیں آپ کے صاحب کو پیار آرہا تھا مجھ پر، آپ یہ صاف کروادیں، میں یہ دھو کر آتی ہوں''۔ رابیل تیزی سے انہیں ہدایت دیتی واش روم میں چلی گئی۔
''انابی! آپ برنال وغیرہ لائیں رابیل کا بازو جل گیا ہے''۔ عیسیٰ نے بیڈ سے اترتے ہوئے پریشانی کے عالم میں کہا۔ رابیل بازو اور ہاتھ دھو کر آئی وارڈ روب میں سے کاٹن کا سادہ شلوار سوٹ نکالا اور دوبارہ واش روم میں گھس گئی۔
''یہ ٹیوب ملی ہے''۔ انابی نے عیسیٰ کو ٹیوب لا کر دے دی۔
''ہاں ٹھیک ہے آپ جائیں''۔ انابی واپس چلی گئیں۔
''یہ لگا لو درد نہیں ہوگا''۔ رابیل چینج کر کے کمرے میں آئی تو عیسیٰ نے ٹیوب اس کی جانب بڑھائی۔
''پہلے ''درد'' دیتے ہیں اور پھر ''دوا'' دیتے ہیں''۔ رابیل کے لہجے میں دکھ تھا وہ لب کاٹنے لگا، رابیل نے لائیٹ لیمن کلر کی چھوٹی آستینوں والی قمیض اور سفید شلوار پہنی تھی، لیمن کلر کا ہی دوپٹہ تھا۔ وہ اپنے مناسب قد کاٹھ اور دلکش نقوش کے ساتھ ہر رنگ، ہر لباس میں دل موہ لیتی تھی، عیسیٰ کو اس کے بازو پر سرخ نشان بہت صاف دکھائی دے رہا تھا، جو گرم سوپ گرنے کی وجہ سے پڑ گیا تھا اور وہ جلن اور درد کے احساس سے بار بار اس جگہ پھونکیں مار رہی تھی۔
''میں تو چیچ ہٹا رہا تھا بے دھیانی میں میرا ہاتھ باؤل سے ٹکرا گیا اور تمہارا بازو جل گیا، آئی ایم سوری، میرا مقصد تمہیں تکلیف پہنچانا ہرگز نہیں تھا''۔ وہ شرمندہ تھا جبھی وضاحت پیش کر رہا تھا، وہ خاموشی سے کمرے سے جانے کے لئے اٹھی تو وہ بے چینی سے بولا۔
''کہاں جارہی ہو؟ ادھر آؤ''۔
''کیوں اب دوسرا بازو بھی جلانا ہے کیا؟''
''کہا، نا سوری''۔
''ٹھیک ہے قبول کی آپ کی سوری، اب اپنی دوا کھا کر سو جائیں''۔ یہ کہنے کے بعد وہ رکی نہیں تھی، باہر لان میں آگئی تھی، جہاں ٹھنڈی ہوا نے اس کے بازو کی جلن کو کچھ آرام بخشا تھا، ملازمہ نجمہ اسے ٹوتھ پیسٹ دے گئی گھریلو ٹوٹکا تھا۔ ٹوتھ پیسٹ لگانے سے جلن کم ہو گئی تھی۔ گم صم چہرہ، سونی سانسیں، ٹوٹتی جڑتی، امیدیں ڈرتی ہوں کیسے کٹے گی؟ عمر ہے کوئی رات نہیں''۔ رابیل اس وقت سے بیڈ روم میں نہیں گئی تھی۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی تھی، لیپ ٹاپ پر گردے کے امراض وعلاج سے متعلق نیٹ پر سرچ کر رہی تھی۔ رات کے سوا دو بجے تھے، عیسیٰ کی آنکھ کھلی تو رابیل کو بیڈ روم میں نہ پا کر کمرے سے باہر نکلا تھا، اس کی تلاش میں ٹی وی لاؤنج تک آگیا، وہ لیپ ٹاپ اپنی گود میں رکھے اس کی اسکرین پر نظریں جمائے بائیں ہاتھ پر ٹھوڑی ٹکائے بے حد محو و مگن تھی، عیسیٰ خاموشی سے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔
''اتنی رات گئے یہ ضرور اپنے کسی بوائے فرینڈ سے بات کر رہی ہے اور مجھے چیٹ کر رہی ہے''۔ عیسیٰ نے فوراً یہی سوچا تھا اور آگے بڑھ آیا۔ اس کے بازو پر ابھی تک ٹوتھ پیسٹ لگا تھا جو سوکھ چکا تھا، عیسیٰ کو ایک بار پھر شرمندگی کا

احساس ہوا تھا۔
"آدھی رات کو تم کس سے چیٹ کر رہی ہو؟" عیسیٰ کے شک بھرے سوال پر رابیل نے بری طرح چونکتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا، ہلکے آسمانی رنگ کے شلوار قمیض میں وہ بہت پیارا اور نکھرا ہوا لگ رہا تھا۔
"اپنے بوائے فرینڈ سے"۔ وہ بے پروائی سے جواب دیتی اسے تپا گئی۔
"تو میرا شک درست تھا، تم کسی کو پسند کرتی تھیں مگر اپنی ضرورت کے ہاتھوں مجبور ہو کر تم نے مجھ سے شادی کر لی ہے نا؟"
"ہاں، واؤ گریٹ! آپ کو تو غیب کا علم بھی ہو جاتا ہے"۔ رابیل نے مسکراتے ہوئے بہت نارمل انداز میں جواب دیتے ہوئے اسے مزید تاؤ دلایا۔
"دکھاؤ ادھر"۔ وہ اس کے برابر صوفے پر بیٹھتا اس سے لیپ ٹاپ چھین رہا تھا۔
"ارے آرام سے اتنی مشکل سے تو ملا ہے"۔ رابیل نے بھنویں سکیڑیں، لیپ ٹاپ عیسیٰ کے ہاتھوں میں جا چکا تھا، اس کی نگاہیں اسکرین پر گردے کے امراض وعلاج سے متعلق ویب سائیٹ دیکھ کر حیرت سے پھیل گئیں۔
"کیا ہے یہ؟" عیسیٰ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"میرے بوائے فرینڈ کم ہسبینڈ کی بیماری سے متعلق ریسرچ ورک ہے"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
"تو تم یہ دیکھ رہی تھیں"۔ وہ شرمندہ ہوا۔
"تو آپ کے خیال میں مجھے اور کیا دیکھنا چاہئے تھا؟ اپنے لئے ینگ ہینڈسم دولہا؟" رابیل تاسف زدہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔
"بیٹھ جاؤ"۔ عیسیٰ نے مری مری آواز میں کہا۔
"آپ مردوں کو یہ شک اور غلط فہمی ہی کیوں رہتی ہے کہ ان کی بیوی کسی اور میں دلچسپی رکھتی ہوگی، اگر وہ خاموش ہے، خفا ہے، الگ تھلگ رہتی ہے تو ضرور اس کی وجہ کوئی دوسرا لڑکا ہی ہوگا؟ اور خاص کر آپ جیسے عمر رسیدہ دولت مند جب کسی کم عمر اور خوبصورت لڑکی سے شادی کرتے ہیں تو اس پر شک ہی کرتے ہیں کہ وہ کسی اور مرد کو چاہتی ہوگی۔ وہ کسی اور مرد کے خواب دیکھتی ہے، کسی اور کو سوچتی رہتی ہے اور اسے مار کر اس کی دولت ہتھیا کر اس من پسند سے شادی کر لے گی۔ افسوس، آپ بھی انہی مردوں میں سے ہیں دولت تو بہت ہے آپ کے پاس مگر دل نہیں ہے شاید اگر ہے تو اس میں جگہ نہیں ہے کچھ اچھا سوچنے کی اور آپ نے کیا سمجھا ہے کہ آپ نے مجھ سے شادی کر لی ہے تو میں آپ کی ہر صحیح غلط بات خاموشی سے سر جھکا کے سنتی رہوں گی"۔
"میں ایسا نہیں سوچتا"۔ وہ اس کے درست تجزیئے پر مسکرا کے بولا۔
"سوچئے گا بھی نہیں، کیونکہ میں آپ کی بیوی ہوں، شرعاً بھی اور قانوناً بھی، نکاح کیا ہے آپ نے مجھ سے اس لئے مجھے اپنی دولت کا رعب دکھانے یا کچھ جتانے کی آئندہ کوشش بھی مت کیجئے گا"۔ وہ نہایت سنجیدہ اور مضبوط لہجے میں بولتی اسے مزید حیران اور متاثر کر رہی تھی۔
"اچھا بیگم صاحبہ! اور کوئی حکم؟" عیسیٰ اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔
"اپنا پراپر علاج کروائیں"۔
"او کے"۔
"اور اتنی دولت آپ کے کس کام کی ہے اگر آپ اپنے لئے گردے کا انتظام نہیں کر سکتے؟" "کڈنی ڈونر" مل سکتے

ہیں منہ مانگی قیمت پر گردہ بھی خریدا جا سکتا ہے، لوگ ڈونیٹ بھی تو کر دیتے ہیں"۔ وہ تیزی سے بولی۔
"کون دے گا مجھے کڈنی؟"
"میں دوں گی"۔ وہ مسکرائی۔
"تم......!" ایک اور جھٹکا تھا جو اسے لگا تھا، کیا وہ واقعی اس کے ساتھ اتنی مخلص تھی، جتنا وہ ظاہر کر رہی تھی۔
"ہاں میں، ہم کل ہوسپٹل جا رہے ہیں آپ کے اور میرے ٹیسٹ کے لئے"۔ رابیل نے اس کے گریبان کے بٹن بند کئے۔
"نہیں، میں اپنی وجہ سے تمہاری زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتا"۔ عیسیٰ نے اس کے ہاتھ تھام لئے۔
"وہ تو آپ ڈال چکے ہیں"۔ رابیل نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر دلکشی سے مسکراتے ہوئے کہا۔
"تمہاری اس قدر توجہ اور محبت ملے تو مریض زندگی کی جانب آپ ہی آپ لوٹ آئے۔
"تو لوٹ آیئے نا، میرے لئے"۔
"کیسے ٹھیک ہوؤں گا میں؟"
"دعا سے، اللہ پر یقین سے اور"۔
"اور......؟"
"محبت سے"۔
"محبت، میری زندگی میں کسی کی محبت نہیں ہے"۔
"بیوی کی محبت تو ہے نا"۔
"تم مجھ سے محبت کرتی ہو، مجھ بوڑھے، بیمار سے تمہاری اور میری عمروں کا فرق ہے"۔ وہ اسے محبت سے دیکھ رہا تھا۔
"جب آپ نے مجھ سے شادی کرتے وقت یہ فرق محسوس نہیں کیا اور خود 25 سال کی عمر کی لڑکی کی ڈیمانڈ کی تھی تو اب کیوں اس فرق کا ذکر کر رہے ہیں؟" رابیل نے اسے شکوہ کناں نظروں سے گھورا۔
"اچھا بابا، سوری، نہیں کروں گا اب عمر کا ذکر مگر میں اب اور کتنا جی لوں گا؟ ساٹھ سال تو جی لیا ہوں"۔
"ابھی آپ کو ساٹھ سال میرے ساتھ بھی جینا ہے"۔ رابیل مسکراتے ہوئے بولی وہ ہنس پڑا۔
"ہنسے کیوں؟"
"تمہارے بچپنے پر"۔
"ہاں تو ٹھیک ہے نا، بڑھاپا اور بچپن ایک سا ہی ہوتا ہے ہم دونوں کی خوب گزرے گی"۔ رابیل نے اس کو مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ عیسیٰ نے بہت حیرت سے اس پر خلوص لڑکی کو دیکھا جس پر وہ مسلسل شک کئے جا رہا تھا، اسے اپنی سوچ پر شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔
"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟" رابیل نے اسے یوں محو دیکھ کر اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی تو اس کی محویت ٹوٹی۔
"یقین کر لیں میں آپ ہی کی بیوی ہوں اور آپ کو چھوڑ کر جانے والی نہیں ہوں"۔
"کیا واقعی مجھے اپنی خوش نصیبی پر یقین کر لینا چاہیئے؟" عیسیٰ نے دل میں خود سے سوال کیا۔
"ہر رشتہ اعتبار اور بھروسے پر ٹکا ہوتا ہے عیسیٰ صاحب جہاں اعتبار نہ ہو وہاں پیار نہیں ہوتا، کچھ بھی نہیں ہوتا"۔

رابیل اسے سوچوں میں گم دیکھ کر افسردگی سے کہتی لیپ ٹاپ آف کرنے لگی۔

''رابیل......!'' عیسٰی نے بے چین ہو کر اسے پکارا۔

''کل ہم ہوسپٹل جا رہے ہیں آپ کا مکمل چیک اپ ہوگا اور میرے بھی ٹیسٹ ہوں گے، اب آپ کڈنی ٹرانسپلانٹ میں مزید تاخیر نہیں کریں گے''۔ رابیل بہت مگن انداز میں لیپ ٹاپ آف کرتے ہوئے کہہ رہی تھی، اور عیسٰی بے چارگی سے اسے دیکھ رہا تھا، پھر ایک دم سے غصے میں آتے ہوئے بولا۔

''تم چاہتی ہو کے میں جلدی اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں''۔

''اگر آپ کو میری چاہ کا احساس ہوتا تو آپ یہ سب نہ کہتے۔ اینی ہاؤ، آپ کمرے میں چلیں اور سو جائیں میں یہ لیپ ٹاپ رکھ کر آتی ہوں''۔ رابیل اپنے دکھ کو چھپاتی ہوئی دھیمے پن سے جواب دے کر لیپ ٹاپ اسٹڈی روم میں رکھنے چلی گئی۔

.......☆.......

''تم چاہو تو اپنے میکے جا سکتی ہو شام میں واپس آ جانا میں آفس جا رہا ہوں میری ضروری میٹنگ ہے آج''۔ صبح عیسٰی تیار ہوتے ہوئے اسے کہہ رہا تھا۔

''مگر ہمیں تو ہوسپٹل جانا تھا''۔ رابیل نے یاد دلایا۔

''ہم نے نہیں، صرف میں نے اور میں جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے تمہارا کڈنی لے کر مجھے تمہارے لئے پرابلمز کری ایٹ نہیں کرنی۔ ہو جائے گا کڈنی کا ارینج تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے''۔ وہ نہایت خشک اور سپاٹ لہجے میں بول رہا تھا، رابیل کو اس کا پل پل بدلتا رویہ، لہجہ اور انداز دکھ دے رہا تھا مگر وہ ضبط کئے مسکرا رہی تھی۔

''کیوں ضرورت نہیں ہے؟ بیوی ہوں میں آپ کی''۔ رابیل نے اس کے ٹائی باندھتے ہاتھ تھام کر پیار سے کہا۔

''یہ جتانے کی بھی ضرورت نہیں ہے''۔ عیسٰی نے اس کے ہاتھ جھٹکے۔

''ارے آپ ایسے کیوں بی ہیو کر رہے ہیں؟ میں نے کیا، کیا ہے؟'' رابیل نے اس بے عزتی پر تڑپ کر استفسار کیا۔

''میکے جانا ہو تو ڈرائیور سے کہہ دینا چھوڑ آئے گا''۔ یہ کہہ کر وہ تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

''محبت ہی محبت ہے مگر جاناں
تمہیں اعتبار محبت نہیں ہے''

رابیل کے سیل فون پر عیسٰی کا ایس ایم ایس آیا تھا، جسے پڑھ کر وہ افسردگی سے مسکرا دی۔

''تجھ سے درکار محبت ہے محبت کے عوض
میں نہیں چاہتا تجھ پہ میرا احسان رہے''

رابیل نے جواب میں اسے یہ شعر سینڈ کیا تھا۔

''یہ لڑکی شروع دن سے مجھے شرمندگی سے دوچار کر رہی ہے، ہر بات پر مسکراتی ہے، ہر سوال کا جواب ہوتا ہے اس کے پاس، میرے غصے، میرے طنز پر بھی بہت رعب اور اعتماد سے، استحقاق سے جواب دے کر مجھے لاجواب کر دیتی ہے، شاید میں ہی اسے غلط سمجھ رہا ہوں، پتا نہیں، یہ ان سب لڑکیوں سے مختلف کیسے ہو سکتی ہے؟'' عیسٰی اس کا ٹیکسٹ پڑھنے کے بعد پھر سے الجھ رہا تھا۔ رابیل کا محبت واپنائیت بھرا رویہ اسے شرمندگی سے دوچار کر رہا تھا، وہ جتنا اس کے ساتھ لئے دیئے انداز میں رہتا وہ اتنا ہی اسے اپنی محبت واپنائیت سے جیت رہی تھی، تین ماہ ہو گئے تھے ان کی شادی

کو آج وہ بہت خوش تھی۔ شمسہ بیگم کا فون آیا تھا انہوں نے اسے خالہ بننے کی خوشخبری سنائی تھی۔
"میری شادی بھی تو موبل اور کومل باجی کی شادی سے پندرہ دن پہلے ہوئی تھی، مجھے تو یہ خوشی ابھی تک نہیں ملی، ملے گی بھی کیسے؟ عیسیٰ نے مجھے سب کچھ دیا ہے لیکن اعتبار نہیں دیا اور انہیں اس عمر میں اولاد کی ضرورت بھی نہیں ہے شاید"۔ رابیل نے دل میں سوچا دکھ کے احساس سے آنکھیں بھر آئیں۔ دو آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر رخساروں پر پھسل گئے۔
"کیا ہوا؟ تم رو رہی ہو؟" عیسیٰ اسی وقت گھر آیا تھا۔ اس کی آنکھوں کی نمی اس سے چھپی نہ رہ سکی اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ ہڑبڑا گئی۔
"نہیں تو، یہ تو خوشی کے آنسو ہیں امی کا فون آیا تھا بتا رہی تھیں کہ میں خالہ بننے والی ہوں، پتا نہیں میں انہیں یہ خوشخبری کب سناؤں گی؟"
"تم تیار ہو جاؤ ڈرائیور تمہیں میکے چھوڑ آئے گا۔ اور ہاں جاتے ہوئے مٹھائی اور پھل وغیرہ بھی لیتی جانا۔ خوشی کا موقع ہے خالی ہاتھ جانا مناسب نہیں ہے"۔ عیسیٰ نے اس کی بات کو نظر انداز کر دیا تھا، جس کا مطلب تھا کہ وہ بچے کے موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔
"مجھے تو خالی ہاتھ ہی جانا ہے یہاں سے"۔ رابیل نے معنی خیز بات کہی تھی، عیسیٰ نے ایک دم سے اسے دیکھا تھا۔
"آپ آج بھی نہیں جائیں گے میرے میکے؟"
"نہیں میں بہت ان کمفرٹ ایبل فیل کرتا ہوں"۔
"میرے ساتھ جانے میں؟" رابیل نے اس کو دیکھا جو اپنی ٹائی کا ناٹ کھول کر اب اپنے بوٹ اتار رہا تھا۔
"تمہارے میکے جانے میں، رابی! میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمہیں اپنے رشتے داروں کے سوالوں اور طنزیہ جملوں کا سامنا کرنا پڑے"۔
"لیکن کب تک؟ ہمیشہ تو ایسا نہیں ہوگا نا"۔
"ہاں ہمیشہ تو ایسا نہیں ہوگا"۔ وہ اپنا چشمہ اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھتا ہوا فریش اپ ہونے کے لئے واش روم میں چلا گیا۔ وہ نہا کر نکلا تو چائے پر اسے اپنا منتظر پایا۔
"تم گئیں نہیں؟" عیسیٰ نے اپنے بالوں میں برش پھیرتے ہوئے اس کے چاندنی بکھیرتے چہرے کو دیکھا۔
"کل چلی جاؤں گی آپ کے آفس ٹائم میں اس وقت تو مجھے آپ کو ٹائم دینا چاہیے نا"۔
"کوئی ضروری نہیں ہے"۔ عیسیٰ نے اس کے برابر میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ آزردگی سے پوچھنے لگی۔
"میرا آپ کے لئے کچھ بھی کرنا، سوچنا، کہنا اگر ضروری نہیں ہے تو کیا ضروری ہے بتائیے"۔
"چائے پھیکی ہے"۔ عیسیٰ نے چائے کا ایک سپ لے کر کہا۔
"بعض اوقات اندر کا ذائقہ، زبان پر بھی آ جاتا ہے"۔ رابیل نے ایک چمچ چینی اس کے کپ میں ڈال دی اور چمچ ہلا کر کپ اسے دیا، وہ خاموشی سے چائے پینے لگا۔

☆

عیسیٰ نے اس کی اسکول کی جاب چھڑا دی تھی، اس نے استعفیٰ نہیں دیا تھا، پھر سے ایک ماہ کی چھٹی لے لی تھی، گھر میں ہر کام کے لئے ملازم موجود تھے اور وہ فارغ رہ رہ کر تنگ آ گئی تھی، اسٹڈی میں کچھ اس کے مطلب کی

کتابیں بھی تھیں جو وہ پڑھ کر اپنا ٹائم پاس کر رہی تھی، یا کمپیوٹر پر مختلف ویب سائٹس دیکھتی رہتی تھی، عیسیٰ کا علاج جاری تھا مگر وہ اسے ہوسپٹل نہیں لے جاتا تھا، ڈرائیور کے ساتھ جاتا تھا ڈائیلاسز کے لئے اور بعض اوقات رابیل کو اس کے گھر آنے پر پتا چلتا تھا کہ آج وہ ڈائیلاسز کروا کے آیا ہے، اور وہ عیسیٰ کی اس عادت پر کڑھتی رہتی تھی کہ وہ اسے کچھ نہیں بتاتا تھا۔ رابیل اسٹڈی میں تھی، عیسیٰ کی اسٹڈی اینڈ کمپیوٹر ٹیبل کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھی، ٹیبل کی درازیں کھول کر چیک کرنے لگی، ایک بڑا سا فیملی البم اس کی نگاہ میں آیا تو اس نے بلا جھجک البم نکال لیا، سامنے عیسیٰ کی مسکراتی ہوئی تصویریں تھیں وہ جوان اور خوبصورت لگ رہا تھا۔ کھلی کھلی گندمی رنگت، اونچا لمبا، قد بھرا بھرا جسم، ڈارک براؤن آنکھیں، احمریں لبوں پر دلنشین مسکراہٹ لئے وہ دل میں اتر جانے کی حد تک جاذب نظر لگ رہا تھا۔ رابیل نے مسکراتے ہوئے صفحہ پلٹا تو اس کی آنکھوں میں حیرت پھیل گئی، عیسیٰ کے والد اور عیسیٰ ہمشکل تھے یا عیسیٰ کے بیٹا، بیٹی اس کی نظروں کے سامنے مسکرا رہے تھے وہ سمجھ نہیں پائی، کیونکہ جس عیسیٰ کے ساتھ وہ رہ رہی تھی وہ بھی تصویر میں موجود تھا اور ایک جوان ہینڈسم لڑکا بھی جو شاید ستائیس، اٹھائیس برس کا ہوگا رابیل کے خیال میں وہ دونوں ایک جیسے یعنی اگر وہ نوجوان داڑھی رکھ لے چشمہ لگا لے تو وہ بھی عیسیٰ جیسا دکھنے لگے گا، بس تصویر میں بزرگ عیسیٰ کچھ دبلے نظر آرہے تھے، اور البم کی سائیڈ پیج پر تین سال پہلے کی تاریخ لکھی ہوئی تھی، وہ کسی لڑکی کی شادی کی تصویریں تھیں، جن میں عیسیٰ اور وہ جوان لڑکا اکثر ایک ساتھ کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے مسکرا رہے تھے، اور ایک گریس فل سی خاتون کے ساتھ عیسیٰ بھی مسکرا رہے تھے۔

"اوہ، مائی گاڈ! تو یہ ہے عیسیٰ کی فیملی ان کے بیوی، بچے ہیں، اور ان سب کی شادی بھی ہو چکی ہے، جبھی تو عیسیٰ کو اولاد کی خواہش نہیں ہے، لیکن انہوں نے مجھ سے اتنی بڑی حقیقت کیوں چھپائی؟ تو کیا عیسیٰ کے بیوی بچے انہیں چھوڑ چکے ہیں؟ انہوں نے مجھ سے بھی اپنی فیملی کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ میرا انجام کیا ہونے والا ہے؟ میری کیا حیثیت ہے عیسیٰ کی زندگی میں؟ ان کی اپنی فیملی ہے، تو میں کیا ہوں؟" رابیل البم دیکھتی جا رہی تھی اور بے قراری اور دکھ سے سوچتی جا رہی تھی، اس نے تصویروں میں ہر جگہ عیسیٰ کو بے حد مسرور دیکھا۔

"عیسیٰ، پہلے سے شادی شدہ اور بچوں والے ہیں انہوں نے مجھ سے اتنی بڑی بات چھپائی"۔

"رابیل بی بی! تمہاری عقل گھاس چرنے گئی ہے کیا؟ جو تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آسکی کہ عیسیٰ علوی ایک کروڑ پتی شخص ہیں اور یقیناً انہوں نے اپنی جوانی میں شادی بھی کی ہوگی اور ان کے بچے بھی ہوں گے"۔ رابیل کو اس کے دماغ نے لتاڑا۔

"ہاں میں ہوں ہی کم عقل اور نادان اتنی سی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی"۔ وہ خود کلامی کر رہی تھی۔

"میں تو ان سے یہ سوال پوچھنے کا حق بھی نہیں رکھتی وہ ہنسیں گے میری نادانی پر کہ میں نے انہیں کنوارہ بوڑھا سمجھا تھا، مگر ان کی فیملی اب کہاں ہے؟ عیسیٰ نے اپنی اتنی خوبصورت فیملی کو چھوڑ دیا یا ان کی فیملی ان کو چھوڑ کر چلی گئی؟ وجہ جو بھی ہوگی عیسیٰ مجھے نہیں بتائیں گے، وہ جس بات کا جواب نہیں دینا چاہتے اسے ان سنی کر دیتے ہیں، یا بات ہی بدل دیتے ہیں"۔ رابیل نے البم دیکھنے کے بعد جہاں سے اٹھایا تھا رکھ کر دراز بند کر دی، یہ دراز لاک ہوتی تھی نجانے کیسے عیسیٰ لاک کرنا بھول گئے تھے اور رابیل کے ہاتھ یہ البم لگ۔

"شاید اس سب کے پیچھے کوئی دکھ چھپا ہے جو عیسیٰ کی فیملی یہاں نہیں ہے اور وہ اکیلے ہیں اور اعتبار کھو چکے ہیں اپنا، رشتوں کا، لیکن مجھ سے شادی کیوں کی انہوں نے؟ انہیں کیا ملا ہے، مجھ سے شادی کر کے؟ الٹا انہوں نے تو خود میری فیملی پر لاکھوں روپے خرچ کر دیئے۔ اور میرا حق مہر اپنی خوشی سے پچاس لاکھ روپے رکھوایا تھا اور یہ رقم میرے

ذاتی اکاؤنٹ میں جمع بھی کروادی تھی، پھر کس لئے مجھے لائے ہیں عیسیٰ اپنی زندگی میں؟" رابیل کے دل و دماغ میں سوالات کی بوچھاڑ ہو رہی تھی، وہ اسٹڈی سے نکل کر باہر لان میں آ گئی۔

"ضرور انہیں ان کی فیملی سے کوئی دکھ پہنچا ہوگا جبھی تو وہ الگ رہتے ہیں، مجھے عیسیٰ کا اعتبار بحال کرنے کے لئے ان کا پہلے سے زیادہ خیال رکھنا چاہئے، اپنی محبت سے ان کے دکھ کو کم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے"۔ رابیل نے دل میں سوچا اور خود سے عہد کیا کہ وہ اب عیسیٰ کو بہت خوش رکھے گی۔

.......☆.......

"عیسیٰ! ہم دونوں باہر کہیں گھومنے چلیں"۔ وہ گھر آیا تو سجی سنوری رابیل نے اس کے سامنے آ کر مسکراتے ہوئے کہا وہ بہت دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔

"باہر، کہیں 'ہنی مون' منانے کا خیال تو نہیں آ رہا تمہارے دماغ میں؟"

"ہنی مون" نو وے، لیکن اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، ہم میاں بیوی ہیں پھر بھی نہ تو ہم ہنی مون پر گئے نا ہی ہمارا ولیمہ ہوا ہے اب تک، اگر آپ کو میرے ساتھ کہیں جانا برا لگتا ہے تو مجھ سے شادی ہی نہ کرتے، مجھے اپنے اس سونے کے پنجرے میں قید کر کے کون سا تیر مار لیا ہے آپ نے؟ ایک بیوی کو شوہر کی توجہ اور محبت کی ضرورت ہوتی ہے، اس کا وقت درکار ہوتا ہے، سونے، چاندی کی جھنکار نہیں۔ مگر آپ کو پیار، محبت سے کیا مطلب؟ آپ تو ہر چیز دولت سے، روپے پیسے سے خریدنے کے عادی ہیں ناں، مجھے بھی آپ نے خرید لیا ہے اپنی دولت سے"۔ رابیل کا دل بہت افسردہ ہو رہا تھا وہ بس بولتی چلی گئی۔

"خیریت، آج بہت غصے میں ہو، اور یہ تم مختصر بات نہیں کر سکتیں کیا؟" عیسیٰ نے بہت تحمل اور رسان سے کہا۔

"تو چلیں باہر"۔ وہ اس کی بات کا مختصر جواب دے رہی تھی۔

"میرے ساتھ باہر جا کر اپنا مذاق اڑواؤ گی، لوگ کہیں گے کہ باپ، بیٹی سیر کر رہے ہیں"۔

"شٹ اپ"۔ رابیل کو پہلی بار اس کی بات پر اتنا غصہ آیا تھا، عیسیٰ اس کے اس شدید ردعمل پر بھونچکا رہ گیا۔

"اگر اتنا ہی احساس ہے آپ کو تو ختم کر دیں یہ بندھن کو اگر آپ کو میرے ساتھ کہیں بھی آنے جانے میں پرابلم ہوتی ہے شرمندگی محسوس ہوتی ہے، آپ میرے ساتھ کہیں بھی جانا نہیں چاہتے تو مجھے جانے دیں طلاق دے دیں مجھے"۔

"کیا؟" عیسیٰ کو اس سے ایسی بات کی ہرگز توقع نہ تھی۔ وہ بے دم سا ہو کر بیڈ پر ڈھے گیا۔

"تم واقعی مجھے چھوڑ کر جانا چاہتی ہو؟"

"آپ جانتے ہیں کہ میں ایسا کیوں کہہ رہی ہوں"۔ رابیل نے عیسیٰ کے چہرے پر پھیلتی مایوسی، افسردگی اور بے چینی واضح محسوس کی تھی، اس کو لگا کہ عیسیٰ اس کے جانے کا سن کر دکھی ہوئے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ وہ ان کی زندگی سے چلی جائے۔ یہ احساس رابیل کے لئے خوشی کا باعث تھا، امید کے در کھولتا ہوا خوبصورت احساس۔

"چلو جاتے ہوئے بھی تم بہت کچھ اپنے ساتھ لے جاؤ گی خسارے میں نہیں رہو گی تم"۔ عیسیٰ کا لہجہ تھکا ہوا سا تھا۔

"نہیں میں نے کہا تھا نا کہ میں خالی ہاتھ جاؤں گی"۔ رابیل ٹھٹھکی کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے اور پھر اس کا دھیان حق مہر کی رقم کی طرف گیا تھا، اور وہ اس کی بات سمجھ گئی۔

"حق مہر کے پچاس لاکھ میں آپ کو لوٹا رہی ہوں، یہ چیک رکھ لیجئے مجھے اس رقم کی نہیں، آپ کی چاہت تھی،

آپ کی چاہت درکار تھی"۔ رابیل نے دراز میں سے چیک بک نکالی اور اپنے دستخط کر کے چیک اس کی جانب بڑھا دیا۔

"میں دی ہوئی چیزیں واپس نہیں لیتا" عیسیٰ نے چیک اس سے لے کر پھاڑ کر پھینک دیا۔

"لیکن میں کوئی چیز نہیں ہوں عیسیٰ! میں جیتی جاگتی انسان ہوں میں آپ کی ملکیت یا پراپرٹی نہیں ہوں بیوی ہوں آپ کی، آپ کا ساتھ چاہتی ہوں، چاہت بھرا ساتھ، جب آپ نے مجھے سب کچھ دیا ہے تو اپنی محبت اور چاہت کیوں نہیں دے سکتے؟" رابیل بولتے بولتے رو پڑی۔

"او پلیز، رو نہیں، مجھے آنسو اچھے نہیں لگتے، پلیز رابیل! میں نے تمہیں دکھ نہیں دینا چاہا، کبھی نہیں پلیز رو نہیں"۔ عیسیٰ نے بہت نرمی سے کہتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگالیا، وہ روتی رہی اور عیسیٰ اسے دھیرے دھیرے تھپکتا رہا۔

......☆......

رابیل بہت خوش تھی، صبح آفس جاتے وقت عیسیٰ نے اسے باہر لے جانے کا پروگرام بنایا تھا۔

"آج ہم ڈنر باہر کریں گے تم تیار رہنا میں جلدی گھر آجاؤں گا"۔ عیسیٰ نے جس محبت سے کہا تھا رابیل کا دل باغ باغ ہو گیا تھا۔ اور اب وہ رات کو پہننے کے لئے ڈریس کا انتخاب کر رہی تھی، اور اپنے ڈریس کا انتخاب کرنے کے بعد رابیل نے عیسیٰ کی وارڈ روب کھولی، جس میں ایک سے بڑھ کر ایک قیمتی سوٹ موجود تھے، رابیل نے بلیک ڈنر سوٹ منتخب کیا عیسیٰ کے لئے رومال اور جرابوں کے لئے دراز کھولا تو اس میں کچھ کاغذات رکھے تھے، ایک فائل تھی، رابیل نے یونہی بے دھیانی میں فائل نکال کر کھولی تو اس میں سے کچھ نکل کے نیچے گرا تھا۔ اس نے نظریں نیچے دوڑائیں وہ شناختی کارڈ اور پاسپورٹ تھا۔

"یہ کس کے ہیں؟" رابیل فائل دراز میں واپس رکھتے ہوئے نیچے جھکی اور وہ شناختی کارڈ اور پاسپورٹ اٹھالیا۔

"یا اللہ! اتنا...... بڑا دھوکا"۔ رابیل کے بدن سے جیسے جان ہی نکل گئی تھی، وہ بہت بری طرح وارڈ روب کے پٹ سے ٹکرا کے پکے ہوئے پھل کی طرح نیچے گری تھی۔ وہ شناختی کارڈ اور پاسپورٹ عیسیٰ علوی ولد موسیٰ علوی کے تھے جو حال ہی میں بنوائے گئے تھے، جن پر درج تاریخ کے مطابق عیسیٰ کی عمر تقریباً 33 سال تھی۔ اور تصویر بھی وہی چسپاں تھی جو وہ البم میں دیکھ چکی تھی، یعنی جسے وہ عیسیٰ کا بیٹا سمجھ رہی تھی وہ دراصل خود عیسیٰ تھا اور وہ داڑھی والے بزرگ عیسیٰ کے والد موسیٰ علوی تھے، اور وہ لڑکی جس کی شادی کی تصاویر تھیں عیسیٰ کی بہن عظمیٰ تھی، اور والدہ عاصمہ تھیں۔

"عیسیٰ، نے مجھے اتنا بڑا دھوکا کیوں دیا؟ یہ بہروپ کیوں بدلا؟ یہ ڈرامہ کیوں کیا؟" رابیل کے دل میں، دماغ میں بس یہی ایک سوال بار بار چیخ رہا تھا، وہ اتنی بے دم ہو رہی تھی کہ رونے کی بھی ہمت نہیں تھی اس میں، وہ کتنی دیر تلک وہیں گم صم بیٹھی رہی۔

"رابیل! تمہارے سوال کا جواب شاید اسٹڈی میں ہی موجود ہو، جہاں سے تمہیں البم ملا تھا وہیں دوبارہ جا کر دیکھو شاید کوئی چیز ہاتھ آجائے"۔ رابیل کے دماغ میں بجلی کی سی تیزی سے یک دم یہ خیال آیا تو وہ اپنی تمام تر ہمت جمع کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وارڈ روب بند کر کے کمرے سے باہر نکلی تو اسے یہ گھر اپنا آپ بہت اجنبی سا لگا۔

"رابی بیٹی! کھانا لگا دوں؟" انا بی نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"نہیں"۔ وہ آہستہ سے جواب دیتی مرے مرے قدم اٹھاتی اسٹڈی میں آگئی اور کرسی پر گر سی گئی۔ دراز کھول کر البم نکالا دوبارہ ایک ایک تصویر دیکھی شناختی کارڈ اور پاسپورٹ پر لگی تصویروں کو البم میں لگی عیسیٰ کی تصویروں سے میچ

کیا، وہ عیسٰی ہی تھا، البم واپس رکھ کر اس نے تمام درازوں کو کھولا ٹٹولا، بالآخر ایک سیاہ رنگ کی ڈائری اس کے ہاتھ لگ گئی، رابیل نے تیزی سے ڈائری کھولی اور صفحات پلٹتے تو ڈائری کا لکھا ہوا آخری صفحہ اس کے سامنے تھا، لکھا تھا۔

"آج رابیل نے مجھ سے دور جانے کی بات کی، وہ مجھ سے طلاق مانگ رہی تھی، مجھے اس پل یوں لگا جیسے کوئی میری سانسیں بند کر رہا ہو، جیسے میری زندگی مجھ سے چھین رہا ہو، میں کیسے بتاؤں اسے کہ میں اسے کتنا چاہتا ہوں؟ وہ چلی گئی تو میں نہیں جی پاؤں گا رابیل کے بغیر۔ میں اسے سب سچ بتا دوں گا، بہت جلد، یقیناً وہ مجھے معاف کر دے گی"۔

"عیسٰی! اگر مجھ سے پیار تھا تو اعتبار کیوں نہیں کیا میرا؟" وہ با آواز اس سے مخاطب تھی، پھر روتے ہوئے مزید صفحے پیچھے کی طرف پلٹتے تھے۔ کچھ اور انکشاف ہو رہے تھے اس پر۔

"غلطی ہو گئی تھی مجھ سے، ہاں ماہا کو سمجھنے میں غلطی ہو گئی تھی، سب نے مجھے سمجھایا، مما نے، پاپا نے عظمٰی نے سبھی نے سمجھایا کہ ماہا ایک آزاد خیال لڑکی ہے، وہ گھر بسانے والی لڑکی نہیں ہے، اسے صرف میری دولت سے محبت ہے صرف دولت سے لیکن میں ہی نہیں سمجھا، مجھ پر تو اس وقت اس کے عشق کا بھوت سوار تھا، میں نے سب کی مخالفت کے باوجود ماہا سے شادی کر لی اور تین ماہ میں ہی مجھے اس نے اپنے رویئے اور عمل سے اتنا بدظن کر دیا کہ میں نے اسے طلاق دے دی۔ وہ میری دولت ہتھیانے کے چکر میں تھی، اس کی دوستی سرکل کے کئی مردوں کے ساتھ تھی، اور میں جو چاہتا تھا کہ میری بیوی صرف میری ہو کر رہے، میرے بارے میں سوچے، میرا خیال رکھے، میرے چھوٹے چھوٹے کام اپنے ہاتھوں سے کرے، شام کو جب میں آفس سے گھر لوٹوں تو وہ صرف میرے لئے بجی سنوری ہو اور مسکراتے ہوئے میرے استقبال کے لئے کھڑی ہو، کتنا خوش فہم تھا میں، ایسا کچھ بھی نہیں ہوا کیونکہ ماہا اپنی خوشی، اپنی مرضی، اپنا خیال رکھنے کی عادی تھی۔ میں صبح آفس جاتا تو وہ سو رہی ہوتی اور جب شام کو گھر لوٹتا تو وہ اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں باہر انجوائے کر رہی ہوتی، رات کو بہت دیر سے گھر آنا مجھ سے جھگڑنا، میرے خیالات و مطالبات کو دقیانوسی کہہ کر میرا مذاق اڑانا اس کا معمول بن چکا تھا، گھر والے الگ میری اور ماہا کی تو تو، میں میں، سے تنگ آ چکے تھے، مما نے ماہا کو سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے مما کے ساتھ بھی بدتمیزی کی، میں بہت ضبط اور برداشت سے کام لے رہا تھا آخر کار میرا ضبط اس وقت جواب دے گیا جب ماہا نے اپنا ابارشن کروا لیا، مجھ سے پوچھے بغیر میرے علم میں لائے بغیر اس نے اتنا بڑا قدم اٹھایا، میرے بچے کا خون کر دیا تھا، میرے ارمانوں کا خون کر دیا تھا، بس پھر فیصلہ کرنے میں ایک لمحہ لگا تھا، ہاں بس ایک لمحہ وہ رشتہ جسے نبھانے کی میں ہر ممکن کوشش کر رہا تھا اسے توڑنے میں ایک لمحہ لگا اور میں نے ماہا کو طلاق دے دی۔ وہ بہت خوش تھی کیونکہ اسے نہ صرف آزادی مل گئی تھی بلکہ حق مہر کے پچیس لاکھ روپے بھی مل گئے تھے، گھر میں ایک سناٹا چھا گیا تھا، اس بھیانک تجربے کے بعد مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا، پھر ثناشہ میری زندگی میں آئی، وہ مما کی دوست کی بیٹی تھی اور مما بھی چاہتی تھیں کہ میں اس سے شادی کر لوں۔ وہ میرے زخموں کا مرہم بن کر آئی تھی۔ مجھے تو ایسا ہی لگا تھا، لیکن بہت جلد اس کی اصلیت بھی میرے سامنے آ گئی۔ میں نے اسے اس کے بوائے فرینڈ کے ساتھ شاپنگ مال میں دیکھ لیا، اور جب ان دونوں کے بارے میں معلومات کروائیں تو پتا چلا کہ ان کا افیئر دو سال سے چل رہا ہے اور ثناشہ کا بوائے فرینڈ سرمد چونکہ امیر نہیں تھا۔ صرف ایک گورنمنٹ جاب تھی اس کی اسی لئے اس کے ماں باپ ثناشہ کی شادی اس سے نہیں کرنا چاہتے تھے، اور ثناشہ مجھ سے شادی کر کے میری پراپرٹی اپنے نام کروا کے دوبارہ سرمد کے پاس جانے کی پلاننگ کر رہی تھی۔ تب میں بری طرح ٹوٹ گیا، میرا اعتبار اٹھ گیا عورت ذات پر سے، محبت سے بدظن ہو گیا ہوں میں،

کوئی کسی سے بنا غرض اور بنا لالچ کے محبت نہیں کرتا، میں نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے، مما، پاپا میری کیفیت سمجھ رہے ہیں مگر وہ مجھے یوں تنہا، اکیلا اور افسردہ نہیں دیکھ سکتے۔ ان کی خواہش ہے میں کسی اچھی سی لڑکی سے شادی کر کے اپنا گھر بسالوں، "اچھی سی لڑکی" تو شاید میرے نصیب میں ہی نہیں ہے، ہر لڑکی لالچی ہے، مطلبی ہے، اس لئے اب یہ ٹاپک میں نے ختم کردیا اور اپنی پوری توجہ اپنے بزنس پر مرکوز کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"اوہ، تو سات سال پہلے عیسیٰ نے شادی کی تھی، بہت برا ہوا ان کے ساتھ۔" رابیل نے طویل سانس لبوں سے خارج کرتے ہوئے کہا اور کئی صفحے پلٹ دیئے۔ تاریخ اور سن ہر صفحے پر درج تھی۔

"آج مما، پاپا کینیڈا شفٹ ہو گئے ہیں، وہ مجھ سے ناراض ہو کر گئے ہیں کیونکہ میں نے لاکھ ان کے سمجھانے کے باوجود ان کے اصرار کے باوجود شادی کرنے سے انکار کردیا ہے، کینیڈا میں پاپا اپنا بزنس آفس بھی دیکھ لیا کریں گے، عظمیٰ کا سسرال بھی وہیں ہے وہ سب تو ایک دوسرے سے ہر روز ملا کریں گے اور میں...... تو اپنے آپ سے نظریں نہیں ملا پاتا۔ کتنے غلط فیصلے کرتا رہا میں، ماہا اور ستاشہ نے میرا اعتبار مجھ سے چھین لیا، میرے ماں باپ کو مجھ سے دور کردیا ہے آج مما، پاپا کی ناراضی مجھے مسل رہی ہے میں تو ان کا بہت لاڈلا اور فرمانبردار بیٹا تھا لیکن اب میں ایک خود غرض بیٹا ہوں، ان کا بھی کوئی قصور نہیں ہے وہ اپنی خواہش کے اظہار میں حق بجانب ہیں کیونکہ میں ان کا اکلوتا بیٹا ہوں اور وہ اپنے بیٹے کی اولاد سے اپنے خاندان کو آگے بڑھتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ خواہش تو ہر ماں باپ کی ہوتی ہے، مگر میں ان کی یہ خواہش کیسے پوری کروں؟ میں کیسے اب کسی لڑکی پر اعتبار کر پاؤں گا؟ کیسے کسی لڑکی سے محبت کرسکوں گا؟ اور مما، پاپا تو صاف کہہ گئے ہیں کہ جب تک میں ان کے لئے ایک خوبصورت اور نیک سیرت بہو گھر میں نہیں لے آتا وہ پاکستان واپس نہیں آئیں گے، بہت بڑی آزمائش میں ڈال گئے ہیں وہ مجھے، میرے اللہ! مجھ پر رحم کر، مجھے صحیح راستہ دکھا، میں کیا کروں؟" رابیل نے دو، تین صفحے ایک ساتھ پلٹے اور پڑھنے لگی۔

"میں بہت تھکنے لگا ہوں اس تنہائی سے، یہ گھر جو کبھی مما، پاپا کی عظمیٰ کی آوازوں سے ہنسی سے گونجتا تھا اب یہاں خاموشی کا راج ہے۔ میرا دل درد سے بھر گیا ہے، برا بھی میرے ساتھ ہوا اور سزا بھی مجھی کو مل رہی ہے۔ دل چاہ رہا ہے کہ پھوٹ پھوٹ کر روؤں اپنی بے بسی پر، میرے آنسو دیکھنے والا یہاں کوئی نہیں ہے، مما کا جب بھی فون آتا ہے وہ یہ سوال ضرور پوچھتی ہیں کہ "میری بہو ملی کہ نہیں" کہاں سے لاؤں ان کے لئے ایسی بہو جو ان کے لئے نیک نیت اور نیک سیرت بھی ہو اور میرے لئے قابل بھروسہ اور قابل محبت بھی ہو؟"

"کیا میرے نصیب میں ہمیشہ تنہا رہنا ہی لکھا ہے؟"

"کیا مجھے کوئی ایسی لڑکی نہیں ملے گی جو مجھے دل سے چاہے گی صرف مجھے، میری دولت کو نہیں؟"

"میں اندر سے بہت ٹوٹ چکا ہوں، کوئی نیا تجربہ کرنے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔

"کہاں سے لاؤں مخلص جیون ساتھی؟"

"میرا اعتبار کیسے بحال ہوگا؟ ڈرتا ہوں کہیں پھر سے دھوکا نہ کھا جاؤں۔ کبھی کسی کا اعتبار نہیں کرسکوں گا اور کسی کے سامنے سر نہیں اٹھا سکوں گا"۔

"عیسیٰ! میں نے تو آپ کو آپ کے بڑھاپے کے ساتھ قبول کرلیا تھا پھر آپ نے مجھے کیوں دھوکا دیا؟ مجھے تو بتا دیتے" ۔ رابیل نے روتے ہوئے خود کلامی کی اور ایک اور صفحہ پلٹا۔

"میں اپنی زندگی میں بہت بڑا رسک لینے جارہا ہوں، یا تو میں ایک مخلص جیون ساتھی پانے میں کامیاب ہو جاؤں گا یا اپنا سب کچھ ہار جاؤں گا، میں نے پھر سے شادی کا فیصلہ کیا ہے۔ اس بار میں کسی غریب لڑکی سے یا کسی

متوسط گھرانے کی لڑکی سے شادی کروں گا۔ میری اور پاپا کی شکل بہت ملتی ہے، اس مشابہت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں پاپا جیسا روپ دھاروں گا، اصلی داڑھی رکھ رہا ہوں، بالوں کو ڈائی کروا کر کچھ گرے کروالئے ہیں۔ زیرو نمبر کا چشمہ خرید لیا ہے، اس طرح میرا گیٹ اپ بالکل رئیل دکھائی دے گا، انابی اور غفور وغیرہ میرے اس پلان سے آگاہ ہیں، میں ایک ساٹھ برس کے بوڑھے شخص کا گیٹ اپ کرکے سچ مچ بوڑھا لگ رہا ہوں۔ میرا آفس اسٹاف مجھے پہچان نہیں سکا وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ پاپا آئے ہیں، میں نے اخبار میں ضرورت رشتہ کا اشتہار بھی دے دیا ہے، کل کے اخبار میں وہ اشتہار چھپ جائے گا، دیکھنا یہ ہے کہ ایک ساٹھ سالہ کروڑپتی آدمی کے لئے کون رشتہ لے کر آتا ہے؟ مجھے ایک سادہ مزاج اور نیک سیرت لڑکی کا انتخاب کرنا ہے، اللہ کرے کہ اس بار میں کامیاب ہو جاؤں، میں جانتا ہوں سب مجھ سے میری دولت کے لالچ میں رابطہ کریں گے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ دولت کے لالچ سے ہٹ کر بھی کوئی ایسا انسان ہے جو مجھ سے رابطہ کرے گا۔ کوئی لڑکی ایسی بھی تو ہوگی جسے مجھ سے کوئی لالچ نہ ہو، اگر ایسی لڑکی مجھے مل گئی تو اس کی فیملی کو میں خود مالی مدد دوں گا، بس کوئی اچھی اور مخلص لڑکی مجھے مل جائے، اگر ایسا ہو گیا تو میری لائف بن جائے گی۔ مما، پاپا واپس گھر آجائیں گے اور مجھے اس تنہائی اور کرب سے نجات مل جائے گی"۔ رابیل نے اگلا صفحہ پلٹا۔

"آج ضرورت رشتہ کا اشتہار چھپ گیا ہے۔ اور اب تک بے شمار فون آچکے ہیں لیکن ایک صاحب نے مجھے چونکا دیا، شفیق حسین نام ہے ان کا ان کی چھ بیٹیاں ہیں، سب کے نام بتا رہے تھے۔ جس لڑکی کے رشتے کے لئے انہوں نے مجھے فون کیا تھا اس کا نام "رابیل" ہے، بہت خوبصورت نام ہے، مجھے پسند ہے یہ نام ہمیشہ سے میں نے انہیں گھر آنے کے لئے کہا ہے"۔ رابیل نے جلدی سے صفحہ پلٹ دیا۔

"رابیل نے مجھ سے میرے گھر آکر ملنے سے صاف انکار کر دیا ہے، آج اس کے والد کا فون آیا تھا وہ فون آف کرنا بھول گئے تھے اور میں نے ان کی ساری گفتگو سن لی۔ رابیل مجھ سے کسی ہوٹل میں، آفس میں کہیں نہیں ملنا چاہتی اس کا کہنا ہے کہ مطلب مجھے ان سے ہے لہٰذا مجھے شریفانہ طریقے سے ان کے گھر رشتہ لے کر آنا چاہئے۔ مجھے اس کے خیالات اچھے لگے، میں اس سے ملنا چاہتا ہوں کیا خبر رابیل ہی وہ گوہر نایاب ہو جس کی مجھے تلاش ہے"۔ رابیل نے جستجو سے اگلا صفحہ پلٹا۔

"آج میں رابیل کے اسکول گیا تھا اس سے ملاقات کے لئے، اسے خود اندازہ نہیں تھا کہ میں اس سے ملنے اس کے اسکول بھی آسکتا ہوں، وہ مجھے بہت مختلف لڑکی لگی۔ باوجود اس کے کہ اس کے والد نے خود مجھ سے رابطہ کیا تھا۔ رابیل کا انداز گفتگو اور اعتماد بلا کا تھا، وہ میک اپ اور جیولری کی آرائش و زیبائش سے پاک، سادگی میں بھی غضب کی حسین لگ رہی تھی، بلاشبہ رابیل بہت حسین و جمیل لڑکی ہے، والدین پر چھ بیٹیوں کی شادی کی ذمہ داری ہے اسی لئے انہوں نے مجھ سے رابطہ کیا ہے تاکہ ایک بیٹی کا بوجھ تو کم ہو سکے۔ اور یقیناً انہیں مجھ سے توقع ہوگی کہ میں انہیں سپورٹ کروں، جو کہ میں کروں گا، کیونکہ میں نے رابیل سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے"۔ رابیل کو شرمندگی کے احساس نے گھیر لیا تھا۔ عیسیٰ کو بھی اس کے والدین کی غرض اور لالچ کی سمجھ آگئی تھی اور کیسے نہ آتی، ان سے تو مجبور اور ضرورت مند والدین نے ہی شادی کے لئے بات کی تھی سب اپنی بیٹی کا رشتہ ان سے کر کے اپنے حالات سدھارنے کے چکر میں تھے۔ رابیل آگے پڑھنے لگی۔ اس کی اور عیسیٰ کی شادی کی تاریخ لکھی تھی اوپر۔

"آج میں رابیل کو بیاہ لایا ہوں، دلہن کے روپ میں وہ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق دکھائی دے رہی تھی، بے حد حسین، بے حد دلکش اور دلنشین، اس نے جس طرح مجھے میری ساٹھ سالہ عمر کے ساتھ قبول کیا، وہ جس انداز سے

مجھ سے پیش آئی وہ میری حیرت کا ہی نہیں خوشی کا باعث بھی تھا، دل کہتا ہے کہ اس بار میرا انتخاب درست ہے، مگر دماغ کہتا ہے کہ صبر سے کام لو جلد بازی کرنے کی ضرورت نہیں ہے کچھ دن اسے آزما تو لو۔ رابیل مجھے ہر پل اپنی محبت اور خدمت سے جیتنے کے جتن کرتی رہتی ہے اور میں بعض اوقات جان بوجھ کر اسے کوئی سخت بات کہہ دیتا ہوں، طنز کر دیتا ہوں اس پر مگر وہ خوشدلی سے سہہ جاتی ہے، اس کے خلوص پر یقین کرنے لگتا ہوں تو گزشتہ تجربات کی تلخی مجھ پر غالب آنے لگتی ہے اور اس معصوم لڑکی کو ہرٹ کر بیٹھتا ہوں۔ اس پر اس کے خلوص پر شک کرنے لگتا ہوں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں رابیل سے پیار کرنے لگا ہوں، اور یہ ایسا احساس ہے کہ جس نے مجھے برسوں بعد بہت انوکھی خوشی بخشی ہے۔

"رابیل کو اولاد کی خواہش ہے، مجھے بھی ہے مگر میں اس ڈرامے کو ختم کرنے کے بعد اپنی فیملی پلان کرنا چاہتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ رابیل ساری حقیقت جاننے کے بعد مجھے معاف کر دے گی۔ وہ بہت لونگ، کیئرنگ اور حساس لڑکی ہے، بے حد مخلص اور با اخلاق، میں بہت مطمئن اور خوش ہوں کہ اس بار میرا انتخاب درست نکلا، میں مما، پاپا کو جلد پاکستان بلالوں گا وہ بہت خوش ہوں گے رابیل سے مل کر انشاء اللہ تعالیٰ"۔

"آج پھر رابیل نے مجھے اپنا کڈنی ڈونیٹ کرنے کی بات کی ہے، اور میں دل ہی دل میں شرمندہ سا ہو کر رہ گیا ہوں اس کی بے پناہ محبتوں نے مجھے احساس جرم اور احساس ندامت میں مبتلا کر دیا ہے، جب میں نے رابیل سے کہا کہ تم میرے لئے اپنی زندگی داؤ پر کیوں لگانا چاہتی ہو، میں نے جتنا جینا تھا جی لیا، تم صبح کی پہلی کرن ہو اور میں، چراغ آخر شب ہوں۔ تو اس نے تڑپ کے مجھے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ابھرتے آنسوؤں میں میرا دل ڈوب ڈوب گیا۔ وہ کہنے لگی"۔

"میری زندگی کی صبح اور شب آپ کو دیکھ کر ہوتی ہے، مجھے وہ صبح نہیں چاہئے جس میں آپ کا ساتھ میرے ساتھ نہ ہو"۔

"کیا میں واقعی اتنا خوش نصیب ہوں کہ رابیل جیسی حسین لڑکی مجھے اتنی شدتوں سے چاہے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اسے کیسے بتاؤں گا کہ مجھے کوئی مرض لاحق نہیں ہے۔ یہ بھی جھوٹ تھا میری عمر کی طرح، رابیل پلیز مجھے معاف کر دینا یہ سب میں نے مجبوراً کیا ہے"۔

"او مائی گاڈ! ایک اور جھوٹ وہ بھی اتنا سنگین جھوٹ...... عیسیٰ، آپ نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ، یہ کون سا طریقہ تھا میرے خلوص کو پرکھنے کا"۔ رابیل نے حیرت اور دکھ سے روتے ہوئے کہا اور پھر سے ڈائری پڑھنے لگی۔

"آج میں رابیل کے لئے گولڈ کے چار بہت خوبصورت اور مہنگے جیولری سیٹ خرید کر لایا ہوں، جو رابیل کو پسند تو بہت آئے لیکن ساتھ ہی اس نے کہہ دیا"۔

"مجھے زیورات پہننے کا، یا جمع کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے پلیز آئندہ ان چیزوں پر پیسے ضائع مت کیجئے گا"۔

"کمال ہے عورتیں تو زیور پر مرتی ہیں"۔ میں نے کہا تھا۔

"لیکن میں تو آپ پر مرتی ہوں، میرے لئے یہ سونے، چاندی کی جھنکار اہم نہیں ہے آپ کا پیار اور اعتبار اہم ہے، ویسے بھی رشتے سونے، چاندی سے نہیں، سونے جیسے سچے اور سچے جذبوں سے پروان چڑھتے ہیں میاں جی"۔ رابیل کے اس جواب نے جہاں مجھے شرمندہ کر دیا اپنے جھوٹ کے سبب، وہیں مجھے خود پر ناز بھی ہونے لگا کہ میری بیوی مجھے دل سے چاہتی ہے۔"

"اوہ تو یہ ہیں آپ مسٹر عیسیٰ علوی"۔ رابیل نے ڈائری بند کر دی کیونکہ اسے اپنا دل بند ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

اس کا اعتبار اس کی ذات کا وقار جو اس سارے کھیل میں مجروح ہوا تھا اس کا حساب کون دے گا۔ اس نے ڈائری اسی جگہ پر رکھ دی جہاں سے اٹھائی تھی اور اسٹڈی سے باہر نکل آئی، انابی نے اس کی حالت دیکھی تو پریشان ہو گئیں۔ اس سے دوبارہ کھانے کا پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلاتی اپنے بیڈروم میں چلی آئی۔ شام کے سائے پھیل چکے تھے، جس دن کے آغاز پر وہ مسکرا رہی تھی، اس دن کے اختتام پر وہ اشک بہا رہی تھی، اس نے اپنا سیل فون اٹھا کر چیک کیا، عیسیٰ کی تین مسڈ کالز تھیں، سیل واپس رکھ دیا۔ اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ جسم سے تو جیسے ایک دم سے جان ہی نکل گئی تھی۔ تھکن پورے بدن پر طاری تھی وہ دیوار کے ساتھ کھڑی تھی وہیں تھک کر بیٹھ گئی۔

''مجھے کبھی کوئی اس طرح سے بے اعتبار کرے گا، میرا امتحان لے گا، مجھے آزمائے گا، ایسا تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا میں نے، کیا عیسیٰ کو یہ خیال نہیں آیا کہ حقیقت جاننے پر میرا دل کس طرح ٹوٹے گا، میرا اعتبار کیسے تار تار ہو گا؟ جو درد وہ خود جھیل چکے تھے، وہی درد انہوں نے اتنی آسانی سے مجھے دے دیا، انہیں ذرا سا بھی احساس نہیں ہوا کہ ان کے اس عمل سے میرا اعتبار بھی تو جاتا رہے گا، میرا دل بھی تو دکھ سے بھر جائے گا۔ اتنا بے وقعت کر دیا ہے انہوں نے مجھے، میری ہی نظروں میں''۔ وہ عیسیٰ کا شناختی کارڈ اور پاسپورٹ ہاتھ میں لئے سوچوں کے بھنور میں گم اشکبار تھی، اس کا دل دکھ سے بھرا ہوا تھا، اور یہ بات اسے اور زیادہ رلا رہی تھی کہ گھر کے ملازمین بھی عیسیٰ کے ساتھ اس کھیل میں شامل تھے، اسے ان سب نے مل کر اتنا بڑا دھوکا دیا تھا، بے وقوف بنایا تھا، بے وقعت کر دیا تھا، اتنا ارزاں اور بے حیثیت سمجھا تھا کہ اسے اپنی آزمائش کی بھٹی میں جلا ڈالا، رابیل کا روم روم اس ذلت اور بے اعتباری کی آگ میں جھلس گیا تھا، وہ اپنے بے وقوف بنائے جانے پر اپنے آپ کو کوسنے کے قابل بھی نہیں رہی تھی اس وقت۔

☆......☆......☆

عیسیٰ بہت فکرمندی سے گھر میں داخل ہوا تھا، اس کے ہاتھوں میں سرخ گلابوں کا بکے بھی تھا جو اس نے رابیل کے لئے خریدا تھا۔ انابی نے اسے فون کر کے بتایا تھا کہ رابیل کی طبیعت انہیں ٹھیک نہیں لگ رہی، اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا اور یہ کہ وہ بس اپنے کمرے میں بند ہے، عیسیٰ کو بھی فکر لاحق ہوئی کیونکہ اس نے کئی بار اسے کال کی تھی لیکن رابیل نے اس کی کال اٹینڈ نہیں کی تھی، عیسیٰ اس بات سے بے خبر تھا کہ وہ ساری حقیقت جان چکی ہے اور اس وقت کس کرب اور اذیت سے گزر رہی ہے، اور اس سے بے حد خفا ہے۔

''رابیل!'' عیسیٰ نے بیڈروم میں قدم رکھا تو کمرے میں اندھیرا دیکھ کر وہ گھبرا گیا، جلدی سے لائٹ آن کی، رابیل کی تلاش میں تیزی سے نظریں دوڑائیں تو اسے دیوار سے ٹیک لگائے، بے سدھ بیٹھے دیکھ کر اس کا دل ایک لمحے کو رک سا گیا۔ بکے بیڈ پر پھینکتا وہ بڑی سرعت سے اس تک پہنچا تھا، وہ شاید روتے روتے سو گئی تھی، اس کی گردن دائیں جانب ڈھلکی ہوئی تھی، اس کی یہ حالت عیسیٰ کی جان نکلنے کو کافی تھی۔

''رابیل، رابی، پلیز ویک اپ بے بی''۔ عیسیٰ نے اس کے چہرے کو ہاتھوں میں سمو کر بے قرار و اضطراری کیفیت میں گھبرا کر اسے مخاطب کیا۔ رابیل نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھول دیں، عیسیٰ کا چہرہ اس کی نگاہوں کے عین سامنے تھا، نقلی چہرہ، بہروپ بھرا چہرہ، جھوٹا چہرہ، اس کی آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں، سرخ، سوجھی ہوئی آنکھوں سے پھر اشک بہہ نکلے۔

''رابیل! کیا ہوا ہے؟ یہ تم نے اپنی کیا حالت بنالی ہے چند گھنٹوں میں، تمہارے میکے میں تو سب خیریت ہے نا؟'' عیسیٰ نے بے چینی بے قراری سے پوچھا تو رابیل نے درد سے بلبلاتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ جھٹک

دیئے۔
"مت چھوئیں مجھے، مرگئی ہے رابیل"۔
"رابیل......" عیسیٰ تڑپ اٹھا۔
"کتنی بڑی بے وقوف ہوں نا میں، بدھو، کم عقل ہوں میں، میں، یہ بھول ہی گئی تھی کہ ایک خریدی ہوئی چیز ہوں میں، اور خریدے ہوئے مال کہ ساتھ جو چاہے سلوک کرو، مگر، مجھے اتنا دکھ کیوں ہو رہا ہے، شاید اس لئے کہ میں کوئی چیز نہیں ہوں، انسان ہوں، جسے جب چوٹ لگتی ہے تو تکلیف بھی ہوتی ہے"۔ وہ روتے ہوئے بولتی عیسیٰ کا دل ہولا رہی تھی، وہ تڑپتے ہوئے بولا۔
"رابیل! تم زندگی ہو میری، تم نے تو مجھے جینا سکھایا ہے۔ تم خریدی ہوئی چیز کیوں سمجھتی ہو خود کو، پلیز ایسا کہہ کر مجھے گناہگار مت کرو، میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا، مجھے بتاؤ کس نے چوٹ پہنچائی ہے تمہیں؟ کس نے تکلیف دی ہے تمہیں؟"
"آپ نے"۔ رابیل نے بھیگتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔
"میں نے"۔ عیسیٰ کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔
"جی آپ نے، سزا دیں گے خود کو؟"
"کیا جرم ہے میرا؟" عیسیٰ نے مری مری آواز میں پوچھا تو رابیل نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے کھول دیا، جس میں عیسیٰ کا شناختی کارڈ اور پاسپورٹ اس کی تکلیف اور چوٹ کا سبب ظاہر کر رہا تھا۔
"اوہ شٹ......" عیسیٰ گھبرا گیا، اس نے بے بسی سے اپنا ہاتھ دیوار پر مارا، اور وہ دونوں چیزیں اس سے لے لیں۔
"کسی کا دل اور اعتبار توڑنے کی کیا سزا ہوتی ہے مسٹر عیسیٰ علوی"۔
"پلیز رابیل! مجھے ایک دم سے یوں برا مت کرو، میں نے ایک مخلص جیون ساتھی کے لئے ایسا کیا، میرا اعتبار ٹوٹ گیا تھا اور"۔
"اور آپ نے میرا اعتبار توڑ دیا، مجھے توڑ دیا"۔ وہ روتے ہوئے بولی۔
"پلیز، مجھے معاف کردو، میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گا"۔
"مجھے کچھ نہیں سننا اب پلیز جائیے یہاں سے، مجھے تنہا چھوڑ دیں"۔ وہ دکھ اور غصے سے چیخ کر بولی۔
"رابیل! ٹرسٹ می، میں آج رات تمہیں ساری سچائی بتانے والا تھا، میں نے سوچا تھا کہ ہم ڈنر کے بعد گھر آئیں گے تو آج میں اس ڈرامے کا اینڈ کردوں گا"۔
"اینڈ تو کردیا آپ نے، ہو گیا اینڈ آپ کے اس ڈرامے کا"۔ رابیل اپنے آنسو آستینوں سے صاف کرتی اپنی ہمت جمع کرتی ہوئی کھڑی ہونے لگی تو لڑکھڑا گئی، عیسیٰ نے فوراً اسے سنبھال لیا، مگر اس نے اس کے ہاتھ پھر سے جھٹک دیئے۔
"رابیل! کہاں جا رہی ہو؟ پلیز تم ریسٹ کرو میں تمہیں ہر بات بتا دوں گا"۔ وہ بے قراری سے اس کے سامنے آیا۔
"جو انسان خود کسی دکھ اور اذیت سے گزرا ہو وہ وہی دکھ اور اذیت کسی دوسرے انسان کو کیسے دے سکتا ہے، میں نے تو کچھ نہیں مانگا تھا آپ سے، سوائے، آپ کے پیار اور اعتبار کے، اور آپ نے"۔ وہ روتے ہوئے بولتے بولتے سسکنے لگی بات مکمل نہ کرسکی۔

”شاید زندگی اور لوگوں کو سمجھنے کی بہت غلط اپروچ ہے میری، ہمیشہ غلطیاں ہی کی ہیں میں نے، پہلے غلط انسان پر اپنے جذبے لٹا دیئے، محبت اور اعتبار کر لیا۔ اس نے ایسا بے اعتبار کر دیا کہ جب صحیح انسان میری زندگی میں آ گیا تو میں اعتبار کرنا چھوڑ چکا تھا، ہمیشہ مجھ سے ہی غلطی ہوتی ہے اس بار بھی میں ہی قصوروار ہوں۔ میں ہی غلط ہوں، مجھے جو چاہو سزا دے دو لیکن مجھے چھوڑ کر مت جانا پلیز رابیل، میری غلطی کی اتنی بڑی سزا مت دینا مجھے“۔ عیسیٰ نے پرنم آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے دلگیر اور کربناک لہجے میں کہا تو رابیل کو اس پر ترس آنے لگا، وہ ساری حقیقت جان تو چکی تھی، مگر اپنے دل کا کیا کرتی جو دکھ سے دوچار تھا، اپنی ذات کی بے اعتباری کے دکھ سے وہ بنا کچھ کہے دروازے کی جانب بڑھنے لگی تھی کہ عیسیٰ نے بے چینی سے اس کا راستہ روکا۔

”مت جاؤ رابیل! یاد ہے تم نے کہا تھا کہ مجھے جیتے جی تو نہیں چھوڑو گی“۔ عیسیٰ نے اس کی بات یاد دلائی۔

”مر کے تو چھوڑ سکتی ہوں نا“۔

”رابیل! نہیں“۔ عیسیٰ کی روح تک کانپ کر رہ گئی۔

”رابیل! تم کس حق سے عیسیٰ کو الزام دے رہی ہو تم تو ان کے احسانات تلے دبی ہوئی ہو، تمہاری فیملی پر ان کے لاکھوں روپے کے احسانات ہیں، اگر انہوں نے ایک جھوٹ بول دیا ہے تم سے محض ایک مخلص ساتھی کے لئے تو کون سا بڑا گناہ کیا ہے، تمہارے ماں باپ نے بھی تو لالچ میں، اپنی ضرورت کے تحت ہی عیسیٰ سے تمہاری شادی کی تھی نا، پھر بھلے عیسیٰ تم سے محبت کرتے یا نفرت، تمہارے ساتھ جیسا بھی سلوک روا رکھتے تمہیں ہنسی خوشی سہنا تھا، قربانی کا مطلب تو یہی تھا نا۔ جب اپنوں کے لئے قربانی دے دی تو شکوے، گلے کی گنجائش کہاں سے نکل آئی۔ تمہیں تو عیسیٰ کو جو ہے جیسا ہے کی بنیاد پر قبول کرنا تھا نا اور تم نے کیا بھی، تو اب اگر وہ بوڑھے نہیں ہیں، جوان ہیں تو یہ تو تمہارے لئے بھی خوشی کی بات ہے اب تمہارے رشتے داروں کو تمہارے متعلق الٹی سیدھی باتیں بنانے کا موقع نہیں ملے گا“۔ رابیل کا دماغ اسے سمجھا رہا تھا، وہ سب سمجھ رہی تھی۔ لیکن اس لمحے دل کو کیسے سمجھاتی، اپنی آن، انا پر جو چوٹ پڑی تھی اسے کیسے بھلا پاتی، وہ شدید ذہنی و قلبی انتشار کا شکار تھی، اچانک سے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، سر چکرا گیا، اس نے خود کو گرنے سے بچانے کے لئے دیوار کا سہارا لینا چاہا مگر عیسیٰ جو اسی کو دیکھ رہا تھا، اس کی اس حالت پر فوراً بڑھ کر اسے سنبھالا تھا۔

”رابیل! تم ٹھیک تو ہونا“۔ وہ اس کے گالوں کو چھو رہا تھا، اسے لگا جیسے رابیل کو ہلکا سا بخار ہے۔

”آؤ ادھر لیٹ جاؤ، یہ کیا حالت بنالی ہے تم نے اپنی“۔ عیسیٰ نے پریشانی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور بیڈ پر بٹھا دیا۔ رابیل نے ناراض نظروں سے اسے دیکھا۔

”آئی نو، میری وجہ سے تمہاری یہ حالت ہوئی ہے اور اب ٹھیک بھی میں ہی کروں گا“۔ عیسیٰ نے اس کی آنکھوں میں لکھا شکوہ پڑھتے ہوئے اسے پانی پلاتے ہوئے کہا۔

”لیٹ جاؤ، میں انا بی سے کہتا ہوں وہ تمہارے لئے کھانا لے آئیں“۔ عیسیٰ نے اسے بیڈ پر لٹا دیا، اور کمبل اوڑھا دیا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے“۔ رابیل نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

”بھوک کیسے نہیں ہے؟ تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا“۔

”آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے“۔ وہ رکھائی سے بولی۔

”ضرورت ہے میری جان! کیونکہ تم میری بیوی ہو، میری زندگی ہو“۔ عیسیٰ نے بہت محبت سے اس کے بالوں

میں ہاتھ پھیرا۔

''بیوی اور زندگی کے ساتھ کوئی، ایسا کرتا ہے کیا؟''

''نہیں، تمہارا شکوہ اور ناراضی بجا ہے، میں نے اپنی غرض کے لئے یہ سب کیا، میں کڈنی پیشنٹ بھی نہیں ہوں۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا، اس لئے یہ معاملہ طویل ہو گیا اور جب دل و دماغ مکمل طور پر تمہارے پیار خلوص پر اعتبار کرنے لگے تو تمہیں سب معلوم ہو گیا میں خود تمہیں بتانا چاہتا تھا لیکن میں نے دیر کر دی مجھے ایسی لڑکی چاہئے تھی جو صرف میری ذات سے محبت کرتی، میں جیسا بھی تمہارے سامنے تھا تم نے مجھ سے محبت کی اور یہی میں چاہتا تھا۔ مگر اس چاہ میں، میں نے تمہارا دل دکھا دیا، کبھی کبھی کچھ صحیح کرنے کے لئے، کچھ غلط تو کرنا پڑتا ہے نا کچھ اچھا کرنے کے لئے کچھ برا بننا پڑتا ہے، آئی نو، میں بہت برا ہوں۔ مگر میں جیسا بھی ہوں صرف تمہارا ہوں، تم سے بہت پیار کرتا ہوں، مجھے چاہت تمہاری ہے صرف تمہاری چاہت ہے، تمہاری محبت پا کر تو میں پھر سے جی اٹھا ہوں، مجھ سے اپنی محبت اور چاہت، دور مت کرنا رابیل، آئی رئیلی لو یو'' عیسیٰ نے بے اختیار روتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر بھیگتے لہجے میں کہا اور اس کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا کر چھوڑ دیا، اور اپنی آنکھیں صاف کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

''عیسیٰ، لو یو ٹو''۔ رابیل پھر سے رو پڑی۔

''انابی! رابیل، ساری حقیقت جان گئی ہے''۔ عیسیٰ نے انابی کے کمرے میں آ کر بتایا تو وہ ہراساں سی ہو کر بولیں۔

''ہیں یہ کیسے ہوا؟''

''پتا نہیں کیسے میرا شناختی کارڈ اور پاسپورٹ آج اس کو مل گیا، اس نے رو رو کر اپنی حالت خراب کر لی ہے پلیز آپ اسے کھانا کھلا دیں، وہ کھا کر سوئے گی تو طبیعت بہتر ہوگی''۔

''کیا وہ ناراض ہے آپ سے؟''

''ظاہر ہے اتنا بڑا کھیل، کھیلا ہے ہم نے اس کے ساتھ اسے دکھ تو ہونا ہی تھا نا، میں نے اچھا نہیں کیا اس کے ساتھ اس کے خلوص کو آزمانے کے چکر میں اسے دکھی کر دیا۔ آپ پلیز اس کا خیال رکھیں، میں ایک گھنٹے تک آتا ہوں''۔ عیسیٰ کی پریشانی اور بے قراری اس کے چہرے پر رقم تھی۔

''بیٹا، کہاں جا رہے ہیں آپ؟'' انابی نے پوچھا۔

''اس گیٹ اپ سے نجات پانے''۔ عیسیٰ نے چشمہ اتار کر اپنی داڑھی کی طرف اشارہ کیا۔

''اب جبکہ رابیل کو میری حقیقت معلوم ہو چکی ہے تو اس سب کو ختم کر کے میں اپنے اصل روپ میں اس کے سامنے آنا چاہتا ہوں، اسے منانا چاہتا ہوں اب مزید ٹائم ویسٹ کرنے سے کیا حاصل؟''

''ہاں ٹھیک ہے۔ اللہ بہتر کرے گا آپ پریشان نہ ہوں''۔ انابی نے اسے تسلی دی۔ وہ گاڑی لے کر باہر نکل گیا۔

......☆......

رابیل نے اپنے گھر فون کیا۔ شمسہ بیگم کو عیسیٰ کے اصل روپ کے بارے میں بتایا تو وہ حیرت اور مسرت سے چیخ اٹھیں۔

''ہائے بچی...... یہ تو تم نے بہت بڑی خوشخبری دی ہے۔ یا اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے میری سب سے حسین اور پیاری بیٹی کا دولہا بھی اس کی طرح جوان اور خوبصورت ہے۔ بس مجھے تو یہی احساس بے چین کیے رکھتا تھا کہ ہم نے

اپنے مفاد کے لئے تمہیں ایک بوڑھے سے بیاہ دیا، لیکن سوہنا رب، کتنا مہربان ہے اس نے تم پر اپنا خاص کرم فرمایا ہے"۔

"جی امی!" وہ گہرا سانس لے کر بولی۔

"تم کیوں دکھی ہو رہی ہو؟"

"کیوں امی؟ کیا میں انسان نہیں ہوں؟ میرے سینے میں دل نہیں ہے کیا؟ مجھے دکھ نہیں ہوا یہ سب جان کر، ایک دم سے آپ کے شریک زندگی کا چہرہ بدل جائے اس کی اصلیت سامنے آ جائے تو کیا اتنا آسان ہوتا ہے اسے فوراً سے قبول کر لینا؟" رابیل نے بھڑک کر کہا۔

"میں تمہارا درد سمجھ رہی ہوں بیٹی، لیکن میری ایک بات یاد رکھنا، عیسیٰ بہت اچھا انسان ہے، اس ذرا سی بات پر انہیں چھوڑ کر مت آ جانا، ارے لڑکیاں تو ایسے اچھے رشتوں کے لئے ترستی ہیں، تمہیں اللہ نے قسمت سے ایسا اچھا شوہر دیا ہے تو اب اس کی قدر پہلے سے زیادہ کرنا"۔

"اور کچھ......" رابیل اس وقت چڑی ہوئی تھی بیزاری سے بولی۔

"بس اب زیادہ ملال کرنے یا دکھی ہونے کی ضرورت نہیں ہے، خوش رہو، اور کل اتوار ہے نا، تم دونوں ہماری طرف آ جاؤ، عیسیٰ کو ہم بھی تو دیکھیں کیسا ہے اصل میں؟"

"امی! فی الحال ہم نہیں آ رہے اور نہ ہی آپ کو یہاں آنے کی ضرورت ہے معاملات سیٹ ہو جائیں تب دیکھیں گے"۔

رابیل نے فوراً منع کر دیا۔ انہوں نے بھی اس کی دلی کیفیت کو سمجھتے ہوئے اصرار نہیں کیا اور فون بند کر دیا۔

.......☆.......

"رابی بیٹی! کھانا کھا لو"۔ انا بی ٹرے میں کھانا لئے اس کے سامنے موجود تھیں۔

"آپ بھی اس کھیل میں شامل تھیں ناں؟" رابیل نے انہیں خفگی سے دیکھا تھا، وہ ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اس کے پاس بیڈ کے کنارے پر ٹک گئیں۔

"ہاں لیکن بیٹی! ہمارا مقصد تمہیں دھوکا دینا یا نقصان پہنچانا ہرگز نہیں تھا، عیسیٰ بابا بہت دل والے ہیں، بہت نیک سیرت ہیں، وہ تو ہم نوکروں کا اتنا خیال رکھتے ہیں پھر بھلا اپنی بیوی کو کیسے دکھی کر سکتے ہیں، انہیں ماہا اور تاشہ جیسی لڑکیوں نے عورت ذات سے، بیوی کے رشتے سے بدظن کر دیا تھا، وہ تم سے بہت پیار کرتے ہیں، ڈرتے ہیں کہ کہیں تم انہیں چھوڑ کر نہ چلی جاؤ، بیٹی، عیسیٰ، سونے جیسا مرد ہے، اور ہیرے جیسا دل ہے عیسیٰ کا انہیں اس غلطی کے لئے معاف کر دو، میں تمہیں بتاتی ہوں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟"

"کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے انا بی! میں سب کچھ جان چکی ہوں"۔ رابیل نے فوراً ہی انہیں کچھ بھی بتانے سے روک دیا۔ وہ رو رو کر، دکھ، صدمے، حیرت اور غصے سے بے حال ہو کر تھک چکی تھی، اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا آنکھیں درد اور سوجن سے بند ہوئی جا رہی تھیں۔

"اگر سب کچھ جان گئی ہو تو مجھے یقین ہے کہ تم کوئی غلط فیصلہ نہیں کرو گی، اپنے ہاتھوں سے عیسیٰ کی موت کا پروانہ نہیں لکھو گی"۔ انا بی نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟" وہ تڑپ اٹھی عیسیٰ کی موت کے ذکر پر۔

"ہاں بیٹی! عیسیٰ کو میں نے پالا ہے، ان کی ماں سے زیادہ میں جانتی ہوں عیسیٰ بابا کو، وہ تمہاری محبت اور چاہت

پا کر اتنے خوش ہیں کہ اگر تمہاری محبت انہیں نہ ملی تو وہ جی نہیں پائیں گے۔ بہت چاہتے ہیں وہ تمہیں، اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہو تم انہیں"۔ انابی کے انکشافات رابیل کا دکھ کم کرنے کے لئے مددگار ثابت ہو رہے تھے، انابی واپس چلی گئیں تھیں، رابیل کی آنکھوں میں آنسو پھر سے امنڈ آئے تھے، اسے عیسیٰ کے آنسو بے چین کر رہے تھے، جو اسے اپنی دلی کیفیت بتانے اور اسے منانے کے جتن کرتے ہوئے بہہ نکلے تھے، عیسیٰ کے آنسو اس کی محبت کا ثبوت تھے، وہ اسے ناراض نہیں رکھنا چاہتا۔ اسے ہر قیمت پر منا لینا چاہتا تھا یہ تو وہ سمجھ گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اسے رلا کر خود بھی تو رویا تھا۔

"جو آپ کو رلا کر آپ کو منالے اس سے پیار کرنا چاہئے، اور جو آپ کو رلا کر خود بھی آنسو بہائے اس پر اعتبار کرو، کیونکہ جو آپ کو رلا کہ آپ کو منالے وہ آپ کا سچا دوست ہے، اور جو آپ کو رلا کر خود بھی آنسو بہائے وہ آپ کا سچا پیار ہے، سچا پیار کرنے والا ہے"۔ رابیل سوچوں کی یلغار سے تھک کر نیند کی وادی میں جا پہنچی۔ عیسیٰ گھر آیا تو رات کے دس بج رہے تھے، وہ آئینے کے سامنے کھڑا اپنا پرانا روپ دیکھ رہا تھا، کلین شیو چہرہ بنا چشمے کے ڈارک براؤن روشن آنکھیں، ڈارک براؤن بال جواب بہت اسٹائلش انداز میں سیٹ کروا کے آیا تھا وہ۔ بھرا بھرا کسرتی بدن، وہی دلکشی جس پر اس کی یونیورسٹی کی اور خاندان کی لڑکیاں مرتی تھیں، پھر سے وہ اسی دلکشی میں لوٹ آیا تھا، آج اسے خود بھی اپنا آپ، نیا نیا سا لگ رہا تھا، اس نے شاور لے کر سادہ شلوار قمیض زیب تن کیا اور رابیل کے پاس چلا آیا جو گہری نیند میں تھی، ٹرے میں کھانا جوں کا توں دھرا تھا، عیسیٰ نے بے چینی سے اپنے لب بھینچ لئے، جھک کر رابیل کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو اسے احساس ہوا کہ اس کا بخار بڑھ چکا ہے، نیند سے جگانا بھی مناسب نہ لگا۔

"یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے، اتنی معصوم اور حساس دل کی مالک اس لڑکی کا دل دکھایا ہے میں نے، کتنا بڑا دھچکا لگا ہوگا اسے یہ سب جان کر، اوہ گاڈ! میں کیا کروں؟ اے اللہ میری مدد کر، اور مجھے معاف کر دے میری ہر خطا کے لئے، ہر جھوٹ کے لئے"۔ عیسیٰ نے بے چارگی اور شرمندگی سے باآواز کہا، اور پھر اپنے ایک فیملی فرینڈ اور ڈاکٹر دوست کو فون کر کے گھر بلا لیا۔ ڈاکٹر نے رابیل کا چیک اپ کیا، چند دوائیں لکھ دیں، آرام کرنے کا مشورہ دیا، اور یہ بھی کہا۔

"انہیں کوئی شاک لگا ہے یا کوئی اسٹریس لیا ہے بھابی نے"۔

"او کے تھینکس یار!" عیسیٰ نے ڈاکٹر وزیر علی کا شکریہ ادا کیا۔

"ویلکم ڈیئر"۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد عیسیٰ نماز عشاء کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اللہ سے رابیل کی صحت یابی کی دعا اور اپنی غلطیوں کی معافی بھی تو مانگنا تھی۔

......☆......

رابیل نے آنکھ کھولی تو عیسیٰ کا اصل چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ وہ شاید رات بھر اس کے سرہانے جاگتا رہا تھا۔ اور کچھ دیر پہلے ہی تھک کر اس کی آنکھ لگی تھی، رابیل نے دیکھا اپنے اصل چہرے کے ساتھ بھی وہ بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ مگر اس نے ایک دم سے اپنی آنکھیں میچ لیں۔ عیسیٰ کا وہ ساٹھ سالہ شخص کا حلیہ، وہ چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا تھا۔ تین ماہ تک جس چہرے سے پیار کیا، جس کا اعتبار کیا، جس کے سنگ روز و شب بتائے وہ چہرہ وہ اتنی آسانی سے کیسے بھلا سکتی تھی؟ وہ چہرہ پلک جھپکتے ہی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو سکتا تھا، وہ بے بسی سے خود کو سنبھالتی ہوئی آہستگی سے بنا آہٹ کئے بستر سے نکل گئی۔ واش روم جا کر فریش ہو کر آئی تو بھی عیسیٰ اسی پوزیشن میں بیڈ پر نیم دراز تھا، اس نے آہستہ سے کمبل کھول کر اس پر پھیلا دیا، جونہی کمبل پھیلا کر ہٹنے لگی چکرا کر اس پر گر گئی،

عیسٰی نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولی تھیں۔
"رابیل......" عیسٰی نے اسے شانوں سے تھاما۔
"سوری، میں کمبل ڈال رہی تھی کے چکر آ گیا" وہ شرمندہ سی کھسیانی ہو کر اٹھتے ہوئے بولی وہ مسکرا دیا۔ اسے اپنی بیماری میں بھی اس کا خیال تھا، یہ احساس عیسٰی کے لئے بہت خوش کن تھا۔
"تم خود کیوں اٹھیں؟ مجھے جگا دیا ہوتا تمہارا بخار بہت تیز ہے چلو لیٹو ادھر" عیسٰی نے اسے پکڑ کر اس کی جگہ پر لٹا دیا۔
"ناشتے کے بعد تمہیں دوا کھا کے آرام کرنا ہے" وہ کہہ رہا تھا مگر رابیل سر تک کمبل تان چکی تھی۔ اناںی ناشتہ لے آئیں۔ رابیل نے بمشکل تھوڑا سا دلیہ کھایا اور دوا کھا کر دوبارہ لیٹ گئی، عیسٰی نے نوٹ کیا تھا کہ رابیل اس کی طرف دیکھ نہیں رہی ہے، وہ اس کی وجہ اور رابیل کی کیفیت کو سمجھ رہا تھا، جبھی پریشان اور پشیمان ہو رہا تھا۔ دوپہر تک رابیل کا بخار اتر گیا تھا، اناںی نے اسے زبردستی یخنی بنا کر پلائی۔ کھانے سے توانائی بحال ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن جسم میں درد تھا، خاص کر ٹانگوں میں وہ اپنے ہاتھوں سے ٹانگیں دبا رہی تھی۔ عیسٰی کمرے میں داخل ہوا تو اس کی نظر بس لمحے بھر کو اس پر اٹھی تھی، پھر وہ بیک کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔
"ٹانگوں میں درد ہو رہا ہے نا یہ بخار کی وجہ سے ہے، کھاؤ، پیو تا کہ تمہاری انرجی بحال ہو سکے" عیسٰی اس کے سامنے بیڈ پر آ بیٹھا، وہ اس کی بات کے جواب میں خاموش رہی، نظریں اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں الجھی تھیں۔
"میں دبا دیتا ہوں ٹانگیں" عیسٰی نے مسکراتے ہوئے ہاتھ اس کی ٹانگوں پر رکھے تو اس نے تیزی سے ٹانگیں سمیٹ لیں۔
"مت ہاتھ لگائیں مجھے"۔
"کیوں......شوہر ہوں میں تمہارا؟" وہ بے کل ہو کر بولا۔
"آپ میرے شوہر نہیں ہیں، وہ کوئی اور تھے، میں نہیں پہچانتی آپ کو، جائیں یہاں سے میں نہیں دیکھنا چاہتی آپ کو، میرے عیسٰی نہیں ہیں آپ" وہ بھیگتی آواز میں بولی۔
"میں تمہارا عیسٰی ہی ہوں جان! پلیز ایسا مت کہو، آئی لو یو رابیل" وہ اس کو محبت و حسرت سے دیکھ رہا تھا، "خود پہ بیتی تو رو نے ہو سکتے ہو وہ جو ہم کہا تھا کیا وہ عشق نہیں تھا" رابیل نے جواباً کیا ___ تھا تو وہ بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔
"تب مجھے بھروسہ نہیں تھا تم پر، تمہاری چاہت اور محبت پر، بھروسہ ہوا تو سمجھ میں نہیں آیا کہ تمہیں کیسے بتاؤں؟ ڈرتا تھا کہ کہیں تم حقیقت جان کر، مجھے چھوڑ کر نہ چلی جاؤ، بھروسہ اور اعتبار ٹوٹنے کے دکھ اور درد سے واقف ہوں میں اسی لئے بتا نہیں پایا" عیسٰی ندامت اور بے بسی میں گھرا تھا۔
"یہ ڈائری پڑھ لینا، شاید تمہیں میری مجبوری کا اندازہ ہو جائے اور تم مجھے معاف کر سکو" عیسٰی نے اپنی سیاہ ڈائری اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا اور وہ تو اس کی یہ ڈائری پڑھ چکی تھی، سب کچھ جان چکی تھی۔ اس لئے اس نے انکار کر دیا۔
"مجھے نہیں پڑھنی"۔
"پلیز" وہ ملتجی ہوا۔
"مجھے امی کے گھر جانا ہے"۔

''رابیل! تم ایسے کیسے جاسکتی ہو؟'' عیسیٰ کی تو جان پر بن آئی تھی اس کے جانے کے خیال سے ہی وہ تیزی سے بولا۔
''جانتی ہوں میں ایسے نہیں جاسکتی بہت قرض ہے مجھ پر آپ کا، بنا قرض ادا کئے میں یہاں سے کیسے جاسکتی ہوں؟''
''تم غلط سمجھ رہی ہو'' عیسیٰ نے اسے دیکھتے ہوئے دکھ سے کہا۔
''صرف اپنی اور میری بات کرو، تم پر میرا کوئی قرض نہیں ہے۔ میں نے اپنی خوشی سے تمہارے والدین کا بوجھ بٹایا ہے، دل سے تمہیں بیاہ کر لایا تھا، میرا کوئی احسان نہیں ہے تم پر، محبت کرتا ہوں تم سے اور محبت ہی چاہتا ہوں تم سے بس''۔
''تو کب نہیں دی میں نے آپ کو محبت''؟ رابیل نے بھرائی آواز میں سوال کیا۔ وہ شرمندہ ہوگیا۔
''آپ نے میری محبت کا، میرے خلوص کا مذاق اڑایا، میں نے کب کہا تھا کہ مجھے آپ کی دولت چاہئے؟''
''نہیں کہا بھی نہیں کہا جان! مانتا ہوں میری غلطی ہے، مجھے کچھ نہیں چاہئے تمہارے سوا، یہ دولت، یہ پیسہ سب کچھ مجھ سے لے لو مگر مجھے اپنا آپ دے دو، میری رابیل مجھے لوٹا دو''۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر التجا کرتا ہوا رو دیا۔
''رابیل، تو آپ ہی کی تھی، مگر آپ نے یقین ہی نہیں کیا، خود ہی پرایا کر دیا''۔ رابیل اسے کہاں روتے ہوئے دیکھ سکتی تھی، خود بھی رو پڑی۔
''نہیں رابیل! تم تو میری اپنی ہو تم کو پرایا کرنے کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتا، تمہیں کھونا نہیں چاہتا میں''۔
''مجھے نیند آرہی ہے''۔ وہ مزید کچھ سننا نہیں چاہتی تھی، دل درد سے بے حال تھا، لیٹنے لگی تو عیسیٰ نے اسے سہارا دے کر لٹا دیا، کمبل ٹھیک اوڑھا دیا۔
''ٹھیک ہے تم آرام کرو''۔ عیسیٰ نے اس کی پیشانی چوم لی۔ وہ اس کے پیار بھرے لمس کی حدت سے پسینے میں بھیگ گئی۔



''مجھے چند دن کے لئے امی کے گھر جانا ہے''۔ صبح وہ بھی عیسیٰ کے ساتھ جانے کو تیار کھڑی تھی، عیسیٰ نے دیکھا زرد رنگ کی شلوار پر کاسنی رنگ کی قمیض دوپٹے میں جس پر بہت نفیس کام کیا گیا تھا وہ ہلکا سا میک اپ کئے، بہت دلکش مگر افسردہ، سنجیدہ اور رنجیدہ دکھائی دے رہی تھی، کلائی میں پہنے سونے کے کنگن کو چھیڑ رہی تھی۔
''چند دن کے لئے نہیں صرف چند گھنٹے کے لئے'' عیسیٰ ٹائی گلے میں ڈالتا ہوا اس کے قریب چلا آیا۔
''مگر......'' وہ نظریں جھکائے الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔
''میں خود تمہیں امی کے گھر ڈراپ کروں گا اور آفس سے واپسی پر ساتھ لیتا ہوا گھر آؤں گا، یہ گھر تمہارے دم سے ہی گھر جنت ہے، میں اس گھر کو اب کبھی بھی تمہارے بنا نہیں دیکھنا چاہتا''۔
''چلیں''۔ وہ اپنا ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے بولی۔ اس کی جانب دیکھنے سے وہ مسلسل گریز برت رہی تھی۔
''رابیل''۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
''ٹائی کی ناٹ باندھ دو''۔ وہ ایسے شو کر رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں وہ رابیل پر اسی کا طریقہ آزما رہا تھا، جیسے وہ اس کے سرد رویئے کے باوجود اسے ہمیشہ سے محبت سے رام کر لیتی تھی، وہ بھی اب یہی کر رہا تھا، رابیل کو ناچار ٹائی باندھنا پڑی۔

"تھینک یو سوئیٹ ہارٹ!" عیسیٰ نے جھک کر اس کے رخساروں پر اپنی محبت کے پھول کھلا دیئے، وہ بوکھلا گئی۔

"ادھر دیکھو نا بیوی، یار! اتنی بری شکل تو نہیں ہے میری، جو تم دیکھتی نہیں ہو میری طرف"۔ اس نے رابیل کی ٹھوڑی پکڑ کر رخ اپنی طرف کیا، رابیل نے اس کے چہرے کو دیکھا آنکھوں میں اس کا پرانا چہرہ آ رہا تھا، آنکھیں پھر سے گرم پانیوں سے بھرنے لگیں۔

"میں اس چہرے کو نہیں بھلا سکتی جس نے تین ماہ تک میرا مذاق اڑایا، مجھے اپنا عادی بنایا، آپ کو اتنا آسان لگتا ہے یہ سب، میں آن، آف کا بٹن تو نہیں ہوں کہ جب دل چاہا آن کر لیا اور جب دل نہ چاہا تو آف کر دیا، جس شخص کو میں اپنا شوہر سمجھتی رہی جس سے پیار کرتی رہی، اچانک سے اس کا چہرہ بدل گیا تو، آپ کو لگتا ہے کہ مجھے کوئی فرق نہیں پڑا۔ میرے اندر کوئی ٹوٹ پھوٹ نہیں ہوئی، میں نے جس چہرے سے پیار کیا تھا وہ یہ تو نہیں ہے"۔ وہ کہتے کہتے بری طرح رونے لگی اور بیڈ پر ڈھے گئی۔

"رابیل! آئی ایم سوری جان! ہاؤ اسٹوپڈ آئی ایم غلطی پہ غلطی کرتا چلا رہا ہوں، پلیز روئیں نہیں، چلو فریش ہو جاؤ پھر چلتے ہیں" عیسیٰ نے خود کو کوستے ہوئے اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"نہیں، مجھے کہیں نہیں جانا، آپ جائیں مجھے اکیلا چھوڑ دیں"۔ وہ غصے سے بولی عیسیٰ بے بسی سے لب، بھینچتا ہوا اسے دیکھتا ہوا وہاں سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔

......☆......

"مجبوری کے بازار میں سب بکتا ہے، غلط، صحیح اپنی جگہ لیکن یہ بات بھی سچ ہے کہ میں نے اور عیسیٰ نے اپنی اپنی ضرورت کے تحت یہ رشتہ جوڑا تھا۔ عیسیٰ نے میرے اسکول میں مجھ سے ملاقات کے دوران بالکل ٹھیک کہا تھا کہ زندگی کچھ لو اور کچھ دو کے اصول کے تحت گزرتی ہے، مفاد، ضرورت اور مجبوری کے رشتے ہمیں ایک دوجے سے جوڑے رکھتے ہیں، میرے ماں باپ کو پیسہ چاہئے تھا اپنی بیٹیوں کا گھر بسانے کے لئے اور عیسیٰ کو بھی اپنا گھر بسانے کے لئے ایک پرخلوص اور محبت کرنے والی لڑکی چاہئے تھی، جس کی قیمت انہوں نے لاکھوں میں ادا کی اور دل سے کی۔ میں لاکھ بھولنا چاہوں مگر یہ حقیقت ہے کہ عیسیٰ کا میری فیملی پر لاکھوں کا احسان ہے جو کبھی نہیں چکایا جا سکتا عیسیٰ اچھے انسان ہیں بلکہ بہت اچھے ہیں۔ مگر انہوں نے غلطی کی اپنا اصل چہرہ چھپا کر، میرا دل دکھا کر، لیکن اب جو مجھے کرنا ہے وہ یقیناً عیسیٰ کے لئے حیران کن ہوگا"۔ رابیل نے دل میں سوچا اور اناپی کے ساتھ مل کر پورے گھر کا جائزہ لیا وہ خود کو مصروف رکھنا چاہ رہی تھی یا عیسیٰ سے بچنا چاہ رہی تھی، یہ وہی جانتی تھی کیونکہ اس نے گھر کی سجاوٹ، صفائی اور کچن میں خود کو مصروف کر لیا تھا، عیسیٰ کے لئے یہی بہت تھا کہ اس نے دوبارہ میکے جانے کی بات نہیں کی تھی، مگر وہ اسے خود کو منانے کا موقع بھی فراہم نہیں کر رہی تھی، ایک خاموشی تھی جو ان دونوں کے درمیان در آئی تھی۔

رات کے گیارہ بج رہے تھے، عیسیٰ گھر نہیں آیا تھا، رابیل بہت پریشان ہو رہی تھی، اناپی سے اس کے آفس فون بھی کروایا تھا۔ اس کے پی۔ اے نے بتایا تھا کہ وہ تو شام کو ہی آفس سے نکل گئے تھے، ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا کہ عیسیٰ نے گھر آنے میں اتنی دیر کر دی ہو، وہ تو فون کر دیتا تھا اگر کچھ دیر سے آنا ہوتا تو، عیسیٰ کا موبائل بھی آف تھا جس سے وہ مزید ہراساں تھی۔ ساڑھے بارہ بجے عیسیٰ کی گاڑی کا ہارن بجا تھا، رابیل نے ٹیرس پر جا کر دیکھا، عیسیٰ گاڑی سے نیچے اتر رہا تھا وہ سکھ کا سانس لیتی واپس پلٹ گئی مگر عیسیٰ کی نظر اس کے گلابی آنچل کو اپنی گرفت میں لے چکی تھی، وہ اس کے لئے فکر مند تھی۔ اس کے انتظار میں جاگ رہی تھی، یہ احساس عیسیٰ کے لبوں پر مسکان بکھیر گیا، وہ جو تھکن اور آزردگی کی گرد میں لپٹا ہوا، گھر میں داخل ہوا تھا، اس ایک احساس نے اسے تازہ دم کر دیا تھا، وہ بیڈروم میں آیا تو

رابیل کو بیڈ پر بیٹھے دیکھا اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ غصے میں ہے۔
"السلام علیکم"۔ عیسیٰ نے اسے دیکھتے ہوئے سلام کیا۔
"وعلیکم السلام"۔ وہ جواب دیتی بیڈ سے اتری۔
"کہاں جا رہی ہو؟"
"آپ چینج کریں میں کھانا لگاتی ہوں"۔
"رابیل! تھینکس سوئیٹی، بٹ مجھے بھوک نہیں ہے"۔ وہ ٹائی اور کوٹ اتارتے ہوئے تھکے تھکے لہجے میں بولا۔
"کھا کر تو نہیں آئے، پھر بھوک کیوں نہیں ہے؟" رابیل اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھی، وہ اس کے درست اندازے پر مسکرا دیا۔
"اتنا سمجھتی ہو تم مجھے، ہوں"۔
"آپ پتا نہیں کب سمجھیں گے؟" وہ خفگی سے بولی۔
"ٹائم دیکھا ہے آپ نے کیا ہوا ہے؟ ایک فون نہیں کر سکتے کیا؟ موبائل کیوں آف تھا آپ کا؟ دیر سے آنا تھا تو کم از کم گھر فون کر کے انفارم تو کر دیتے، آپ نے سمجھا کہ آپ کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے"۔
"میری جان! تم ہو نا پوچھنے کے لئے، تم اسی طرح اپنا حق جتاتی رہا کرو، مجھے خوشی ہوتی ہے کہ میرا انتظار کرنے والی پیاری ہستی، میری زندگی میں موجود ہے"۔ عیسیٰ نے اس کے پاس آکر محبت سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا، وہ سٹپٹا کر ایک قدم پیچھے ہٹی تو وہ ہنس دیا، وہ ناراض لہجے میں بولی۔
"جی ہاں اور اس پیاری ہستی کو ایک فون نہیں کر سکتے تھے"۔
"ایمر جنسی ہو گئی تھی"۔
"کیا ہوا تھا؟ آپ ٹھیک ہیں ناں؟" رابیل کا دل زور سے دھڑکا۔
"میں ٹھیک ہوں جب تک تم میری زندگی میں ہو مجھے کچھ نہیں ہوگا"۔ عیسیٰ نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اس کی اپنے لئے پریشانی اسے خوشی بخش رہی تھی۔ عیسیٰ کو معلوم تھا کہ رابیل بہت حساس لڑکی ہے وہ کبھی اسے چھوڑ کر، دکھ دے کر نہیں جا سکتی۔
"تو بتاتے کیوں نہیں، کیا ہوا تھا؟" وہ ہنوز پریشان تھی۔
"آپ کے سر میں درد ہو رہا ہے"۔ رابیل نے خود ہی قیاس لگایا۔
"ہاں، اور مجھے بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے تمہیں سب پتا چل جاتا ہے اٹ مین یو لومی ویری مچ"۔ وہ اس کے احساس کی گہرائی کو محسوس کرتے ہوئے خوشدلی سے بولا۔
"بتانے کی ضرورت تو پھر بھی ہوتی ہے چاہے کوئی سمجھ لے، محسوس کر لے تب بھی بتانا چاہئے، چھپانے سے یا جھوٹ بولنے سے حقیقت تو نہیں بدل جاتی، میں آپ کی بیوی ہوں، دوسری شادی کی ہے نا آپ نے مجھ سے، میں ماہا اور ثناشہ جیسی نہیں ہوں لیکن کیا اتنی بڑی بات آپ کو مجھے بتانا نہیں چاہئے تھی؟ سچے اور پر خلوص جیون ساتھی کی تلاش آپ کو تھی اور آپ خود جھوٹ بولتے رہے، شک میں پڑے رہے، اپنی زندگی کا اتنا بڑا سچ مجھ سے چھپائے رکھا آپ نے ہاں شاید آپ کو بتانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی ہو گی نا"۔ رابیل نے نہایت سنجیدگی سے کہا اور جانے لگی تو عیسیٰ کی آواز نے اس کے قدم روک لئے۔
"تمہیں سب معلوم تھا، چلو اچھا ہوا کہ تم سب کچھ جان چکی ہو، میں بتانا چاہتا تھا مگر اس سے پہلے ہی تمہیں پتا چل

گیا، آئی نو بہت ہرٹ کیا ہے میں نے تمہیں لیکن"۔ وہ بے بسی سے سر ہلا کر رہ گیا سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہے۔ رابیل اسے شرمندہ نہیں دیکھ سکی، اس سے اب بھی پیار کرتی تھی، ساری وجوہات جان چکی تھی اس لئے عیسیٰ اسے زیادہ قصوروار نہیں لگ رہا تھا اب، اس کی غلطی اتنی بڑی تو نہیں تھی کہ اسے بار بار شرمندہ کیا جاتا۔

"آپ فریش ہو جائیں میں آپ کے کھانے کے لئے کچھ لاتی ہوں، پین کلر کھا کر سوئیے گا"۔ رابیل نے تیزی سے کہا اور کمرے سے نکل کر سیدھی کچن میں چلی آئی، چائے بنائی، میکرونی اوون میں گرم کی، چائینیز رائس اور چکن منچورین بنایا تھا اس نے سب گرم کر کے ٹرے میں سجا کر کمرے میں آئی تو عیسیٰ واش روم سے نہا کر نکل رہا تھا، تو لئے سے گیلے بالوں کو رگڑتا، لائٹ براؤن کرتا شلوار پہنے بہت فریش لگ رہا تھا اب، رابیل نے ٹرے میز پر رکھ دی اور دراز میں سے سر درد کی گولیاں نکال لائی۔

"ارے اتنا کچھ کیوں لے آئیں مجھ سے نہیں کھایا جائے گا"۔ عیسیٰ نے تولیہ اس کے کندھے پر ڈال دیا۔

"نہ کھا کر ہی سر میں درد کروایا ہے نا۔ خاموشی سے کھانا کھائیں"۔ رابیل نے اسے بیوی والے انداز میں ڈپٹا، وہ ہنس پڑا، اور وہ تولیہ واش روم میں ہینگ کر آئی۔

"بہت مزے کا ہے، تم نے بنایا ہے نا"۔ عیسیٰ نے سب ڈشز چکھ کر اس کی طرف دیکھا، ذائقہ الگ تھا۔

"جی"۔

"تھینکس"۔

"کس بات کا؟"

"تم نے اتنی محبت سے میرے لئے کھانا پکایا ہے آئی ایم امپرسیڈ، تم تو آل ان ون ہو، بہت سگھڑ بیوی ملی ہے مجھے اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے"۔ عیسیٰ نے اس کا دل رکھنے لئے مزید کھاتے ہوئے دل سے کہا ورنہ اسے بھوک نہیں تھی۔

"اور جو اپنی بیماری کا ڈرامہ کیا تھا اس پر اللہ سے معافی مانگی ہے کہ نہیں؟" رابیل نے یاد دلایا۔

"مانگی ہے معافی ہر روز مانگتا ہوں"۔ اس نے ایمانداری سے بتایا۔

"مانگنی بھی چاہئے"۔ رابیل نے جتایا۔

"ہوں...... اچھا سنی، صبح مجھے جلدی جگا دینا، مجھے جانا ہے"۔

"کہاں؟"

"میرے دوست واجد اور اس کے والد کا شام ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا، ماجد انکل کی تو موقع پر ہی ڈیتھ ہو گئی تھی، دس بجے ان کی نماز جنازہ کا وقت تھا مگر گیارہ بجے ادا ہوئی۔ صبح ان کے قل ہیں اور...... واجد بھی زخمی ہے تھینکس گاڈ! واجد کے سر میں معمولی زخم آئے ہیں اور بازو پر بھی خراشیں ہیں اسے فسٹ ایڈ دینے کے بعد ڈاکٹر نے فارغ کر دیا تھا"۔ عیسیٰ نے اسے پوری تفصیل بتاتے ہوئے سمجھا دیا کہ وہ اتنا لیٹ کس وجہ سے ہوا؟

"اوہ...... بہت افسوس ہوا اللہ ان پر رحم فرمائے"۔ رابیل نے افسوس کرتے ہوئے دل سے کہا تو عیسیٰ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہی وجہ ہے لیٹ آنے کی"۔ عیسیٰ نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"ہوں...... تو پہلے بتانی چاہئے تھی نا۔ یہ ٹیبلٹ کھالیں"۔ رابیل نے سر درد کی دو گولیاں نکال کر اس کی طرف بڑھا دیں۔ عیسیٰ کو اس کا یہ کیئرنگ انداز بہت سکون دے رہا تھا۔ اس نے خاموشی سے گولیاں پانی کے ساتھ نگل

لیں۔

"جب سر میں درد تھا تو شاور لینا ضروری تھا کیا؟ کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کریں گے یہ"۔ رابیل بڑبڑا رہی تھی اور وہ اس کی بڑبڑاہٹ واضح طور پر سن رہا تھا، اسے ہنسی آ گئی رابیل کی بات پر۔

"ایک کام ڈھنگ کا کیا ہے نا، اتنی پیاری سی، لونگ، کیئرنگ لڑکی سے شادی کی ہے"۔ عیسیٰ نے پیچھے سے آ کر اس کے گرد اپنی بانہیں حمائل کر کے اس کے شانے پر اپنی ٹھوڑی ٹکا دی، وہ پوری جان سے اس کے لمس اور قرب کی آگ میں جل اٹھی، دل کی دھڑکن بے ترتیب ہونے لگی۔

"عیسیٰ......!" وہ چڑ کر بولی۔

"رابیل! سچ کہہ رہا ہوں مجھے چاہت تمہاری ہے، تمہارے ساتھ کی چاہ ہے بس، تم کہو تو میں اسی گیٹ اپ میں آ جاتا ہوں پھر سے، پھر تو میری طرف دیکھو گی نا"۔ وہ اس کے کان میں پیار بھری سرگوشی کرتا اس کے اوسان خطا کر رہا تھا۔

"آپ اپنے آپ پر، مجھ پر اعتبار کیوں نہیں کرتے عیسیٰ"۔

"کر تو رہا ہوں، تم جانتی ہو نا میں ایسا ہی ہوں بے ڈھنگا سا، غلطی پہ غلطی کرنے والا، مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں تمہیں کیسے مناؤں؟" وہ بے بسی سے بولا اور اس کا رخ اپنی جانب موڑ لیا۔

"آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے سو جائیں اب رات کے دو بجنے والے ہیں اور آپ کو رومینس سوجھ رہا ہے"۔

"یہی تو صحیح وقت ہے رومینس کا"۔ وہ شریر ہوا۔

"تو جائیں کریں رومینس، مجھے بھوک لگی ہے میں کھانا کھانے لگی ہوں"۔ وہ سہولت سے اسے ہٹاتی صوفے پر آ بیٹھی، حیا کی سرخی اس کے چہرے کو مزید دلکش بنا رہی تھی۔

"کیا تم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا؟" وہ حیرت سے بولا۔ وہ اس کے انتظار میں اب تک بھوکی بیٹھی تھی۔

"سوری میری وجہ سے نا، میں بھی کتنا بدھو ہوں تم سے پوچھا بھی نہیں خود ہی کھا لیا اکیلے ان فیکٹ، میرا خیال تھا کہ تم کھا چکی ہو گی"۔ وہ شرمندہ ہو رہا تھا جو کہ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا، وہ ٹرے اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

"اٹس او کے، میں لاؤنج میں جا رہی ہوں، لائیٹ آف کر دیتی ہوں آپ سو جائیں"۔

"رابیل! آئی لو یو رئیلی لو یو"۔ عیسیٰ نے اس کی پیشانی چوم لی۔ وہ اسے خفا خفا نظروں سے دیکھتی کمرے سے باہر آ گئی۔

"آئی لو یو ٹو عیسیٰ"۔ اس نے زیر لب آہستگی سے کہا۔ اور لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگی۔

......☆......

عیسیٰ ایک ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنے کے بعد اپنے آفس میں آیا تو انابی نے اسے فون پر اس کے مما، پاپا اور بہن، بہنوئی ان کے بچوں کے آنے کی اطلاع دی۔

"مما، پاپا عظمیٰ، احسن، پاکستان آ گئے ہیں، او نو، انہیں تو میں نے اپنی شادی کے بارے میں، رابیل کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا، ایک اور غلطی، اف! اب کیا ہو گا؟ یا اللہ! میری مدد فرما، رابیل بھی مجھ سے ناراض ہے میں تو اب تک اسے ہی نہیں منا سکا"۔ عیسیٰ آفس سے گاڑی تک آتے ہوئے پریشانی سے بے حال ہو گیا تھا۔

"عیسیٰ علوی! آج تمہاری خیر نہیں ہے، آج ایک بار پھر تم اپنے رشتے، اپنی محبت گنوا دو گے، تم اپنا سب کچھ

گنوادو گے آج، مما، پاپا کو، رابیل کو، تمہاری تباہی تمہارے سامنے کھڑی ہے، کیا کہو گے مما، پاپا سے کہ رابیل سے کب شادی کی؟ انہوں نے تو خود تمہیں اجازت دی تھی شادی کرنے کی نہیں وہ خفا نہیں ہوں گے، لیکن رابیل جو مجھ سے خفا تھی وہ کیسے ان سب کو فیس کر رہی ہو گی؟ پرسوں ہی تو میری مما سے بات ہوئی تھی انہوں نے تو اپنے آنے کا ذکر نہیں کیا تھا، ہمیشہ کی طرح یہی کہا تھا کہ اپنا گھر بسالو، تاکہ ہم بھی واپس آ کر تمہاری خوشیاں دیکھ سکیں۔ پھر ان کا اس طرح سے اچانک سے یہاں آنا سمجھ میں نہیں آ رہا" عیسیٰ سارے راستے پریشانی سے سوچتا رہا، خود سے سوال کرتا رہا۔

"عیسیٰ لاج" میں وہ خوف اور پریشانی سے دھڑکتے دل کے ساتھ داخل ہوا۔ ڈرائنگ، ڈائننگ ہال میں غیر معمولی ہلچل کا احساس اسے ڈرائنگ، ڈائننگ ہال کے قریب پہنچ کر ہی ہو گیا تھا۔ اس نے بسم اللہ پڑھ کر اندر قدم رکھا۔

"السلام علیکم"۔ عیسیٰ کے سامنے مما، پاپا، عظمیٰ، احسن ان کے بچے اور اس کی پیاری بیوی رابیل سبھی ہنستے مسکراتے موجود تھے۔

"وعلیکم السلام"۔ سب نے بڑے پرجوش لہجے میں جواب دیا۔

"عیسیٰ، میرا بیٹا، میری جان! میں تو تمہیں دیکھنے کو ترس گئی تھی، کیسے ہو میرے چاند؟" مما نے اٹھ کر اسے محبت سے گلے لگایا اس کا ماتھا چوما ہاتھ چومے۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں مما اور بہت خوش ہوں آپ سب کو یہاں دیکھ کر" عیسیٰ خوشی سے کھل اٹھا ان کے ہاتھ چوم کر بولا، اپنی توقع کے برعکس اسے سب کچھ بہت مثبت اور اچھا دیکھنے کو مل رہا تھا، اور اس کا سارا کریڈٹ رابیل کو جاتا تھا، وہ کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا جو مما، پاپا کے بیچ دلہن کی طرح سجی سنوری، شرمیلی مسکان لبوں پر سجائے بیٹھی تھی، اور وہ سب اس کے صدقے واری جا رہے تھے، مما، پاپا تو بار بار عیسیٰ کو گلے سے لگا رہے تھے اس کا چہرہ چوم رہے تھے، عظمیٰ اس کے شانے سے لگی پیار کا اظہار کر رہی تھی۔ یوں جیسے وہ سب برسوں کے بچھڑے تھے اور اب آن ملے تھے، اور یہ سچ بھی تھا، وہ تین سال بعد ایک دوسرے سے مل رہے تھے۔ عیسیٰ جو پریشانی کے مارے پسینے میں نہا رہا تھا اب مارے خوشی کے پھولا نہیں سما رہا تھا، اس کے دل و دماغ سے ہر خوف مٹ گیا تھا، سوائے خوف خدا کے۔

"بھیا! بھابی تو آپ نے ہمارے لئے بہت پیاری، زبردست اور خوش شائل ڈھونڈی ہے"۔ عظمیٰ نے رابیل کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"نظر نہ لگا دینا"۔ عیسیٰ نے شوخی سے کہا۔

"بے فکر رہیں بھائی جان! ہم نظر لگانے والوں میں سے نہیں ہیں، ہم تو نظر اتارنے والوں میں سے ہیں"۔

"آئی نو"۔ عیسیٰ نے محبت سے اپنی بہن کو دیکھا عظمیٰ عیسیٰ سے 6 برس چھوٹی تھی۔ اس کی لاڈلی تھی وہ ہمیشہ سے۔

"اچھا تو تم نے اس ڈر سے ہمیں ہماری بہو کے درشن نہیں کرائے کہ کہیں ہم اسے نظر نہ لگا دیں"۔ پاپا نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا تو وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"نہیں پاپا! ایسی بات نہیں ہے میں آپ سب کو سرپرائز دینا چاہتا تھا لیکن آپ سب نے تو مجھے ہی سرپرائز دے دیا۔

"اطلاع کیوں دیتے بھئی ہمیں تو ہماری بہو رانی نے بلایا ہے اور اتنی محبت سے بلایا کہ ہم انکار ہی نہ کر سکے اور فوراً سامان باندھ لیا اور پہلی فلائیٹ سے ہی پاکستان تمہارے پاس چلے آئے"۔ پاپا نے خوشی سے بتایا۔

"آپ کو رابیل نے بلایا ہے"۔ عیسیٰ کی حیرت دیدنی تھی۔

"جی ہاں بھائی جان! آپ تو چھپے رستم نکلے، شادی بھی کر لی اور ہمیں بتایا بھی نہیں"۔ عظمیٰ نے پیار بھرا شکوہ کیا۔

"میں نے تو مما، پاپا کی شرط اور خواہش پوری کی ہے"۔
"اور ہمیں خوش کر دیا ہے۔ جیتے رہو بیٹا، اللہ تمہیں ہر خوشی دیکھنا نصیب کرے، اتنی اچھی بہو تم نے ہمیں دی ہے۔ بس اب تو پوتا، پوتی کو کھلانے کی تمنا ہے انشاءاللہ"۔
"وہ دن بھی جلد آئے گا"۔ عیسیٰ نے رابیل کی طرف دیکھا وہ حیا آلود مسکراہٹ لبوں پر سجائے نظریں جھکائے اس کے دل میں ہلچل مچا رہی تھی۔ محبت میں اضافہ کر رہی تھی۔
"عیسیٰ بیٹے! آج ہم بہت خوش ہیں تم نے ہماری برسوں کی خواہش پوری کر کے ہماری محبت کا امتحان ختم کر دیا۔ بیٹا ہم تمہیں چھوڑ کے چلے تو گئے تھے لیکن تمہاری جدائی میں بہت تڑپے ہیں ہم دونوں میاں، بیوی، ہمیں اپنی بے جا ضد اور خواہ مخواہ کی شرط پر غصہ بھی آتا تھا مگر ہم اس لئے برداشت کرتے رہے کہ ہمارے بیٹے کا گھر بس جائے وہ اکیلے پن سے گھبرا کر کسی اچھی سی لڑکی سے شادی کر لے"۔ پاپا نے ایک بار پھر عیسیٰ کو گلے سے لگا لیا۔ ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ عیسیٰ کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔
"بھیا! ہم تو آپ کے ولیمے کی دعوت کھا کر ہی واپس جائیں گے صرف میں اور میری فیملی مما، پاپا آپ کے پاس ہی رہیں گے اب"۔ احسن نے بھی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔
"میرے لئے اس سے بڑی خوشی اور کیا ہو سکتی ہے کہ میرے مما، پاپا میرے ساتھ، میرے پاس رہیں، کیوں رابیل؟" عیسیٰ نے رابیل کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی بات کی تصدیق چاہی۔
"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ"۔ رابیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"واہ جی، بھابی! تو بھائی جان کی ہاں میں ہاں ملاتی ہیں"۔ عظمیٰ نے چھیڑا تو وہ ہنس دی چہرہ حیا سے گلنار ہو گیا۔
"ایسا بھی نہیں ہے یہ میری غلطیوں پر میری سرزنش بھی کر لیتی ہیں"۔ عیسیٰ نے کہا تو سب ہنس پڑے۔
"بھائی جان! ہم آپ کی اور بھابی کی مایوں، مہندی اور ولیمہ بہت شاندار طریقے سے کرنے والے ہیں"۔
"ارے نہیں بھئی ولیمے کی تقریب میں، ہم سب دوست احباب کو مدعو کر لیں گے اپنے بھی اور رابیل کے بھی رشتے داروں کو انوائیٹ کر لیں گے بس کافی ہے"۔ عیسیٰ نے فوراً کہا۔
"مما! دیکھیں ناں بھائی جان کو ہمارا دل نہیں ہے کیا؟ ہمارے ایک ہی بھائی ہیں بس ہم تو مایوں، مہندی بھی کریں گے"۔ عظمیٰ نے مما کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھا۔
"ہاں عیسیٰ بیٹے! یہ سب تو ہو گا۔ آخر ہمارے بھی ارمان ہیں تمہاری شادی کو لے کر، ہم تو اپنے سارے ارمان پورے کریں گے، اتنی پیاری دلہن ہمارے گھر آئی ہے اس کا شاندار استقبال تو اب ہم کریں گے"۔ مما نے رابیل کو بہت محبت سے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا وہ مسکرائے جا رہی تھی۔
"اور بیٹے کو بھول گئیں مما"۔ عیسیٰ نے مصنوعی خفگی دکھائی۔
"بیٹے کو کیسے بھول سکتی ہوں میں، میرا بیٹا تو میری جان ہے"۔ مما نے پیار سے عیسیٰ کا ماتھا چوم لیا۔
"اچھا تو پھر ہم کیا ہیں آپ کے؟" پاپا نے شرارت بھرے لہجے میں پوچھا تو مما سمیت سب کو ہنسی آ گئی۔
"آپ تو میرے سر کا تاج ہیں"۔
"شکریہ، نوازش"۔ پاپا آداب بجا لائے۔
"میں کھانا لگواتی ہوں"۔ رابیل مسکراتی ہوئی اٹھ گئی۔ انابی اور ملازمہ زلیخا کے ساتھ مل کر رابیل نے ڈائننگ ٹیبل کو انواع و اقسام کے کھانوں سے سجا دیا۔ تمام ڈشز اس نے سب کی پسند کی بنائی تھیں، انابی نے سب کو بتایا کہ یہ

سب پکوان، رابیل نے پکائے ہیں تو سب نے خوشگوار حیرت کا اظہار کیا اور کھانوں کی دل کھول کر تعریف کی۔ عیسٰی تو بس اس کے ہنر، اس کے حسن سلوک، اس کی محبت اور احساس پر اس کا گرویدہ اور ممنون و شکر گزار ہو رہا تھا۔ آج اس نے اس کو زندگی کی ساری خوشیاں لوٹا دیں تھیں۔

''عیسٰی بیٹے! بہت بہت مبارک ہو اتنی خوبصورت، سلیقہ مند اور سگھڑ بیوی اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے یہ تمہارے صبر کا پھل ہے، تمہاری نیک نیتی کا ثمر ہے۔'' پاپا نے اسے کھانے کے بعد گلے لگا کر دل سے مبارک باد دی۔ وہ خوشی سے نہال اور مالا مال ہو گیا تھا آج۔

''بہت، مبارک ہو عیسٰی'' ۔ مما نے بھی اسے پیار کیا۔

''ماشاء اللہ! اتنی پیاری بہو ہے ہماری رابیل جیتی رہو بیٹی، تم نے ہمارا اتنا شاندار استقبال کیا اور اپنے ہاتھوں سے سب کی پسند کا کھانا بنا کر پیش کیا، سچ کہوں بچی تم نے ہم سب کا دل جیت لیا ہے، اللہ تمہارا دل ہمیشہ خوشی سے آباد رکھے اور میرا بیٹا تم سے ہمیشہ اسی طرح محبت کرتا رہے'' ۔ مما نے رابیل کو محبت سے اپنے ساتھ لگا کر دل سے دعا دی تو سب نے آمین کہا۔ سب اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لئے چلے گئے تو رابیل بھی اپنے بیڈ روم میں آ گئی، عیسٰی نماز کے بعد شکرانے کے نفل ادا کر رہا تھا۔ سفید کرتا شلوار میں، سر پر رومال باندھے وہ رابیل کے دل کو چھو گیا، اس نے اپنا نائیٹ سوٹ نکالا اور واش روم میں چلی گئی، فریش ہو کر آئی تو تب بھی عیسٰی نماز ادا کر رہا تھا، اس نے اپنی جیولری اتار کر جیولری بکس میں رکھ دی۔ کلینزنگ ملک لگا کر چہرے کو میک اپ سے صاف کیا، بالوں میں برش پھیر رہی تھی جب ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنے پیچھے کھڑے عیسٰی کا عکس دکھائی دیا، وہ پنک نائٹی میں دل موہ لینے کی حد تک دلکش لگ رہی تھی، رابیل نے برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا، عیسٰی نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھے اور اس کا رخ اپنی جانب کر لیا، شادی کی پہلی رات بھی وہ اسی طرح آئینے کے سامنے اس سے آ کر ملا تھا دونوں کو وہ لمحہ یاد آ رہا تھا۔

''تھینک یو رابیل! تھینک یو سوچ مجھے معاف کرنے کے لئے، میرے پیرنٹس کو خوشیاں لوٹانے کے لئے، مجھے زندگی کا احساس دلانے کے لئے بہت بہت شکریہ، یو آر گریٹ مائی لو'' ۔ عیسٰی نے اس کے لب و رخسار کو پیشانی اور زلف کے ریشمی تار کو اپنے پیار کے پھولوں سے بھر دیا۔ فرط مسرت و تشکر سے اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ رابیل کی پلکیں بھی نم ہو گئیں۔

''میں نے وہی کیا جو ایک پرخلوص اور پیار کرنے والی بیوی کو اپنے شوہر اور اپنے گھر کے لئے کرنا چاہئے، میں نے تو آپ سے محبت کی تھی، محبت بھرے دل میں اپنے محبوب کے لئے معافی ہی معافی ہوتی ہے، محبت، سزا دینے کا حوصلہ نہیں رکھتی مگر جدا ہونے سے بھی ڈرتی ہے، ایک لمحے کو میں نے یہ سوچا کہ میں اگر آپ کو چھوڑ دوں تو میرا کیا جائے گا؟ اس لمحے مجھے احساس ہوا کہ آپ کو چھوڑ کر رابیل سے جیا نہیں جائے گا، اس لمحے مجھے احساس ہوا کہ رابیل عیسٰی سے کتنی محبت کرتی ہے، اور یہ بھی کہ عیسٰی بھی رابیل سے محبت کرتے ہیں ایسا ہی دکھ اور احساس عیسٰی کو بھی بے کل کر رہا ہو گا، پھر بھلا میں کیسے اپنے عیسٰی کو دکھ دے دیتی؟ کیسے رابیل کو بے موت مار دیتی، مجھے آپ کے درد کا بھی احساس تھا، لیکن یہ دکھ بھی بہت تھا کہ آپ نے میرا اعتبار نہیں کیا مجھے اس طرح سے آزمایا'' ۔ وہ اس کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھے مدھم سروں میں بولتی اس کے دل و روح کو سرشار کر رہی تھی۔ آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر بہہ نکلے تھے۔

''آئندہ ایسا کبھی نہیں ہو گا آئی پرامس، تم نے میرا اعتبار مجھے لوٹا دیا ہے، میں نے ضرور کوئی نیکی کی ہو گی جو مجھے تم ملیں۔ شکر الحمد اللہ اس گھر کو آج اس کی کھوئی ہوئی خوشیاں مل گئی ہیں'' ۔ وہ اس کے آنسو اپنے ہونٹوں سے چنتا اسے یقین دلا رہا تھا۔

''اور اس گھر کی خوشیاں اب آپ کے اپنے ہاتھ میں ہیں اگر دوبارہ ایسا ہوا تو''۔
''تو تم یہ گھر چھوڑ کر نہیں جانا پلیز''۔ وہ اس کی بات کاٹ کر شرارت سے بولا۔
''یعنی آپ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے ہے ناں''۔ رابیل نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا۔
''نہیں ناں''۔
''یاد رکھئے گا میں یہ چھوڑ کر نہیں جاؤں گی کیونکہ یہ اب میرا گھر ہے، آپ نے اب کچھ غلط کیا نا تو میں آپ کو اس گھر سے نکال دوں گی ہاں''۔ رابیل نے دھمکایا تو وہ بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ رابیل اسے گھورنے لگی۔ تو اس نے اسے اپنے قریب کر لیا۔
''گھر سے بے شک نکال دینا مگر اپنے دل سے مت نکالنا کیونکہ یہ دل ہی تو میری جائے پناہ ہے، اور مجھے چاہت تمہاری ہے اپنی چاہت سے مجھے کبھی محروم مت کرنا''۔ اس کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے مسکراتے ہوئے اس کے سینے پر سر رکھ دیا۔ گویا اپنی چاہت کا یقین دلایا۔ عیسیٰ کے اندر ڈھیروں سکون اتر آیا۔
''ویسے تم نے یہ سب کیسے کیا؟ مما، پاپا کو کیسے بلا لیا؟'' اسے اچانک یاد آیا تو پوچھنے لگا۔
''انا بی سے صرف ان سے بات کرانے کا کہا تھا باقی سب میں نے کر لیا، کیوں آپ کو اب بھی میری صلاحیتوں پر شک ہے؟''
''نہیں میری جان! مجھے یقین ہے کہ میری رابیل دنیا کی سب سے اچھی لڑکی ہے، سب سے لونگ بیوی ہے، اور کبھی بھی کچھ بھی کر سکتی ہے''۔ عیسیٰ نے اس کے چہرے کو ہاتھوں میں سمو کر یقین اور محبت سے بھرپور لہجے میں کہا تو وہ ہنس پڑی۔
''میری جان! آج سے ہم اپنی نئی زندگی کا آغاز کر رہے ہیں۔ محبت اور چاہت سے، ویسے کے بعد ہم ہنی مون پر جائیں گے، اور ساری دنیا کی سیر کریں گے''۔
''ساری دنیا کی سیر''۔ رابیل نے اس کے چہرے کو چاہ سے دیکھا۔
''ہاں ساری دنیا کی سیر اور میری ساری دنیا تم ہو''۔
''اچھا''۔ وہ شرمائی۔
''ہاں، اور آج میں ساری دنیا کی سیر کروں گا''۔
اس کی شرارت بھری سرگوشی نے اسے شرم سے چہرہ چھپانے پر مجبور کر دیا۔
''عیسیٰ......'' وہ نئی نویلی دلہن کی طرح شرماتی اس کے آتش شوق کو مزید ہوا دے رہی تھی۔
''رابیل''۔ وہ اسی کے انداز میں بولا تو اس نے اس کے بازو پر مکا مارا، وہ ہنس پڑا۔
''تم جو نئی نویلی دلہن کی طرح میرا اقرار لوٹ رہی ہو پچھلے کئی گھنٹوں سے تو، سہاگ رات منانے کا دل تو چاہے گا نا''۔ رابیل نے شرم سے بے حال ہوتے ہوئے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، وہ اس کا ہاتھ ہٹاتا ہوا ہنس دیا۔
''اتنی ساری خوشیاں دی ہیں تم نے مجھے، ان خوشیوں کا خراج وصول نہیں کرو گی، دوری کی گنجائش کہاں رہی ہے اب میری زندگی؟ اپنی چاہت سے یہ رات امر کر لیں ہم دونوں''۔ عیسیٰ نے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر اپنی چاہتوں کی سیج پر پھولوں کی طرح سے لٹا دیا، اور خوشبو اور عطر میں بستی محبتیں اس کے کومل وجود پر بے خودی سے، خوشدلی سے نچھاور کرنے لگا، اس کے لمس کا ہر ذرہ، کہہ رہا تھا مجھے چاہت تمہاری ہے۔

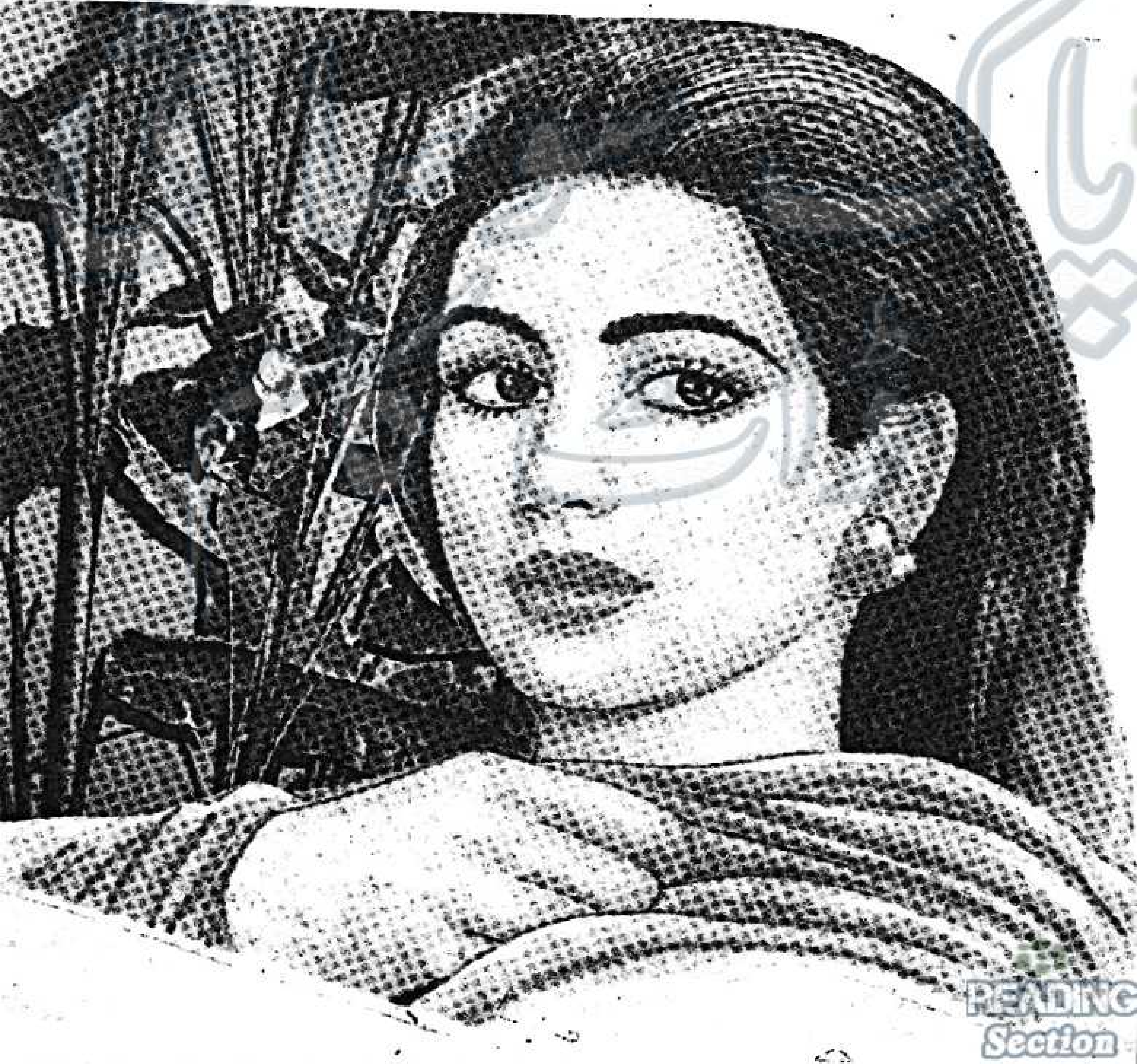
......☆......

جویریہ بانو

ناولٹ

پارسا

وہ ابھی چارہ کاٹ کے سیدھی ہوئی ہی تھی کہ عصر کی اذانیں شروع ہوگئیں، اس نے مضبوطی سے چارے کو باندھا، درخت کے نیچے بندھے گدھے کو کھولا اور گٹھڑ، اوزاروں سمیت اس پر لاد دیا۔



"چل راجو! سیدھا گھر چلا جا، میں ساگ توڑ کر آتی ہوں"۔ کہتے ہوئے اس نے راجو کو پگڈنڈی نما کچی سڑک پر چڑھا دیا اور خود نالے کے ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے لگی، عصر کی نماز سے فارغ ہو کر اس نے ساگ توڑا اور اس کو باندھ کے جب وہ کھیتوں سے نکل کے گھر جانے والے رستے پر آئی، تو سورج غروب ہو رہا تھا، کچی سڑک کے بالکل ساتھ نالہ بہتا تھا اور نالے کے ساتھ ہی اس کے کھیت تھے، جنہیں پچھلے چار سالوں سے وہ تن تنہا اگاتی اور کاٹتی چلی آ رہی تھی،

اپنی ہی سوچوں میں غلطاں وہ ابھی گھر سے کافی دور تھی، جب اس نے اپنے نام کی پکار سنی، ذرا سا رکی اور جب اندازہ ہوا کہ آواز کس نے دی ہے، تو تیوریاں چڑھا کے دوبارہ چل پڑی۔

"پارسا......!" اس بار آواز دینے کے ساتھ ہی وہ اس کے عین سامنے آیا تھا، پارسا کی آنکھیں غصے سے بھر گئیں۔

"کیا تکلیف ہے؟" پھاڑ کھانے والے انداز میں وہ سامنے کھڑے سعدی پر برسی تھی، جس نے اس کے



تھکن زدہ چہرے کو بڑی فرصت سے پڑھا تھا۔
"میری عرضی کا کیا بنا؟" وہ بولا۔
"چھپڑ (گندے نالہ) میں پڑی ہوگئی، جا کے دیکھ لے کیا بنا؟" پارسا کا لہجہ تبدیل نہ ہوا۔
"پہلے یہ بتا کہ مجھے دیکھ کے تجھے غصہ کیوں چڑھ جاتا ہے"۔ سعدی جھلا گیا۔
"مجھے ناں تیری شکل بہت بیٹری (بری) لگتی ہے، اس لئے غصہ چڑھتا ہے"۔ وہ بولی۔
"اب میں اپنی شکل تو تبدیل کرانے سے رہا"۔ وہ بے چارگی سے بولا۔
"تو اپنی شکل کے ساتھ جو مرضی کر، بس میرے رستے سے دفع ہوجا"۔ سعدی کو ایک طرف دھکا دیتے ہوئے وہ آگے بڑھی، مگر وہ سرعت سے پھر اس کے سامنے آ گیا۔
"پارسا! کوئی ایک وجہ تو بتا دے انکار کرنے کی۔" وہ بولا۔
"سعدی ایک وجہ نہیں ہے، پورا پہاڑہ ہے جو میں تجھے 80 وری (دفعہ) سنا چکی ہوں، پر تو ڈھیٹوں کا سردار ہے، شریفوں کی طرح بات کرنی تو تجھے آتی نہیں"۔ پارسا دوبارہ آگے بڑھی تھی۔
"اب شریفوں کی طرح ہی بات کرنے آوَں گا میں"۔ سعدی نے اس کے پیچھے سے آواز لگائی تھی، پارسا تیز تیز قدم اٹھاتی نکلتی چلی گئی اور جب وہ گھر میں داخل ہوئی تو مغرب کی اذانیں شروع ہوگئیں تھیں۔
"اماں! احمد آ گیا......؟" ساگ کا گٹھا ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔
"نہیں مگر......" اور پارسا کے غصے کو بھڑکانے کے لئے "نہیں" لفظ ہی کافی تھا، تیر کی طرح وہ باہر نکلی تھی اور جب دوبارہ واپس آئی تو اس کے ایک ہاتھ میں احمد کی گردن تھی اور دوسرے ہاتھ سے وہ اس پر مکے برسا رہی تھی۔
"تیرا باپ تو ایسا نہیں تھا ذلیل تو کس پر چلا گیا آوارہ......" اس کے آگے گالیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا، اماں نے بمشکل احمد کو اس کے چنگل سے چھڑوایا۔
"چھڈ (چھوڑ) دے اسے مار کے دم لے گی کیا"۔ وہ بولیں۔
"پتہ نہیں میرا ابھی اور کتنا امتحان باقی ہے، پتہ نہیں میں کب مروں گی"۔ غصے میں بولتی وہ پانی کی بالٹی بھرنے لگی تھی۔
"ہوش کر کڑیئے! مغرب ویلے (وقت) خود کو بددعائیں نہ دے"۔ اماں نے احمد کو کھانا دیا تھا، پارسا نے ابھی کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ کھلے دروازے سے ثمن کی شکل نظر آئی۔
"تو آج پھر سعدی سے ملی تھی ناں"۔ ثمن نے باقاعدہ اپنی شامت کو آواز دی تھی، اس کی بات سن کے پارسا نے کھٹاک سے پانی کی بھری بالٹی نیچے پھینکی تھی، اماں اس کے تیور بھانپ گئیں۔
"نی ثمن! جا اپنے گھر، جا جلدی"۔ مگر ثمن آگے کو آئی تھی۔
"ٹھہر جا خالہ! مجھے اس سے بات کر لینے دے، آخر یہ چاہتی کیا ہے"۔ کہہ کر وہ پارسا کی طرف مڑی۔
"تو بیوہ ہے ناں تو بیوہ بن کر رہ۔ پھلجڑی نہ بن، سمجھی دور رہا کر سعدی سے"۔ پارسا ایک دم آگے کو آئی اور جھپٹ کے اس کی چٹیا پکڑی تھی۔
"تو شکر کر اس وقت میرے ہاتھ میں یہ بالٹی ہے، درانتی ہوتی تو اس گھر سے تیری لاش باہر جاتی، کمینی عورت میری بات مان، سعدی کو ناں اپنے پلو سے باندھ لے، ہر وقت تیرے ساتھ ساتھ ہی رہا کرے گا، پھر، بلکہ تو اس کے ڈیرے پر ہی کیوں نہیں رہ لیتی ساری راتی اس کی منجی (چارپائی) پر اس کے ساتھ......" اس سے آگے سننے کی ثمن میں تاب نہیں تھی، وہ توبہ توبہ کرتی باہر نکل گئی۔
"ذلیل لڑکی میری بلا سے تم اور سعدی دونوں کھوہ میں جا پڑو کم بختو"۔ اماں اس کے منہ سے نکلتے لفظوں کی تیز طراری اور آنکھوں سے نکلتے آنسوؤں کے درد کو

دیکھ کر رہ گئیں۔

☆......☆

وہ نہار ہی تھی جب باہر کا دروازہ کھٹکا۔

"مریم! دروازہ کھولنا"۔ اس نے اندر سے ہی مریم کو آواز دی تھی، مریم بڑی کوفت سے اپنا کام چھوڑ کر اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھی۔

"پھر کون......؟" کہتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

"مریم کون ہے"؟ اس نے دوبارہ پوچھا اور اس سے پہلے کے مریم اسے جواب دیتی، سعدی نے آگے بڑھ کر مریم کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ساری عمر چھلی ہی رہیں تو"۔ اس نے ہولے سے کہتے ہوئے مریم کو چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ مریم اس کی بات سن کر ہنس دی۔

"اماں کدھر ہے تیری؟" سعدی نے پوچھا اور اس سے پہلے کے مریم جواب دیتی، پارسا خود ہی باہر آئی تھی، سیاہ رنگ کا سوٹ، گیلے بال تولئے سے لپیٹے ہوئے، ایک ہاتھ میں میلے کپڑے اور دوسرے میں ٹب......" سعدی کو پلکیں جھپکنے میں صدیاں لگ گئیں اور پارسا کی تیوریاں چڑھ گئیں، میلے کپڑے نیچے پھینکتے ہوئے وہ مضبوط قدموں سے اس کی طرف بڑھی، بڑا دوپٹہ کھینچ کے گلے میں ڈالا اور عین اس کے سامنے آئی، مریم ڈر گئی۔

"ہمت کیسے ہوئی میرے گھر آنے کی؟" وہ زور سے بولی۔

"تو نے خود ہی تو شریفوں کی طرح بات کرنے کا بولا تھا"۔

"سعدی! شریفوں کی طرح بات بھی ناں شریف لوگ ہی کرتے ہیں، تیرے جیسے چھٹے ہوئے بدمعاش نہیں"۔ سعدی کا چہرہ لحہ بھر کے لئے تاریک ہوا تھا۔ "پارسا! تو میرا یقین کیوں نہیں کرتی"۔ وہ بے چارگی سے بولا تھا۔

"کیوں کروں تیرا یقین اور کیسے کروں سعدی؟ اپنے کرتوت دیکھے ہیں تو نے، چوری چکاری، غنڈہ گردی، مار پیٹ، اور پھر تجھے میں ہی نظر آئی ہوں گلچھڑے اڑانے کے لئے"۔ پارسا کی زبان شروع ہو گئی تھی۔

"پارسا! میری گل (بات) سن......" مگر پارسا چپ نہ ہوئی۔

"نہیں! تو میری گل سن، تجھے میں بیوہ ہی نظر آئی ہوں اپنی عیاشیوں کے لئے، میری عزت نہیں کرتی تو نہ کر، کم از کم اپنے سجن (دوست) کی بیوہ سمجھ کر ہی عزت کر لے"۔ پارسا کی آواز اونچی ہوتی جارہی تھی۔

"پارسا! چپ تو ہوجا"۔ سعدی جھلا کر بولا۔

"اونچی آواز میں بات بھی کی ناں مجھ سے تو منہ توڑ دوں گی سمجھا، تیری دل لگی ہوجائے گی اور میں تباہ ہو کر رہ جاؤں گی، تیرا کیا ہے، آج میں کل کوئی اور، پرسوں کوئی......" اور شاید اس لمحے سعدی کی بس ہوگئی، آنکھیں کھولے، منہ پھاڑے پارسا کی باتیں سنتی مریم کی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے پارسا کے لبوں کو اسٹاپ لگایا تھا۔ پارسا دم بخود رہ گئی۔ سیڑھیوں سے نیچے اتر کے احمد نے بڑے مزے سے اپنی غصیلی اماں اور سعدی چاچو کا "سین" دیکھا تھا۔ اماں کمرے سے باہر آئی اور پھر توبہ توبہ کرتی دوبارہ کمرے میں گھس گئی، سعدی کا پیچھا کرتی تمن دروازے تک آئی، رکی، ٹھٹھکی آنکھیں ایک دم پھٹیں، ہاتھ لبوں تک گئے اور پھر تاب نہ لاتے ہوئے واپس پلٹ گئی، چند لمحوں بعد سعدی نے اسے رہا کیا تھا پارسا کی خوبصورت آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں، سعدی کی یہ بے باکیاں وہ دو سالوں سے برداشت کرتی چلی آرہی تھی اور دن بدن یہ بے باکیاں شدید سے شدید تر ہوتی جارہی تھیں۔

"آخری وری (دفعہ) کہہ رہا ہوں، میرے سامنے تھوڑا بولا کر"۔ خاموش کھڑی پارسا کو بڑی فرصت سے نظر بھر کر دیکھتا وہ باہر نکل گیا۔

☆......☆

وہ کب سے چولہے کے پاس بیٹھی راکھ کرید رہی تھی، چائے کا پیالہ کب ختم ہوا، اسے پتہ ہی نہ چلا، اماں احمد کو سلا کے اس کے پاس آ بیٹھیں۔

"پارسا!" وہ ایک چونکی۔

"میں نے ایک وری (دفعہ) پہلے بھی تجھے کہا تھا کہ تو نہیں ہے میری، تو میری دھی ہے، تجھ میں اور مریم میں کبھی فرق نہیں کیا میں نے، آج فیر (پھر) دھی سمجھ کر کہہ رہی ہوں، ایک وری (دفعہ) سعدی کی گل (بات) پر یقین کر کے تو دیکھ"۔ پارسا نے تیزی سے اس کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے اماں! مان لی تیری بات، کر لیا یقین تیرا بھی اور سعدی کا بھی، پر اس کے بعد کیا ہوگا اماں، یہ بھی سوچا ہے تو نے؟" پارسا کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں، اماں چپ تھیں۔

"ایک نمبر کا آوارہ ہے وہ سعدی، فائدہ اٹھا کے چل نکلا تو کیا کروں گی میں پھر، احمد ابھی صرف چار سال کا ہے، نہ عقل نہ سمجھ، مریم کو دیکھ کر ویسے ہی ہول جاتی ہوں میں کہ اس جھلی کے آگے سے میں ہٹ گئی تو کیا بنے گا اس کا، تیری بیماری اور بڑھاپا ایک طرف، اور سب سے بڑی گل یہ کہ دشمن کی بہن سمیت اس پورے خاندان نے میری عزت اچھال کر وچ (بیچ) دینی ہے سارے پنڈ (گاؤں) میں، سعدی کی ماں نے میرے سولہ سو ٹوٹے کر دینے ہیں"۔ وہ رو رہی تھی۔

"اور پھر اماں! میں بیوہ ساتھ میں ایک بچے کی ماں اور وہ کنوارہ، مجھ سے چار سال چھوٹا"۔ اماں نے اسے خود سے لگایا تھا۔

"تو فیر کیسے گزارے گی پہاڑ جیسی زندگی، میں آج ہوں، کل نہیں ہوں گی"۔ اماں بولی تھیں۔

"عادی ہوگئی ہوں میں اب ایسی زندگی کی، اب تو گزار لوں گی پر سعدی دغا دے گیا تو پھر نہیں جی پاؤں گی نہیں اماں! مجھے نہیں کرنا اس کا یقین"۔ پارسا کی بہتی آنکھیں ایک دم بند ہوئی تھیں، پانچ سال پہلے اس کی اور حاتم کی شادی ہوئی تھی، ہمیشہ ساتھ دینے کے وعدے تو کئے مگر شادی کے صرف ایک سال بعد ہی حاتم اسے ڈھیر ساری ذمہ داریوں کے ساتھ تنہا چھوڑ گیا۔ چند ماہ کا بیٹا، پاگل نند اور بوڑھی ساس...... پارسا واپس نہ گئی، حاتم کے گھر والوں کے لئے سہارا بن گئی اور شاید پوری زندگی بنی رہتی، مگر نہ جانے کیسے سعدی اس کی زندگی میں آ گیا، اسے بھی نہ جانے ایک دم کیا ہوا تھا، جب اس کی اور حاتم کی شادی ہوئی تھی تب ڈھول بجانے اور شور وغوغا کرنے میں وہ سب سے آگے تھا۔

"ویر میرا گھوڑی چڑھیا"۔ گا گا کے اس نے حلق سجا لیا تھا، مگر حاتم کے جانے کے بعد نہ جانے کیسے وہی پارسا اچھی لگنے لگی جو صدیوں سے نظروں کے سامنے تھی، جو ہمیشہ حاتم کے لئے ٹھیک لگی تھی، جو اس سے چار سال بڑی تھی مگر دل مجبور تھا۔

......☆......

وہ ٹرین کے ذریعے شہر تک آیا تھا، یہاں سے لوکل بس کے ذریعے بڑے قصبے اور وہاں سے ایک ریڑھی پر بیٹھ کر متعلقہ گاؤں پہنچا تھا، پورا جسم گرد سے اٹ گیا تھا، ریڑھی والا اسے گاؤں کی اکلوتی مسجد کے پاس اتار کر چلا گیا، اپنا سفری بیگ کندھے پر ڈالے وہ آگے بڑھا، ڈھول گوبر کی بدبو، سرسبز کھیت، کالی کالی بھینسوں سمیت اس گاؤں کی ہر چیز اس کا استقبال کرنے کو تیار کھڑی تھی۔

"بھائی صاحب! یہاں کا سرکاری اسپتال کدھر ہے؟" اس نے ایک راہگیر سے پوچھا۔

"اوہو! اسپتال کہاں ہے جی ڈسپنسری ہے وہ نکی سی (چھوٹی سی)، اس طرف آگے جا کر ہے"۔ وہ شکریہ ادا کرتا اس طرف آ گیا، اندر صرف ایک کمپاؤنڈر بیٹھا ہوا تھا، اٹھ کر بڑے تپاک سے ملا۔

"کب تک رہیں گے یہاں سر جی؟" وہ اس کے لئے کھانا بھی لے کر آیا تھا۔

"پتہ نہیں، جب تک سرکار چاہے"۔ وہ کھانا کھاتے ہوئے بولا۔

"صاحب جی! آپ رہیں گے کہاں"؟ وہ بولا۔
"کوئی کرائے کا مکان نہیں ملے گا یہاں؟" وہ خود بھی پریشان ہوا تھا۔
"مکان تھا تو سہی پر پچھلے ہفتے کرائے پر چڑھ گیا"۔
"صاحب جی! ایک اور جگہ ہے پر مجھے یقین ہے کہ آپ وہاں دو دن بھی نہیں رہ پاؤ گے"۔ وہ ایک دم اس کی طرف مڑا۔
"کون سی جگہ"؟
"پارسا کے گھر کا اوپر والا کمرہ، وہ اسے کرائے پر دیتی ہے مگر صاحب جی! ایک نمبر کی غصیلی اور لڑاکا عورت ہے جی وہ، اور آپ کو مرد ذات سمجھ کر تو شاید بالکل بھی نہ دے"۔ کمپاؤنڈر کی بات سنتے ہوئے بھی اس نے پارسا کا ایڈریس لے لیا تھا اور عصر کی اذانیں ہو رہی تھیں جب وہ اس کے گھر کی طرف چل پڑا۔ آفیسر کے طور پر وہ اس گاؤں میں تعینات ہوا تھا، اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کا پروفیشن اسے ایسی جگہ لا پھینکے گا جہاں رہنے کے لئے گھر تک نہیں ہوگا۔

☆......

"تیری جھلی نند سعدی کے ڈیرے پر گئی ہوئی ہے"۔ ایک تو ایسی خبر، دوسرے ثمن کی زبانی...... چارہ کاٹتی پارسا کے سر سے لگی اور تلوؤں پر آ کر بھی نہ بجھی، غصے میں کھولتی وہ سعدی کے ڈیرے پر آئی تھی، وہاں ثمن کے علاوہ احمد کو دیکھ کر اسے اور غصہ آ گیا، سعدی بڑے مزے سے اسے گود میں بٹھائے پستول چلانا سکھا رہا تھا، پارسا نے کھینچ کے احمد کو اس کی گود سے نکالا تھا، مریم بھی ایک دم ڈر گئی۔
"پھر تو کہتا ہے کہ تجھ میں کمی کیا ہے، سعدی تو مجھ سے یہ پوچھا کر کہ تجھ میں کیا کمی نہیں ہے لفنگے"۔ پارسا نے مریم کے ایک جڑی تھی۔
"کم از کم اسے تو بخش دے، اس کے پاگل پن پر ہی ترس کھا لیا کر"۔ سعدی کی بس ہو گئی۔

"پارسا! کیا بکے جا رہی ہے، چھوٹی پین (بہن) ہے میری"۔ پارسا نے ایک دم اس کی بات کاٹی۔
"یہ صرف تو کہتا ہے سارا پنڈ نہیں مانتا تیری اس بات کو، میری زندگی پہلے ہی بہت مشکل ہے سعدی! اسے اور مشکل نہ کر، تیری مہربانی"۔ کھٹاک سے اس کے آگے ہاتھ جوڑ کے اس نے دونوں ہاتھوں سے مریم اور احمد کو دبوچا اور گھر کی طرف لے چلی۔
"خبردار! جو آئندہ اس بدمعاش کے اڈے پر گئی تو"۔ گھر آ کر اس نے مریم کے ایک اور لگائی تھی، وہ گھٹ گھٹ کر رونے لگی، ثمن کا غصہ اس پر نکل گیا تھا، تبھی باہر کے دروازے پر دستک ہوئی، بھینسوں کے لئے پانی بھرتی وہ ایک دم دروازے کی طرف آئی تھی۔
"کسے موت آ گئی ہے اب؟" کہتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا تھا اور باہر کھڑا ڈاکٹر اسامہ نعیم جو کسی خونخوار، کالی، موٹی سی عورت کے دیدار کا سوچ رہا تھا، اس 27 سالہ لڑکی کو دیکھ کر حیران رہ گیا جو غصہ بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"فرماؤ"۔ وہ ایک دم بولی۔
"جی مجھے پارسا سے ملنا ہے"۔ اسامہ گڑبڑا گیا۔
"میں ہی ہوں پارسا، بولو!" وہ اسی لہجے میں بولی۔
"وہ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ اوپر والا کمرہ کرائے پر دیتی ہیں تو میں اسی سلسلے......" پارسا نے اس کی بات پوری بھی نہ ہونے دی"۔
"میں مردوں کو کمرہ نہیں دیتی"۔ کہہ کر اس نے دروازہ بند کرنا چاہا، مگر اس ڈبے نما ڈسپنسری کا خیال آتے ہی اسامہ لپک کے دو قدم آگے آیا تھا۔
"دیکھیں پلیز! میری شرافت کی آپ چاہے قسم لے لیں، میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی، میں یہاں سرکار کی طرف سے آیا ہوں، یہاں کا نیا ڈاکٹر"۔ پارسا نے اس کی پوری بات سنی اور دوبارہ دروازہ بند کرنا چاہا۔
"دیکھیں پلیز تھوڑا سا رحم کھائیں، کرایہ جتنا آپ

چاہیں پلیز"۔ آدھا گھنٹہ وہ منتیں کرتا رہا تب کہیں جا کے پارسا راضی ہوئی۔

"آؤ......!" کہتے ہوئے اسے سیدھا اوپر لے آئی۔

"ضروری چیزیں یہاں ہیں، باقی جو چاہئے ہو وہ خود خرید لینا، مجھ سے جس دن شکایت کی اسی دن سامان سمیت باہر پھینک دوں گی اور کرایہ لیٹ نہ ہو"۔ اس کی ہر شرط پر وہ سر ہلاتا چلا گیا تھا۔

......☆......

وہ تیزی سے چارہ کاٹ رہی تھی جب اس نے اپنے پیچھے سعدی کی طنزیہ آواز سنی۔

"تو نے پھر کمرہ کرائے پر چڑھا دیا، وہ بھی ایک منڈے کو"۔ پارسا کو اس کی بات، آواز سے زیادہ بری لگی۔

"سعدی! تجھے اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے"۔ سعدی اس کے سامنے آیا تھا۔

"کیوں......؟" وہ بولا۔

"سعدی! خدا کا واسطہ میرا سر نہ کھا، میری طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے"۔ پارسا کی شکل سعدی نے اب غور سے دیکھی تھی۔

"کیا ہوا......؟" کہتے ہوئے اس نے پارسا کی کلائی تھامی، وہ آگ کی طرح گرم ہو رہی تھی۔

"پارسا! تجھے تو تاپ چڑھا ہوا ہے، اٹھ جلدی گھر جا"۔ سعدی کے ذہن سے "کرائے دار" ایک دم اڑنچھو ہو گیا۔

"ابھی کام ہے مجھے، بعد میں چلی جاؤں گی، تو جا"۔ پارسا نے دوبارہ درانتی اٹھائی مگر سعدی نے اس کے ہاتھوں سے چھین لی۔

"چپ ہو جا اب اتنی تو ہرکولیس کی اولاد نہ ہو تو، چل اٹھ ورنہ گود میں اٹھا لوں گا"۔ دھمکیاں دے کر سعدی اسے گھر لے کر آیا مگر اندر داخل ہوتے ہی پارسا کو غصہ آ گیا، اسامہ صحن میں بیٹھا مریم سے باتیں کر رہا تھا، وہ تیر کی طرح اس کی طرف آئی۔

"نیچے کیوں آئے ہو"؟ اسامہ ایک گھبرا گیا۔

"پارسا! ڈاکٹر کہہ رہا ہے کہ مریم دوبارہ ٹھیک ہو سکتی ہے"۔ اماں کی بات سن کر پارسا اور سعدی دونوں کا غصہ اڑنچھو ہوا تھا۔

"سچی......" وہ ایک دم آگے کو آئی۔

"آپ کی والدہ نے بتایا کہ یہ پیدائشی ایسی نہیں تھی تو یہ دوبارہ ٹھیک ہو سکتی ہے، لیکن مکمل علاج کرانا ہوگا"۔ اسامہ ٹھہر ٹھہر کر بتا رہا تھا، سعدی ایک دم اسامہ کے سامنے آیا تھا۔

"ڈاکٹر! تو نے اس جھلی کو ٹھیک کر دیا ناں تو قسم سے ساری زندگی خدمت کروں گا تیری"۔ خوشی، سعدی اور پارسا دونوں کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔

"لگتا ہے آپ دونوں کو بہت عزیز ہے یہ"۔ اسامہ کہے بغیر رہ نہ سکا۔

"عزیز تو بڑا نکا (چھوٹا) لفظ ہے ڈاکٹر! یہ جھلی جب روئی ہے ناں میرے پاس ہی آئی ہے، جب ہنسی ہے تب بھی میرے پاس ہی آئی ہے، اس کی اکھیوں کے ہنجو (آنسو) پچھلے 20 سال سے صاف کرتا آ رہا ہوں میں یہ پارسا بڑی ہمدرد بنتی ہے ناں اس کی، پر یہ بھی اسے اتنا نہیں چاہتی ہوگی جتنا میں"۔ پارسا دم بخود کھڑی سعدی کی جھلملاتی آنکھیں دیکھ رہی تھی جو سچائیوں سے لبالب تھیں، وہ گواہ تھی سعدی کی ان سچائیوں کی، اب تک مریم کو ایک مہربان دوست کی طرح وہ ہی سنبھالتا آیا تھا۔

......☆......

آج وہ اور اسامہ، مریم کو لے کر شہر آئے تھے، اسامہ نے اسے کئی جگہ چیک کروایا تھا، مریم کے ٹھیک ہونے کی امید ایک دم بڑھ گئی تھی، وہ اور اسامہ جب گھر واپس آئے تو ثمن اور اس کی بھابھی پہلے سے براجمان تھیں، انہیں دیکھتے ہی پارسا کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"تیرے سے بات کرنی ہے پارسا"۔ ثمن کی بہن آگے کو آئی تھی۔ اماں ایک طرف سرخ آنکھوں کے ساتھ چپ بیٹھی تھیں۔

"تو خود سعدی کا پیچھا چھوڑے گی کہ میں کچھ کروں"۔ پارسا ایک دم سرخ ہوئی تھی۔

"پہلے مجھے یہ بتا کہ تو میرے گھر کھڑی ہے یا میں تیرے گھر، ہمت کیسے کی تو نے میرے ساتھ اس لہجے میں بات کرنے کی"۔ مریم ایک دم ڈر گئی۔

"میں اس سے زیادہ ہمت بھی کرلوں گی اگر تو نے سعدی کا پیچھا نہیں چھوڑا تو، وہ صرف تیری وجہ سے ثمن سے شادی سے انکار کر رہا ہے"۔ پارسا نے آگے بڑھ کے ثمن کا بازو جھنجھوڑا تھا۔

"10 سال ہو گئے ہیں اس تتلی کو سعدی کے آگے پیچھے پھرتے، آج تک اسے قابو نہیں کر سکی، 10 سالوں میں یہ سکھایا تو نے اسے میری بلا سے تو خود وی چاہے سعدی سے ویاہ کرلے پر آئندہ میرے گھر قدم رکھنے کی جرات نہ کرنا، ٹوٹے کردوں گی دونوں کے"۔ پارسا نے ثمن کو گھر سے باہر دھکا دیا تھا۔

"میرا بس چلے تو تجھے اور سعدی دونوں کو گولی ماردوں"۔ اسامہ اوپر چلا گیا تھا۔

"احمد کہاں ہے"۔ اس نے چلا کے اماں سے پوچھا تھا۔

"اسے سعدی لے گیا تھا"۔ تیز گام کی رفتار کو مات دیتی وہ سعدی کے ڈیرے کی طرف آئی تھی۔

"احمد کہاں ہے؟" سعدی کے اسکوٹر کو صاف کرتے شرفو سے پوچھتے ہوئے وہ آگے آئی تھی، احمد سعدی کی گود میں بیٹھا پستول دیکھ رہا تھا، پارسا نے کھینچ کے اسے سعدی کی گود سے نکالا اور تھپڑ لگایا۔

"سکھا اسے بھی اپنی طرح گولیاں چلانا سکھا دے"۔ سعدی ایک دم کھڑا ہوا تھا۔

"سعدی! صرف تیری وجہ سے مجھے ٹکے ٹکے کے لوگوں کی باتیں سننا پڑتی ہیں، تیری وجہ سے پورے پنڈ میں بدنام ہو کر رہ گئی ہوں میں"۔ پارسا کی آواز بھرانے لگی تھی۔

"پارسا! میری بات سن ذرا"۔ سعدی آگے کو آیا۔

"نہیں سننی ہے تیری کوئی بات، اول نمبر کا بدمعاش اور ڈھیٹ ہے تو، سعدی خدا کا واسطہ میرا پیچھا چھوڑ دے تھوڑا سا رحم کر مجھ پر"۔ پارسا کی آواز تیز سے تیز ہوتی جا رہی تھی، سعدی نے کئی بار بولنے کی کوشش کی مگر بے سود، چند لمحوں بعد اس نے شرفو کی طرف دیکھا۔

"احمد کو گھر لے جا"۔ کہتے ہوئے وہ ایک دم آگے بڑھا اور نان اسٹاپ بولتی ہوئی پارسا کو تھاما۔

"سعدی ذلیل، چھوڑ مجھے"۔ شرفو، احمد کو لے گیا، سعدی اسے لے کر اندر کی طرف آیا۔

"سعدی چھوڑ مجھے"۔ وہ اسے کمرے کی کنڈی لگانے نہیں دے رہی تھی۔

"استاد! میں لگا دیتا ہوں"۔ باہر سے کاشی کی آواز آئی تو سعدی نے پارسا کی طرف دیکھا۔

"بند کر لینے دیتی تو تیرا ہی فائدہ ہوتا"۔ کاشی نے کنڈی لگا دی سعدی نے پاگل ہوتی پارسا کو چارپائی پر پھینکا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ اٹھتی اس کے دونوں بازو اوپر کی طرف جکڑتا ایک دم اس پر جھک گیا، پارسا بول بھی نہ سکی۔

"میری ایک گل یاد رکھیں پارسا!" وہ اس کے سرخ چہرے اور آنسو بھری آنکھوں کو فرصت سے تکتا ہوا بولا تھا۔

"میں آج وی (بھی) یہیں اور تو وی، میں کل وی یہیں اور تو وی"۔ کہتے ہوئے وہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا، پارسا کی سانسیں درہم برہم ہو رہی تھیں، چند لمحوں بعد وہ ایک دم سیدھی ہوئی، جھک کے دوپٹہ اٹھایا اور جب سعدی کی طرف دیکھا تو آنکھیں ایک دم چھلک گئیں، سعدی اسے دیکھتا رہ گیا۔

"آج میرے سر کا سائیں زندہ ہوتا تو میں دیکھتی کہ تو میرے ساتھ ایسا کرنے کی سوچنے کی ہمت بھی کیسے کرتا، پر اکیلی ہوں ناں میں، کوئی ڈھال نہیں ہے میرے آگے، اس لئے تو جب چاہتا ہے، جہاں چاہتا

ہے روک کر کھڑا ہو جاتا ہے"۔ اس سے آگے اس کی بس ہوگئی، زور زور سے دروازہ بجا کر وہ باہر نکلی اور بھاگ لی تھی، سعدی گم صم بیٹھا رہ گیا۔

......☆......

اسامہ نے مریم کا باقاعدہ علاج شروع کر دیا تھا، پارسا کا رویہ ایک دم اس کے ساتھ تبدیل ہوگیا، اس دن وہ چھت پر بنے چھوٹے سے ڈربے نما کمرے کے آگے کھڑا چائے پی رہا تھا جب اس کی نظر کپڑے دھوتی پارسا پر پڑی، وہ جیسے چائے کے سپ لینا بھول گیا۔

"یہ کم بخت دل بھی ناں، اس جگہ دھڑکتا ہے جہاں شاید خاموش رہنا ہوتا ہے"۔ اب بھی اسے لگا جیسے دل دھڑک دھڑک کے ایک دم سینے سے باہر آجائے گا، پارسا پر سے نظریں ہٹانا دوبھر ہوگیا، پچھلے کئی دنوں سے وہ اپنی یہ کیفیت محسوس کر رہا تھا، وہ جانتا تھا کہ اس کا اس گاؤں میں آنا مجبوری تھی، وہ صرف چند ماہ کے لئے یہاں آیا ہے اور کنٹریکٹ ختم ہوجانے کے بعد اسے چلے جانا ہے، مگر یہ بات صرف وہ جانتا تھا، اس کا مچلتا دل نہیں، اب بھی پارسا کی نظریں خود کی طرف اٹھتی دیکھ کر وہ پیچھے ہٹ گیا، پارسا اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی، اس دن اسے مریم کے ساتھ ایک بار پھر شہر جانا تھا، سو اس نے جلدی جلدی کام نمٹایا، ابھی وہ گھر سے کچھ دور تھی جب اس نے اپنے پیچھے سعدی کی آواز سنی، وہ ایک دم رک گئی"۔

"اب کیا ہے؟" وہ بولی۔

"پارسا! معاف کردے"۔ ساتھ بہتے نالے کا پانی جیسے رک گیا، سورج کی جاتی کرنیں سعدی کے چہرے کو دلکشی کے آخری کنارے پر لے گئیں تھیں اور اس پر مزید اس کا انداز...... پارسا بھی آخر انسان تھی، لڑکی تھی، محبت کی ترسی ہوئی لڑکی، اس کے چہرے سے نظریں موڑ نہ سکی۔

"معاف کردے ناں" وہ پھر بولا تھا۔

"محبت کرتا ہے ناں مجھ سے؟" وہ آہستگی سے بولی تھی۔

"تجھے شک ہے کیا؟" سعدی گھمبیر لہجے میں بولا تھا۔

"تو جن سے محبت کرتے ہیں ناں، ان کا خیال بھی رکھا جاتا ہے، ان کی مرضیوں کے آگے اپنی مرضیوں کی کوئی اوقات نہیں رہتی، ان کی باتوں کے آگے اپنی باتوں کو ختم کر دیتے ہیں، انہیں رلاتے نہیں ہیں، ہمیشہ ان کا ساتھ دیتے ہیں، سایہ بن کے مدد کرتے ہیں ان کی پر سعد تو کیا کرتا ہے، تیری وجہ سے دن میں ایک وری (دفعہ) ضرور روتی ہوں میں، ہمیشہ اپنی مرضی کی ہے تو نے، ہمیشہ اپنے بارے میں سوچا، کبھی میرا خیال کیا......؟ کبھی سوچا کہ پارسا کی مدد کروں، پارسا کا ساتھ دوں، نہیں، بلکہ بدنام کر دیا مجھے"۔ پارسا کی آنکھیں برس رہی تھیں۔ سعدی چپ کھڑا رہ گیا۔

"مجھے اور حاتم کو دوست کہتا تھا ناں تو، اس کے جانے کے بعد ایک دن بھی دوستوں کی طرح ساتھ نہیں دیا تو نے میرا، الٹا میری زندگی مشکل کر دی"۔ سعدی اس کے بہتے آنسوؤں کو دیکھ کر تڑپ گیا، سورج غروب ہوگیا تھا، وہ ہولے سے آگے بڑھا، دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اس کے آنسو پونچھے۔

"غلطی تو تیری بھی ہے ناں پارسا! یہ سب باتیں جو تو مجھے آج سکھا رہی ہے، چار سال پہلے سکھا دیتی تو میں بدل گیا ہوتا پر تو نے بھی تو ہمیشہ مجھے غلط سمجھا، ہمیشہ مجھ سے لڑائی کی، پر اب مجھے تیری قسم ہے پارسا! تجھے کم از کم یہ نہیں لگے گا کہ میں اکیلی ہوں وعدہ کرتا ہوں ہر مشکل گھڑی میں مجھے اپنے ساتھ پائے گی ہمیشہ"۔ اسے وعدوں کی مضبوط زنجیروں سے باندھتا وہ واپس مڑ گیا تھا، پارسا تھکے تھکے قدموں سے گھر واپس آئی تھی۔

"سعدی مجھے اس رستے پر نہ چلا جس پر مجھے حاتم نے چلایا تھا"۔ پوری رات آنسوؤں سے بھیگ گئی تھی۔

☆.......

اس دن کے بعد جیسے سعدی، پارسا کا نوکر ہو گیا، اسامہ کے کہنے پر وہ کب مریم کو شہر لے جاتا، پارسا کو پتہ بھی نہ چلتا، اس نے پارسا کو ایک روپیہ بھی نہ خرچ کرنے دیا، سعدی کی آنکھیں اسے چیر کر رکھ دیتیں، مریم دن بدن بہتر ہوتی جا رہی تھی اور اس کے ٹھیک ہونے میں سعدی کا سب سے بڑا کردار تھا، اسے ٹھیک طرح سے بولتا دیکھ کر سعدی کی آنکھیں چمک اٹھتیں، مریم خود بھی اس کے ساتھ بہت کھل مل گئی تھی، اس دن وہ اسامہ کے ساتھ مریم کو دیکھنے شہر آئی تو واپسی پر اسامہ نے اسے اپنے گھر چلنے کی دعوت دی تھی۔ اسامہ کے واپس شہر آنے میں چند دن باقی رہ گئے تھے اسامہ کی بات سن کر وہ چند لمحے کچھ بول نہ سکی۔ اسامہ کئی دفعہ ڈھکے چھپے لفظوں میں اسے اپنی مرضی جتا چکا تھا مگر پارسا ہر دفعہ نظر انداز کر دیتی تھی، آج وہ بھی کھل کر بول گیا۔

''آپ ایک دفعہ میری ماما سے مل لیں، پھر میں خود ان سے بات کر لوں گا''۔ اسامہ نے اسے سب کے بارے میں بتایا تھا، اپنی متوقع بیوی اور موجودہ منگیتر کے بارے میں بھی، بظاہر اسامہ کے گھر والے بڑے جوش سے ملے تھے، اسامہ کا گھر، اس کا مقام، اس کے گھر والے، ہر قدم پر اسے احساس ہو رہا تھا کہ فیصلہ کرنا مشکل ہے، گزارا کرنا اس سے زیادہ مشکل ہوگا، اسامہ کی سچائیوں پر شک نہیں تھا پر زندگی صرف اس کے ساتھ نہیں، اس کے گھر والوں کے ساتھ بھی گزارنی تھی، واپس آ کر بھی وہ چپ چپ سی تھی۔

''پارسا! تیرے سے ایک بات پوچھوں؟'' اماں اس کی خاموشی کو بھانپ گئیں۔

''بول اماں!'' پارسا بولی تھی۔

''پارسا! تو بچی نہیں ہے سمجھدار ہے، اپنا برا بھلا خود سمجھتی ہے، مجھ سے اسامہ نے بات کی تھی۔ پارسا چپ رہی۔

''کڑیئے! میں نے پہلے بھی تجھے کہا تھا کہ تو میری دھیوں جیسی ہے، تیری خوشی مجھے بہت عزیز ہے، تیرا ہر فیصلہ مجھے منظور ہوگا پر کڑیئے! اپنے سے چھوٹے لوگوں کے ساتھ چلنا آسان ہے پر خود سے وڈے (بڑے) لوگوں کے ساتھ چلنا بہت مشکل ہے، آنے والی زندگی میں جب قدم قدم پر اس گل (بات) کا احساس ہوگا تو زندگی بہت اوکھی (مشکل) ہو جانی ہے''۔ اماں اس کے پاس سے اٹھی تھیں، چند لمحے کھڑی رہیں اور پھر بولیں۔

''کنوارہ اور تجھ سے چھوٹا تو یہ بھی ہے''۔ پارسا سن رہ گئی تھی، اماں سچ کہہ رہی تھیں۔

اس دن سعدی کے بڑے بھائی کی شادی تھی، سعدی کے ہزار دفعہ کہنے پر وہ مریم کو لے کر آئی تھی، ثمن اور اس کی بہن نے بڑے کاٹ دار انداز میں دیکھا تھا۔

''آج تیری وجہ سے ثمن دلہن نہیں بن سکی''۔ پارسا ثمن کو دیکھ کر رہ گئی۔

''تو تو کسی کے بھی ویاہ میں نہیں جاتی، آج کیسے آ گئی''۔ نہ جانے کس نے پوچھا تھا۔

''سعدی کی وجہ سے آئی ہوگی''۔ ثمن کی کسی دوست نے کہا، پارسا برداشت کر گئی۔

''بڑا لمبا عرصہ ہو گیا ہے ناں اسے بیوگی کی چادر اوڑھے، اب اسے اتارنے کا دل کرنے لگا ہے اس کا''۔ بادل بڑی زور سے گرجا تھا، پارسا کا دل کانپ گیا، وہ ایک دم باہر کی طرف آئی تھی۔

''ابھی ایک بیٹا ہے اس کا تو تب یہ حال ہے، اکیلی ہوتی تو پتہ نہیں کیا گل کھلاتی''۔ پارسا کے قدم گھر کی دہلیز پر آ کر رکے تھے، بارش شروع ہو گئی تھی، سعدی نے بڑے فاصلے سے اسے دیکھا تھا، سیاہ رات سفید سوٹ، سفید چوڑیاں اور سفید چہرہ...... وہ اسے اداسی کا شاہکار لگی تھی، اس کی بہتی آنکھیں سعدی کو اس کی طرف کھینچ لائیں۔

''پارسا!'' سعدی کو دیکھ کر وہ آگے بڑھی تھی۔
''پارسا! میری بات تو سن''۔ سعدی نے اس کی کلائی تھامی تھی۔
''سعدی، نہیں''۔ سعدی نے اسے کھینچ کے اپنے سامنے کیا اور اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔
''کیوں؟ کیوں نہیں''۔ پارسا کے چہرے سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، سعدی کی خواہشات مچل مچل گئیں، خود سے بیگانہ ہو کر وہ اس پر جھکا مگر پارسا ایک دم اس کے گھیرے سے نکلی تھی، سعدی اس کے پیچھے آیا۔
''پارسا! سن تو......'' تیز برستی بارش میں وہ سیدھی گھر آئی تھی، دہلیز پار کی اور اس سے پہلے سعدی اندر آتا دروازہ بند کر دیا۔
''پارسا! دروازہ کھول، میری بات سن''۔ سعدی نے دروازہ دھڑ دھڑایا تھا، اسامہ جانے کس کام سے باہر آیا تھا مگر سفید کپڑوں میں ملبوس بارش میں بھیگی پارسا کو دروازے کے ساتھ کھڑا دیکھ کر ایک دم رک گیا۔
''سعدی! تیری ماں میرے ٹوٹے کر دے گی''۔ وہ بولی۔
''ہاتھ تو لگا کر دیکھے تجھے''۔ سعدی بولا تھا۔
''دشمن مجھے بدنام کر دے گی''۔ وہ نیچے بیٹھی تھی۔
''زمین میں گاڑھ دوں گا اسے''۔ سعدی پھر بولا تھا۔
''میرا ایک بیٹا ہے سعدی!'' وہ روئی تھی۔
''تجھ سے زیادہ پیار کروں گا احمد سے''۔ سعدی ہار سا گیا۔
''تو مجھ سے چھوٹا ہے''۔ پارسا نے آخری جواز نکالا تھا، سعدی ہار گیا۔
''پارسا! میں تیرے بغیر نہیں رہ سکتا''۔ وہ شاید رویا تھا، پارسا بول نہ سکی، اسامہ وہیں کھڑا رہ گیا، مریم نہ جانے کب سعدی کے پیچھے آ کے کھڑی ہوئی تھی۔
''سعدی......'' پارسا نے اس کی آواز سن کر دروازہ کھولا، سعدی ایک مڑا تھا۔
''سعدی تو مجھے وہاں اکیلا چھوڑ آیا، کیوں؟'' مریم روتے ہوئے سعدی کے سینے سے لگی تھی۔
''تیرے بغیر ڈر لگتا ہے مجھے میرے ساتھ رہا کر''۔ سعدی اور پارسا دونوں دم بخود رہ گئے نہ جانے کیسے سعدی کے لبوں سے نکلا تھا۔
''اگر تیرے ساتھ نہ رہوں تو......'' مریم تڑپ گئی۔
''تو میں مر جاؤں گی''۔ چھن کی آواز سے نہ جانے کس کا دل ٹوٹا تھا۔

☆......☆......☆

چڑھتی سردیاں مالٹے کے درختوں کو بور لگانے لگی تھیں، مریم اب بالکل ٹھیک ہو گئی تھی، اسامہ کے واپس جانے میں صرف ایک ہفتہ رہ گیا تھا، ابھی بھی وہ پارسا سے جواب کا تقاضا کر کے گیا تھا، وہ اسے کچھ بھی نہ بتا سکی، چپ چاپ اوپر چھت پر آ گئی۔
''تیرے پاس دو راستے ہیں پارسا! دو لوگ ہیں ان دونوں میں سے ایک کو چننا ہے تجھے''۔ اماں کی بات ذہن میں گونجی تھی۔
''آپ جو بھی فیصلہ کریں مگر یہ ذہن میں رکھ کہ کیجیے گا کہ مجھے پہلی بار کوئی پسند آیا ہے''۔ اسامہ کے لفظوں میں لفظ ''محبت'' کہیں بھی نہیں تھا۔
''ٹھیک ہے پارسا! وعدہ ہے تجھ سے، آج سے ہمیشہ تیرا ساتھ دوں گا، مگر تو بھی یاد رکھ کہ جب کسی سے محبتوں کی انتہائیں مانگی جاتی ہیں، تو پھر انہیں صلہ بھی اتنا ہی دیا جاتا ہے، وعدہ کر کے تو بھی مجھے برابر کا صلہ دے گی، دے گی ناں؟'' وہ سعدی کو ہاں نہیں کہہ سکتی تھی۔
''میرے جانے میں پانچ دن ہیں، جلدی فیصلہ کر لیں''۔ اسامہ اسے ابھی کہہ کر گیا تھا۔
''پارسا! پرسوں تک مجھے میرا صلہ دے دے، اماں، بھائی کے ساتھ شہر جا رہی ہے، اگر تو ہاں کہہ دے گی تو میں نہیں جاؤں گا''۔ سعدی نے کہا تھا۔

"اور اگر ہاں نہ کہوں تو......" اس کی اپنی آواز گونجی۔
"تو میں تب بھی نہیں جاؤں گا"۔ پارسا کو لگا جیسے اب سر کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے۔
"بھابھی!" اسے ایک دم مریم کی آواز آئی تھی۔
بھابھی! میں سعدی کو کھیر دے آؤں"۔ اس کی آواز کی کھنک، آنکھوں کی چمک، چہرے کی دھنک، پارسا نے جیسے لمحوں میں فیصلہ کیا تھا۔

.......☆.......

سورج آہستہ آہستہ غروب ہو رہا تھا، جب وہ سعدی کے ڈیرے کی طرف آئی تھی، شاید پہلی دفعہ ایسا ہوا تھا کہ اس کے قدموں میں تیزی نہیں تھی، آنکھوں میں غصہ نہیں تھا اور دل میں نفرت نہیں تھی۔
"سعدی کہاں ہے؟" شرفو اس کا لہجہ سن کے بے ہوش ہونے والا ہو گیا تھا، اس کی آواز سن کر سعدی خود ہی باہر آیا تھا، پارسا اسے دیکھ کر رہ گئی۔
"تیرے چہرے سے تو نہیں لگتا کہ تو مجھے کچھ دینے آئی ہے"۔ پارسا کی آنکھوں میں نمی سی ابھری تھی۔
"سعدی! میں تیری طرح امیر نہیں ہوں، میں آج بھی تجھ سے کچھ مانگنے ہی آئی ہوں، دینے نہیں آئی"۔ سعدی آگے کو آیا تھا۔
"بول......" وہ بولا، پارسا سے الفاظ جمع نہ ہو سکے، سعدی نے اسے دونوں کندھوں سے تھاما تھا۔
"مجھے پتہ ہے کہ تو مجھے کیا کہے گی"۔ یہ ہی ناں تو مجھ سے بہت بڑی ہے، بیوہ ہے، تیرا ایک بیٹا ہے، جبکہ میں تجھ سے چار سال چھوٹا ہوں، کنوارہ ہوں، تیرا اور میرا کوئی جوڑ نہیں ہے، اگر میں تجھ سے محبت کرتا ہوں تو مریم سے شادی کر لوں، ہے ناں"۔ سعدی کی زبان سے نکلے سچے الفاظ پارسا کا دل چھلنی کر گئے۔
"یہ ہی کہے گی نا؟" پارسا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
"تو ٹھیک ہے، تیری خواہش سر آنکھوں پر، کر لوں گا میں مریم سے شادی"۔ پارسا نے ایک دم نظریں اٹھا کر اسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں ہلکا سا شکوہ ابھرا تھا۔
"پارسا! مجھے اگر ایک فیصد بھی یقین ہوتا ناں کہ میرے انکار یا میری ضد سے تو میری بات مان جائے گی، تو میں کبھی ہاں نہ کرتا مگر میں جانتا ہوں کہ تو اکیلے میں رو لے گی، اپنا دل ایک بار پھر توڑ لے گی مگر میری بات نہیں مانے گی، اور تو نے خود ہی تو کہا تھا کہ جنہیں چاہتے ہیں انہیں رسوا نہیں کرتے، تو تجھے رسوا نہ کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہی ہے کہ میں مریم سے ویاہ کر لوں"۔ پارسا کی آنکھیں برس رہی تھیں۔
"اور جانتی ہے پارسا! میں نے واقعی مریم سے ویاہ نہ کیا تو وہ مر جائے گی، جس سے محبت کی جائے اور وہ نہ ملے، یہ اذیت میں تو سہہ گیا مگر وہ معصوم کڑی نہیں سہہ پائے گی، اس کا دکھ، تجھ سے زیادہ جانتا ہوں میں"۔ اس سے زیادہ کی شاید پارسا میں تاب نہیں تھی، بہتی آنکھوں اور بے تاب دھڑکنوں کے ساتھ وہ وہاں سے بھاگ گئی تھی۔

.......☆.......

اسامہ اپنے کپڑے بیگ میں رکھ رہا تھا جب وہ اس کے پیچھے آ کے کھڑی ہوئی تھی، وہ یونہی پیچھے مڑا تھا اور اسے دیکھ کر حیران ہوا۔
"میں نے سوچا شاید مجھے خود ہی آپ کے پاس آنا پڑے گا"۔ وہ بولا۔
"نہیں اسامہ! انکار کا فیصلہ اتنا مشکل بھی نہیں تھا کہ اسے سنانے میں خود نہ آ پاتی"۔ اسامہ چند لمحے بول نہ سکا۔
"آپ کی کیوں کا جواب بھی ہے میرے پاس"۔ وہ بولی تھی۔
"آپ آنے والی زندگی کے متعلق مجھ سے جو گارنٹی لینا چاہتی ہیں، ابھی لے لیں"۔ اسامہ بولا۔
"اچھا، آپ گارنٹی دیں گے کہ آنے والی زندگی کے کسی موڑ پر آپ کو احساس نہیں ہوگا کہ بیوی پڑھی لکھی ہونی چاہئے تھی، ماڈرن ہونی چاہئے تھی، خوبصورت

ہونی چاہئے تھی، دیں گے گارنٹی کے اپنے بچوں کی تربیت میں کسی کمی کا احساس نہیں ہوگا، آپ کی والدہ مجھے کھلے دل اور بانہوں کے ساتھ خوش آمدید کہیں گی، کبھی مجھے طعنہ نہیں دیں گے، میرے بیٹے کو اپنا سمجھیں گے"۔ اسامہ اس کی بات ختم ہوتے ہی بولا تھا۔

"ہاں! میں دیتا ہوں گارنٹی"۔ پارسا مسکرائی تھی۔

"لیکن میں یہ سب گارنٹیاں نہیں دے سکتی اسامہ؟" اسامہ تڑپ کے آگے آیا تھا۔

"مجھ پر کوئی شک ہے کیا؟"

"پر مجھے زندگی صرف آپ کے ساتھ نہیں گزارنی"۔ اسامہ بول نہ سکا۔

"اپنی والدہ کی میں گارنٹی دیتا ہوں"۔ پارسا پھر مسکرائی تھی۔

"اسامہ! میں تو اپنے اگلے پل کی بھی گارنٹی نہیں دے سکتی اور آپ ایک جیتی جاگتی عورت کی گارنٹی کیسے دے سکتے ہیں"۔ اسامہ چپ رہ گیا۔

"ضدمت کیجئے گا کیونکہ میں نے تو سعدی کی چار سال کی ضد بھی توڑ دی تھی"۔ وہ واپسی کے لئے مڑی تھی، اسامہ بولا۔

"تو آپ سعدی سے شادی کریں گی؟" وہ مڑی۔

"کسی سے تو کرنی ہے ناں، مگر آپ سے نہیں کرنی"۔ اسامہ پھر بولا۔

"صبح مجھے چھوڑنے تو آئیں گی ناں"۔ پارسا نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"نہیں! مجھے کہیں اور جانا ہے"۔ وہ باہر آئی تھی۔ دل ٹوٹنے سے، دل توڑنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔

......☆......

سعدی نے جانے کیسے اپنی ماں کو منایا تھا، اس نے بھی شاید شکر ادا کیا ہوگا کہ بیوہ کی نسبت کنواری تو پھر بھی بہتر تھی، پوری تقریب میں اس نے نہ جانے کیسے اپنے آنسو روک کے رکھے تھے، اسامہ آج صبح ہی واپس چلا گیا تھا، جاتے ہوئے مریم پارسا کے گلے سے لگ کے بے تحاشا رو دی تھی، پارسا کی آنکھیں تب بھی خشک تھیں مریم کے کندھے کے اوپر سے اس نے اس کے ساتھ کھڑے سعدی کو دیکھا تھا۔

"مہربانی......" پارسا کے لبوں سے سرگوشی نکلی تھی، سعدی مسکرا بھی نہ سکا، مریم رخصت ہوگئی، صبح سعدی اسے لے کر شہر جا رہا تھا، پوری رات پارسا نے آنکھوں میں کاٹی تھی، دل کا غبار بڑھتا جا رہا تھا، اب تو بند آنکھوں میں چبھن ہونے لگی تھی۔ صبح ہوتے ہوتے اس کی بس ہوگئی، دوپٹہ سر پر ڈالتے ہوئے وہ باہر آئی تھی، اماں اسے روک نہ سکیں، وہ سیدھی سعدی کے گھر آئی تھی۔

"سعدی کہاں ہے؟" مریم سے پوچھتی وہ ادھر ادھر اسے دیکھنے لگی۔ اور پھر سعدی کو کمرے سے نکلتا دیکھ کر خود ہی اس کی طرف بڑھی تھی، سعدی سمجھ نہ سکا اور پارسا آنسوؤں کے سارے بند توڑتی اس کی بانہوں میں سما گئی۔

"کہا تھا ناں میں نے کہ مجھے دوبارہ ان راہوں پر مت چلا، روکا تھا میں نے کہ اب کی بار میں سہہ نہیں پاؤں گی مگر تو نہیں مانا"۔ وہ نہ جانے کیا کچھ کہہ رہی تھی، مریم سمجھ نہ سکی، کافی دیر بعد وہ آنسو صاف کرتی سعدی سے الگ ہوئی تھی۔

"بہت خوش رکھنا مریم کو"۔ سعدی کے چہرے کو حفظ کرتی وہ پیچھے کو مڑی تھی، سعدی کی آنکھیں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں۔

"میں آج بھی تجھے بہت چاہتا ہوں پر تو نہیں مانے گی"۔ اور پارسا سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئی، احمد اس کے پیچھے ہی باہر آیا تھا، پارسا نے اسے گلے سے لگایا، دل زخمی تھا مگر بہت پرسکون تھا، اس شام چھت پر کھڑے ہو کر یہ ہی فیصلہ کیا تھا اس نے، دو صحیح لوگوں میں سے ایک تو شاید سبھی چن لیتے ہیں مگر دونوں میں سے کسی ایک کو بھی نہ چننا، کبھی کبھار ٹھیک ہوتا ہے، احمد کے ہمراہ گھر میں داخل ہوتے ہوئے پارسا کو یقین تھا کہ اس کا فیصلہ ٹھیک ثابت ہوگا۔

......☆......

ایقان علی

افسانہ

روایت ہے



ہر طرف ہریالی تھی، جدھر نظر جاتی تھی سبزہ ہی سبزہ تھا، وہ کچی ٹیڑھی پگڈنڈی گاؤں کی طرف لے جاتی تھی جس کے دونوں اطراف اونچے اونچے درخت کھڑے تھے، شہتوت کے سبز درخت جو سیاہ اور سرخ شہتوتوں سے لدے ہوئے تھے، رسیلے اور پکے ہوئے پھلوں سے لدے پیڑ زمین کی طرف جھکے جاتے تھے، اور آڑو کے پیڑ تھے جن کی نازک ڈالیاں ہلکے ہلکے گلابی پھولوں سے لدی تھیں۔ اپنے فطری حسن سے باخبر وہ تمکنت سے پانی کی ندی کے کنارے ایستادہ تھے، نازک گلابی پھول شفاف پانی میں چھم سے گرتے اور دور تک بہتے چلے جاتے، زمین کے کئی چھوٹے بڑے قطعے تھے، گندم کے ننھے ننھے پودوں سے ہرے ہرے خوشے سر اٹھا رہے تھے۔ ندی کنارے بہار اپنے ساتھ ہزاروں اور بہاریں لے کر آئی تھی، ہلکے نیلے، زرد، سرخ رنگوں کے ننھے ننھے پھولوں سے ندی کے کنارے بھرے پڑے تھے۔ ذرا آگے جو جاتے تو سبزیوں کے قطعے تھے، مولی، چنے، پیاز، لہسن کے پودے اوس سے بھیگے تھے، ذرا ذرا فاصلے پر لگے آم کے اونچے تناور درخت نئے شگوفے نکال رہے تھے، ان درختوں کی اونچی شاخوں پر پرندے اپنی سریلی آوازوں میں ملہار گا رہے تھے، بہاروں سے سجے اس گاؤں کے عین وسط میں وہ کئی ایکڑ زمین کا ایک قطعہ تھا جس پر وحشت برس رہی تھی۔ اس علاقے کی خاک، ریت بن کر اڑتی پھر رہی تھی، بنجر ویران زمین جس پر ہریالی کا ایک ذرہ بھی نہیں تھا، ایک آدھ درخت جو خشک ترین تھا۔ چند بے جان جڑی بوٹیاں اگی تھیں، اس نخلستان کے وسط میں وہ ریت کا کھنڈر تھا۔ وہ منحوس زمین تھی، اس کو دھتکار دیا گیا تھا، اس زمین کے ہر ذرے سے فراوانی اٹھا لی گئی تھی، اس زمین کی مٹی سے "پیدا کرنے" کا شرف چھین کر اسے بانجھ کر دیا گیا تھا۔ وہ صرف خاک کا ڈھیر کر دی گئی تھی۔ بہاروں کے قافلے کو اجازت نہیں تھی کہ وہ وہاں پڑاؤ کرے وہاں ویرانی کے ہمیشہ رہنے والے سائے ہمیشہ کے لئے اتار دیئے گئے تھے۔ وہاں کے باسی روایت کرتے ہیں کہ وہ جگہ ہمیشہ سے ویسی نہیں تھی، بہت پہلے سے بہت پہلے وہ جگہ جنت کے جیسی ہوا کرتی تھی۔ اس زمین کا مالک فقیر محمد تھا، وہ اسی گاؤں کا باسی تھا، اس کے ہاتھ میں جادو تھا، وہ پارس پتھر کے جیسا تھا، اس کے ہاتھ لگتے ہی زمین سونا اگلتی تھی، وہ اپنی زمین پر ان تھک محنت کرتا تھا۔ صبح علی الصبح بیل جوڑتا اور ہل چلاتا، پودے لگاتا...... اس کے لگائے پودے کبھی خراب نہ ہوتے، جلد تیار ہو جاتے اور دوگنا فصل دیتے، ہر سال اس کی زمین سے پیدا ہونے والی گندم گاؤں بھر کی زمینوں سے پیدا ہونے والی گندم سے زیادہ ہوتی، اس کی فصل کی ترکاری ہر سبزی سے لذیذ ہوتی، اس کی زمین کے پھل جیسا ذائقہ کسی دوسرے پھل میں نہیں تھا، اور اس سب پر اسے کبھی فخر نہیں تھا، اپنی ضرورت کی پھل سبزی رکھ کر وہ باقی ہمیشہ بانٹ دیتا، گاؤں میں جس کو ضرورت ہوتی وہ اناج پہنچاتا، جس کو ضرورت ہوتی وہ اس کے ساتھ کام کرواتا، ایک دفعہ ایسا بھی ہوا کہ گاؤں میں قحط اتر گیا، اگی فصلیں بیماری کی نظر ہو گئیں، سبزیاں زہریلی ہو گئیں، پھل جھڑ گئے، ایک فقیر محمد کی زمین رہ گئی، نا اناج جلا، نہ پھل بیکار ہوئے، سارا گاؤں محتاج ہو گیا، اس نے محتاج ہونے نہیں دیا، بوریاں بھر بھر سارے گاؤں میں بانٹ دیں، دینے والے سے دینے کی ہی امید ہوتی ہے ناں، فقیر محمد کی زندگی اس کا اکلوتا بیٹا تھا جو کہ صرف چار سال کا تھا۔ اس کی بیوی بچے کی پیدائش کے وقت ہی مر گئی تھی، بس تب سے وہ بچے کے ساتھ اکیلا تھا، وقت دھیرے دھیرے سرکتا گیا، سارے گاؤں کو ان دنوں اوس اور دھند کے بادلوں نے ڈھک رکھا تھا، جب فقیر محمد کو پتہ چلا کہ اس کا بھائی جو کہ دوسرے گاؤں میں رہتا تھا مر گیا ہے۔ وہ بھائی کے جنازے میں چلا گیا اور جب واپس آیا تو اس کے ساتھ بھائی کے یتیم تین لڑکے بھی تھے، وہ

انہیں اپنے ساتھ لے آیا تھا، وہ تینوں لڑکے بھی فقیر محمد کے ساتھ رہنے لگے اور ساتھ زمین پر کام کرنے لگے، فقیر محمد کے چار بیٹے ہو گئے، سونا اگلتی زمین سونا اگلتی رہی، وقت کے ساتھ ساتھ تینوں لڑکوں کو پتہ چلا کہ چاچا کتنا بے وقوف ہے، انتھک محنت کرتا ہے، دن رات جانوروں کی طرح کام کر کے جو اناج اگاتا ہے وہ سارے گاؤں میں بانٹ دیتا ہے، ساری سبزیاں یونہی بانٹ دیتا ہے، یہ تو غلط ہے، جو ہمارا ہے وہ بس ہمارا ہے، کوئی بھی اگر بھوک سے مر رہا ہے تو بھاڑ میں جائے، ہمارا اناج ہماری محنت کی کمائی ہے، ہماری زمین خدا کی عطا کردہ ہے، وہ بھی محنت کریں اور خدا سے مانگ لیں زمینیں، نہیں دیتا تو وہ خدا اور ان کا مسئلہ ہے، ہمیں کیا، لیکن یہ بات بے وقوف چاچا نہیں سمجھ پا رہا تھا، وہ بانٹنا جانتا تھا، جوڑنا اور جمع کرنا نہیں، اور یہ چیز تینوں لڑکوں کو تپ چڑھا دیتی تھی، اس دفعہ جب گندم تیار ہوئی اور فقیر محمد نے اپنا حصہ رکھ کر ایک بڑا حصہ گاؤں میں بانٹنے کے لئے علیحدہ کیا تو تینوں لڑکوں نے منع کیا۔ چاچا نہ مانا اور بوریاں کی بوریاں بانٹ دیں، محنت کی کمائی بٹتے دیکھ کر وہ تینوں سیخ پا ہو گئے۔

''دیکھ پتر! ہمیں روٹی چاہئے تھی ہم نے رب سے مانگی اس نے ہمیں دے دی، اب جب وہ دوسرے لوگ ہم سے مانگ رہے ہیں تو ہم منع کیسے کر دیں؟ پتر! دینے سے وہ اوپر بیٹھا دینے والا دگنا دیتا ہے''۔ پر وہ نا سمجھے، اپنی شے کیوں دیں دوسروں کو، کیوں بھئی؟ دن یونہی گزرتے گئے، اس دن شیطان کا کوئی چیلا ادھر آ نکلا۔ وسوسے ڈالنے اور بے برکتی پھیلانے، اور ان دنوں تینوں بھائیوں کے دلوں میں نیا خیال جنم لینے لگا، محنت چاچے کے ساتھ صرف ہم کرتے ہیں اور کھاتا چاچا کا بیٹا بھی ہے، ہم تینوں زیادہ محنت کرتے ہیں چاچا کم، پھر وہ مالک کیوں، اور کیسے؟

''آج چاچا ہے، کل نہیں ہوگا، پھر زمین صرف ہماری ہو گی''۔ ایک بولا۔

''کل چاچا نہیں ہو گا تو اس کا بیٹا ہو گا، مالک وہی ہو گا اور ہمیشہ ہم نوکر''۔ دوسرے نے کہا، تیسرا کچھ نا بولا، خاموش رہا، شاید شیطان کا چیلا وہی تھا۔ اور وہ دن طلوع ہوا جب فقیر محمد اپنی بہشت میں کام کر رہا تھا، دھان کے ننھے ننھے پودے سر اٹھائے کھڑے تھے، جب اس کے بھائی کے سب سے چھوٹے بیٹے نے آ کر بتایا، اس کے بیٹے نے کچھ زہریلا کھا لیا تھا، وہ گھر کی طرف بھاگا، اس کے بیٹے کے منہ سے جھاگ بہہ رہی تھی، آنکھیں ماتھے تک چڑھ گئی تھیں۔ وہ سر کٹے بیل کی طرح تڑپ رہا تھا، حکیم کے آنے تک ٹھنڈ پڑ چکی تھی، سانسیں بند ہو چکی تھیں، فقیر محمد کے ماتم پورے گاؤں میں گونجنے لگے، اور وہ تینوں لڑکے زہریلی کھمبیاں گاؤں سے باہر بہنے والی نہر میں پھینکنے چلے گئے تھے، اب تو چاچے کی زمین ان کی تھی، فضا سوگوار تھی اور وہ تینوں آنکھوں آنکھوں سے مسکراتے تھے، مہینے گزرے، سال گزر گئے، چاچا بیمار ہو گیا اور بستر سے جا لگا، فالج کے حملے نے اس کی زبان گنگ کر دی، ہاتھ پاؤں کام چھوڑ گئے، زمین تینوں بھائیوں کی ہو گئی، اب بھی دگنا سے کئی گنا زیادہ اناج اگتا اور وہ تینوں اسے شہر بیچ آتے، کسی کو مانگنے سے بھی ایک دانہ تک نہ دیتے، نوٹ ہی نوٹ ہو گئے، اور اندر کھوٹ ہی کھوٹ جمع ہو گیا۔

.......☆.......

وہ گرمیوں کے ابتدائی دن تھے، گندم کے زرد زرد خوشے پکے کھڑے تھے، ہوا خوشبو سے بوجھل تھی، آڑو کے درختوں پر پھلوں کی بہتات تھی، اونچے اونچے آم کے درختوں میں زرد زرد بور اگنے لگا تھا، دن رات کوئل کوکتی رہتی تھی، دور فقیر محمد اپنے گھر میں چارپائی پر پڑا آخری سانسیں لے رہا تھا، وقت نزع تھا، پیاس سے اس کے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے، وہ بمشکل فالج زدہ زبان سے ''آنی...... مانی...... آنی......'' کہتا تھا، پر اس کی سننے والا کوئی نہیں تھا، وہ تینوں ایک نئی بات سوچ رہے تھے، چاچا مر جاتا تو زمین کا کیا ہوتا؟ وہ

وارث تو نہیں تھے جوزمین انہیں ملتی، کیا پتہ چاچے نے کوئی وصیت بنا رکھی ہو، وہ تینوں اسی وصیت کی تلاش میں تھے، اور وہ انہیں مل گئی، اندر کمرے میں رکھے ٹرنک سے، زمین میں سے کچھ حصہ چاچا نے گاؤں کے غریبوں کو دے دیا تھا، کچھ تینوں بھائیوں کو، سارا پیسہ بھی برابر بھائیوں کو دیا تھا، بڑے بھائی نے پرچے کو پھاڑ دیا اور نئی وصیت تیار کی، سارا روپیہ، گھر اور زمین آج سے تینوں بھائیوں کی، وغیرہ وغیرہ وصیت لے کر بستر مرگ پر پڑے چاچا کے پاس آیا جو پیاس سے بلک رہا تھا۔

"آنی...... آنی......" کر رہا تھا اس کا انگوٹھا وصیت کے صفحے پر لگوالیا، چلو جی آج سے ہر شے کے مالک ہو گئے۔ پیاس سے بلکتے بوڑھے ضعیف وجود نے آخری سانس لینے سے پہلے اپنی بوڑھی آنکھوں سے اوپر دیکھا، ظاہری آنکھیں سرکنڈوں سے بنی چھت سے پرے نا دیکھ سکیں، لیکن باطنی آنکھوں نے چھت سے پرے تاروں بھرے آسمان اور آسمان سے بھی پرے عرش دیکھ لیا تھا، بے بسی کے دو آنسو اس کے پچکے گالوں پر بہہ نکلے تھے اور اس نے آخری ہچکی لی تھی۔ فتح کے نشے سے چور تینوں بھائی رات کے اندھیرے میں قہقہے لگاتے رہے اور جا کر سو گئے، رات کے کسی پہر کسی نے اطلاع دی، فصل میں نجانے کیسے آگ لگ گئی تھی، پکی ہوئی گندم کی فصل بھڑ بھڑ جل رہی تھی، وہ تینوں اپنی زمین تک آئے، سونے کی بالیاں سیاہ کوئلے جیسی ہو چکی تھیں، چھوٹا بھائی پاگلوں کی طرح آگ بجھانے کو بھاگا اور آگ کی لپیٹوں نے اسے لپیٹ لیا، اس کی قمیض جل کر جسم سے چپک گئی، دونوں بھائیوں نے اسے باہر نکالا، پورے جسم پر آبلے پڑ گئے تھے، ہر شے خاک ہو گئی تھی، گندم کی فصل بھی اور اعمال بھی، دنیا بھی اور آخرت بھی۔

اگلی صبح چاچا کا جنازہ تھا، دو بھائی جنازے میں تھے اور تیسرا بھائی گھر میں درد کی شدت سے چلا رہا تھا، آبلوں میں سے پیپ اور پس بہنے لگی تھی، دنوں میں سارا جسم گلنے لگا تھا، زخموں پر ہمہ وقت مکھیاں بھنبھناتی رہتی تھیں، اور ایک دن دونوں بھائی اس کی چارپائی اٹھا کر کوڑے کے ڈھیر پر چھوڑ آئے تھے، کچھ دنوں میں وہ وہیں سڑ کر مر گیا تھا۔

باقی دونوں بھائیوں نے جلی ہوئی زمین صاف کی، خوب محنت کر کے نئی فصل اگائی، ہر شے بیچ کر زمین پر لگا دی، طرح طرح کی سبزیاں، پھلوں کے درخت اگا دیئے۔ اور جب فصلیں تیار کھڑی تھیں، کسی سنڈی نے حملہ کر دیا، ہر شے کتر کتر کر خراب کر دی، تناور درخت کھڑے کھڑے گر گئے، پھل سبزیاں زہریلی ہو گئیں، وہ زمین کا قطعہ جو بہشت تھا، دوزخ بن گیا۔

اور روایت ہے وہ زمین بنجر ہو گئی، سارے گاؤں کی زمینیں سونا اگلتیں اور وہ قطعہ زمین ویران ہوتا، چند اور لوگوں نے وہاں غلہ درخت اگانا چاہے پر وہاں ایک پودا تک نہ اگا، روایت ہے کہ اس گاؤں کی گلیوں میں روز دو فقیر خدا کا واسطہ دے کر روٹی مانگتے تھے، انہیں دیکھ کر دروازے بند کر لئے جاتے تھے کیونکہ وہ دروازے بند کر لیتے تھے، ان ہڈیوں کے ڈھانچے فقیروں کی آنکھوں سے وحشت ٹپکتی تھی، ان کی کھال سوکھ کر خشک ہو چکی تھی، ان میں سے ایک فقیر ایک دن گاؤں سے باہر نہر کے کنارے ملا تھا، اس نے زہریلی کھمبیاں کھا لی تھیں۔

اور روایت ہے کہ وہ دوسرا فقیر پھر کبھی کہیں دکھائی نہیں دیا، سال کے سال بیت گئے، کئی دن، کئی مہینے، کئی سال، اس قطعہ زمین پر پھر کوئی کونپل نا نکلی، پھر وہاں سبزہ نا اگا، ہر نئے سال نئے پھول کھلتے نئے پھل اور کئی طرح کے پرندے وہاں آ کر گانے گاتے، پر وہ قطعہ زمین ہمیشہ ویسا ہی ویران رہتا وہ زمین جو بانٹنے والے نے بانٹنے والے کو انعام کی تھی، چھیننے والوں سے چھین لی گئی تھی۔

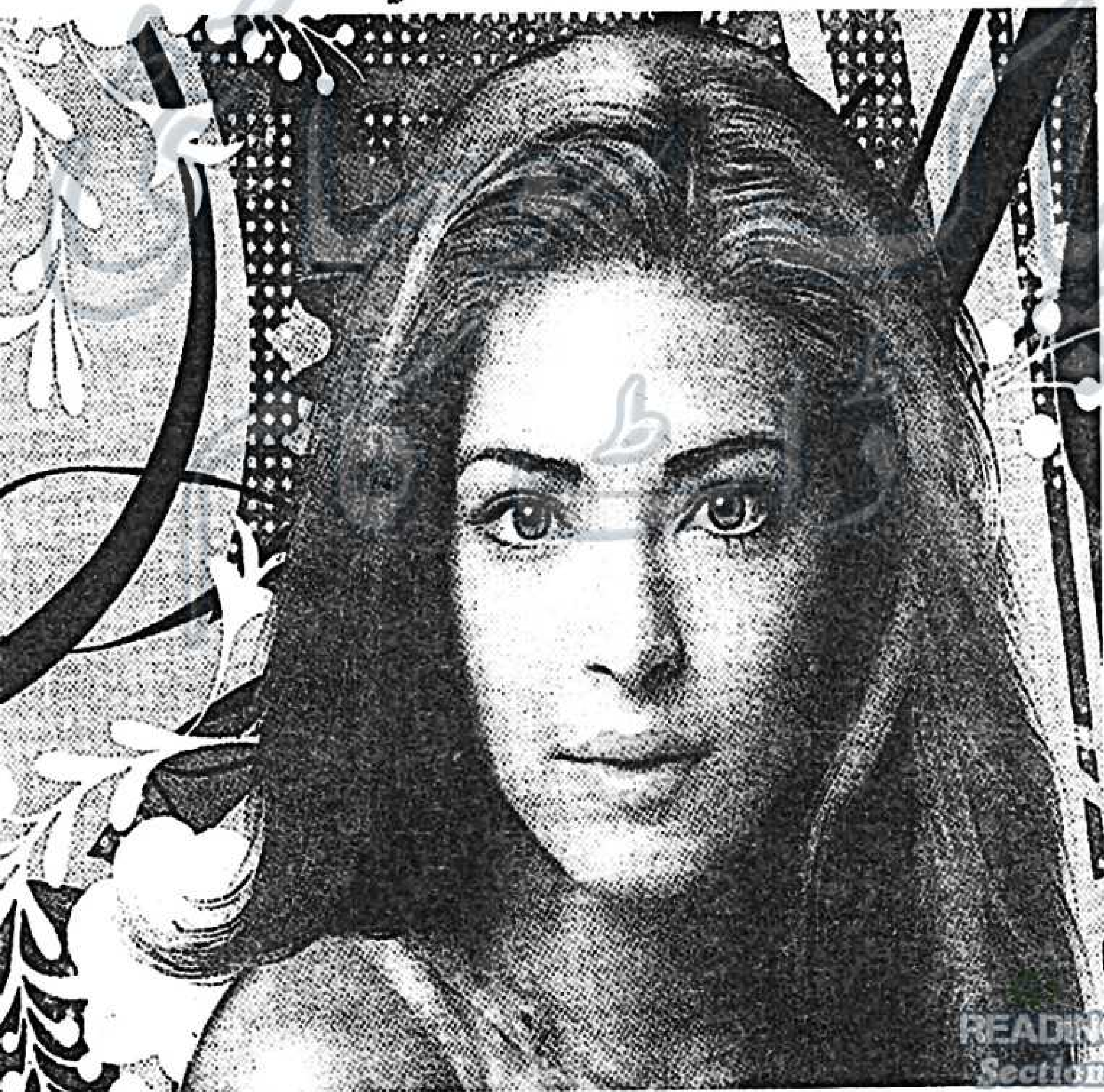
......☆......

عائشہ ذوالفقار

افسانہ

سال کی آخری شام

آج رات کی محفل دادا کے جھروکے (کمرے) میں لگی تھی، مونگ پھلیوں اور دودھ پتی کا دور عروج پر



تھا، بھانت بھانت کے لوگ...... بھانت بھانت کی آوازیں...... مردوں کی بحث، خواتین کی چغلیاں اور بچوں کی ریں ریں، باتیں چلتی چلتی کرپشن پر آگئیں۔

"دیکھ لے (دیکھولو) ارشاد آخر اپنا کیس ہار ہی گیا، سچا ہونے کے باوجود وی"۔ دادا حقے کا کش لگا کے بولے۔

"ابا جی! اس نے ہار ہی جانا سی، آخر کو یہ پاکستان ہے، کرپشن کا گڑھ"۔ پھوپھا نے بھی دادا کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"اونہیں ابا جی! سارے خراب وی نہیں این"۔ سب سے چھوٹے چاچو بغاوت کر گئے۔

"تے سارے صحیح وی نہیں این"۔ ابو جی بھی دادا کی پارٹی میں شامل ہو گئے۔

"چلو ٹھیک اے بھائی جی! شرط لگالو، پاکستان آدھے سے زیادہ صاف ہے"۔ چاچو نے سینہ تان کے للکار لیا۔

"لگی شرط، ادے (آدھے) سے زیادہ گندا



ہے“۔ دادا جی کو جوش آ گیا، دادی کو جج بنا دیا گیا، عاشر اور احمر نے جھٹ انہیں چارپائی سے اٹھا کے تین ٹانگوں والی میز پر چڑھا دیا جو ایک راکنگ چیئر کے لگ بھگ تھی، ہم سب چاچو کی پشت پر جمع ہو گئے، خواتین زیادہ تر دادا کی پارٹی میں شامل تھیں، سب سے پہلے بڑے تایا بولنا شروع ہوئے۔

”آپ بے وجہ پریشان سی کیوں ہیں مادام! لوگ کہتے ہیں تو ٹھیک ہی کہتے ہوں گے“۔

”میرے احباب نے تہذیب نہ سیکھی ہو گی
میرے ماحول میں انسان نہ پلتے ہوں گے“

”قائداعظم نے اپنی پوری زندگی لگا دی، ساری جوانی پھونک دی، بڑھاپا تک دان دیا مگر، قوم کو الگ وطن بنا کر دیا، غلامی سے نجات دلوا دی، جی حضوری اور استحصال سے چھٹکارا دلوا دیا لیکن...... اس کے بعد کیا ہوا؟ ہم نے کیا کیا؟ ایک دن بھی نہیں سنبھال پائے ہم ان کا دیا ملک، پہلے دن سے ہی لڑائیاں، جھگڑے، فساد، قتل و غارت، پہلے وزیراعظم تک کو نہیں بخشا۔ چلو مان لیا، تقسیم غلط تھی، ایک ہی ملک کے دو حصے مگر کوئی زمینی رابطہ نہیں...... لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ کوئی حل نہ ہوتا، واقعی کوئی حل نہیں نکلا۔ توڑ دیا ملک کو، دو ٹکڑے کر دیا، کس نے کیا؟ ہم نے ہی کیا ناں پیارے پاکستان میں بسنے والوں نے ہی کیا ناں“۔ دادا کی جیسے بس ہو گئی، تایا کے منہ پر ہاتھ رکھ کے انہیں خاموش کروایا اور خود بولنا شروع ہو گئے۔

”عقل پھر بھی نہ آئی، جو باقی بچا گلے سے اسے بھی نہ لگایا، اس کی بھی حفاظت نہ کی۔ کبھی چوروں کو سونپ دیا، کبھی جنونیوں کے ہاتھوں میں دے دیا، کبھی بزدلوں کو پاسبان بنا دیا، کبھی کھلاڑیوں کے رحم و کرم پر ڈال دیا، سب نے خوب کھایا اسے، خوب عیش اڑائی اس پر، دونوں ہاتھوں سے لوٹا اسے، کچھ بھی نہیں چھوڑا، تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ سب سے پہلے افغانوں پر ترس کھایا، انہیں پناہ دی جواباً انہوں نے تیا پانچہ کر کے رکھ دیا۔ امریکیوں نے آنا چاہا...... تو کھلے دل سے خوش آمدید کہا جواباً انہوں نے اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ہندوؤں سے پیچھا چھڑواتے چھڑواتے بھی نہ چھڑوا سکے، انہوں نے الگ تباہی مچائی۔ دوسروں کی جنگ کو گلے سے لگا لیا، وہ آج تک لگی ہوئی ہے، پیچھا ہی نہیں چھوڑتی، ہزاروں دشمن بنا لیے۔ روز مرتے ہیں، روز جلتے ہیں، مرنے والوں کو نہیں پتا کہ کیوں مر گئے، لڑنے والوں کو نہیں پتہ کہ کیوں لڑ رہے ہیں، بس مر رہے ہیں، بس لڑ رہے ہیں۔ فوجی بھی مسلمان، دہشت گرد بھی مسلمان، اور جو معصوم بم سے اڑ گیا وہ بھی مسلمان۔ تو ظالم کون؟ مظلوم کون؟ کچھ پتہ نہیں“۔ دادا کو سانس چڑھ گیا، پھندا سا لگ گیا، ان کے پانی پینے کی مہلت کو پھوپھا نے موقع گردانا اور کھنکار کے شروع ہو گئے۔

”آخر کار کچھ بھی نہ بچا، کچھ بھی نہیں۔ نہ پانی، دریا خشک ہو گئے۔ بجلی، فیکٹریاں، کارخانے ویران ہو گئے۔ نہ گیس، ٹرانسپورٹ کی بینڈ بج گئی۔ نہ کچھ نیا بنایا، نہ ہی پچھلے کو گلے سے لگایا۔ ہر سال سیلابوں میں بہہ جاتے ہیں۔ طوفانوں میں مر جاتے ہیں۔ زلزلوں میں دب جاتے ہیں۔ بارشوں میں رل جاتے ہیں، لیکن...... توبہ نہیں کرتے قصور نہیں مانتے۔ نہ جینے کا بندوبست کرتے ہیں نہ مرنے کا“۔

”نور سرمایہ ہے روئے تمدن کی جلا
ہم جہاں ہیں وہاں تہذیب نہیں پل سکتی
مفلسی جس لطافت کو مٹا دیتی ہے
بھوک آداب کے سانچے میں نہیں ڈھل سکتی“

کیونکہ جب وہ بولتی تھیں، تو پھر بس وہی بولتی تھیں۔

”امیروں کی شان حد سے زیادہ اونچی، غریبوں کی اوقات حد سے زیادہ نیچی۔ کسی کو سمجھ نہیں آتی کہ پیسہ خرچ کہاں کریں، اور کسی کو سمجھ نہیں آتی کہ پیسہ کہاں

سے مہیا کریں۔ لوگوں کے پاس ایک وقت کی بھی روٹی نہیں ہے، چھت نہیں ہے، لباس نہیں ہے، سفارش کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا، رشوت کے بغیر روٹی پیٹ میں نہیں جاتی، کرپشن کے بغیر جیا نہیں جاتا، رونا سب کو آتا ہے، شکوے کرنے سب کو آتے ہیں لیکن...... توبہ کرنا کسی کو نہیں آتا، مسجدیں ویران ہوتی جارہی ہیں اور نائیٹ کلب آباد، برائیوں سے پیار ہے اور نیکیوں سے دوری، ہر طرف غلاظت، ہر طرف گندگی، اخلاق مر گئے ہیں، اقدار کھو گئی ہیں''۔

پھپھو کی دیکھا دیکھی ماما بھی ایک دم کود پڑیں۔

''دھرتی کو آگ کس نے لگائی؟ ہم لوگوں نے، لٹیروں کو گھر کا پتہ کس نے دیا؟ ہم نے دیا، چوروں کو گھر میں کس نے گھسنے دیا؟ ہم نے دیا، ہر طرف بارود کی بو، ہر طرف خون کی وحشت، ہر طرف خوف کا عالم، اور پھر ماننے سے انکاری...... ہم نے تو کچھ کیا ہی نہیں، ہم نے کیا کیا......؟

دادا نے ماما کو خاموش کروایا، ان کی ہمت دوبارہ جمع ہو گئی تھی، چاچو کی طرف دیکھا اور بولنا شروع ہو گئے۔

''68 سال ہو گئے ہیں مگر ابھی تک صرف نعروں پر گزارہ ہے، صرف دوسروں کی سننے کی عادت ہے، دوسروں کی ماننے کی عادت ہے اور ہر بات سہہ جانے کی عادت ہے، سیلاب رحم نہیں کرتے، خشک سالی ترس نہیں کھاتی، زلزلے ترس نہیں کھاتے، NATO ایک لفظ نہیں سنتا، امریکہ بولنے نہیں دیتا، IMF جکڑتا جارہا ہے، دھمکیاں بڑھتی جارہی ہیں لیکن ہم...... قلم کی طاقت بیچنے پر لگے ہیں، ضمیر بیچنے پر لگے ہیں، عذاب بیچنے کے درپے ہیں، فصلوں کو سراب بیچ رہے ہیں، دین کو بے حساب بیچ رہے ہیں، روٹی کا خواب بیچ رہے ہیں، خود کو بار، بار بیچ رہے ہیں''، دادا کی آواز بھرا رہی تھی، اور ہم سب خاموش تھے کیونکہ وہ سچ کہہ رہے تھے، بالکل سچ۔

دادا نے چپ ہو کر فاتحانہ چاچو کی طرف دیکھا، مجھے لگا جیسے چاچو شاید کچھ نہ بول سکیں لیکن۔

''نیک مادام! بہت جلد وہ دور آئے گا جب ہمیں زیست کے ادوار پرکھنے ہوں گے اپنی ذلت کی قسم، آپ کی عزت کی قسم ہم کو تعظیم کے معیار پرکھنے ہوں گے''۔

''چلیں مان لیا کہ قائد نے زندگی لگا دی، جوانی جھونک دی، بڑھاپا وار دیا۔ مان لیا کہ ہم سب کچھ سنبھال نہیں پائے لیکن، سب کچھ تو ختم نہیں ہوا دوسری بڑی مسلم ریاست ہیں ہم، ہم ہی تھے ناں جنہوں نے 1965ء کی جنگ لڑی تھی اور جیتی تھی، ہم ہی ہیں ناں جن کے پاس دنیا کی چھٹی بڑی ملٹری فوج ہے، ہم ہی ہیں وہ کشادہ دل قوم جنہوں نے 1.7 ملین افغانوں کو پناہ دی ہے۔ کیا نہیں ہے ہمارے پاس؟ سال کے چار موسموں کا خزانہ ہے ہمارے پاس، تپتی جلتی گرمیوں سے لے کر سردبرفیلی سردیاں، اجڑی خزاؤں سے لے کر مہکتی بہاریں، نمک سے مالا مال ہیں ہم، گیس جیسی دولت ہے، ہیرے جواہرات سے امیر ہیں''۔

بس چاچو کو اسٹارٹ دینے کی دیر تھی، ہم سب شعلہ و جوالہ ہو گئے، احمر تو دادا کی گود میں ہی جا گھسا۔

''اور دادا جی! سیاچن گلشیئر ہے ہمارے پاس، سیف الملوک کی پریاں ہیں، گوڈون آسٹین (K-2) کی بلندیاں ہیں، نانگا پربت کی رنگینیاں ہیں، راکا پوشی کی دھندیں ہیں، دنیا کی آٹھ بڑی چوٹیاں ہمارے پاس ہی تو ہیں، پانچ دریاؤں کی سرزمین ہے ہمارے پاس، کراچی کی روشنیاں ہیں، لاہوریوں کے مصالحے ہیں، پشاور کے میوے ہیں، بلوچستان کے درے ہیں''۔ عاشر نے کھینچ کے احمر کو پیچھے ہٹایا اور اپنے والد کے برابر (پھوپھا جی) جا بیٹھا،

عاشر کیوں پیچھے رہتا؟ دونوں بھائی والد کے دائیں بائیں جا پڑے۔
''ابو جی! مسلم ورلڈ کا دروازہ ہیں ہم لوگ...... سب سے بہتر نہری نظام ہمارے پاس ہے، سمندروں جیسے کشادہ دل ہیں ہمارے، گڑ جیسے میٹھے لہجے ہیں ہمارے، اور ابو جی ایشیا کی دوسری بڑی گرین یونیورسٹی (زرعی یونیورسٹی فیصل آباد) ہمارے پاس ہی ہے۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج ہمارا ہی سرمایہ ہے، ہم میں سے ہی تھا وہ جسے نوبل پرائز ملا تھا، ہم میں سے ہی ہے وہ جس نے پہلا میزائل بنایا، دوسرا بنایا، تیسرا بنایا، اور پھر بناتا ہی چلا گیا۔ مسلم دنیا کی واحد ایٹمی طاقت ہم ہی ہیں ابو جی''۔ میں اور ماریہ پھپھو اور ماما کے سامنے آ بیٹھیں، جوش کا کوئی حال ہی نہیں تھا۔
''کہاں نہیں ہیں ہم دادا جی!'' شاہین میزائل کی تیزی میں ہیں ہم، F-16 طیاروں کی گرج میں ہیں ہم، پنجاب یونیورسٹی کے برجوں میں ہیں ہم، UHS کی سیڑھیوں میں ہیں ہم، فیصل مسجد کے میناروں میں ہیں ہم، اعصام الحق کے ریکٹ میں ہیں ہم، عمران خان نے 1992 میں جو ورلڈ کپ جیتا تھا ناں اس کے کرسٹل میں ہیں ہم، یونس خان کے T-20 ورلڈ کپ میں ہیں ہم'' احمد دوبارہ کہیں سے نمودار ہو گیا۔
''اور دادا جی! بادشاہی مسجد کی شان میں ہم ہیں، مینار پاکستان کی بلندی میں ہم ہیں، LUMS کے برآمدوں میں ہم ہیں، NUST کے میدانوں میں ہم ہیں، جامعہ سلفیہ کی چٹائیوں میں ہم ہیں''۔ نمرہ اور ثمرہ نے بازو سے کھینچ کے اسے پیچھے ہٹایا۔
''ارے یار! کیا نہیں ہے ہمارے پاس؟ ہم میں سے ہی ہے ناں عبدالستار ایدھی جیسا انسان، مولانا طارق جمیل جیسا گوہر نایاب، افتخار محمد چوہدری جیسا فرشتہ، شعیب منصور جیسی شخصیت، سب ہم میں سے ہی ہیں، راحت فتح علی خان جیسی آواز ہے ہمارے پاس، عاطف اسلم جیسی گنگناہٹ ہے، امجد اسلام امجد جیسا قلم ہے، محسن نقوی جیسا شاعر ہے، بانو قدسیہ جیسی کلاسیکل رائٹر ہے''۔

''ہم نے ہر دور میں تذلیل سہی ہے لیکن
ہم نے ہر دور کے چہرے کو ضیاء بخشی ہے
ہم نے ہر دور میں محنت کے ستم جھیلے ہیں
ہم نے ہر دور کے ہاتھوں کو حنا بخشی ہے''

بلال لاشاری جیسا ٹیلنٹ ہے، شرمین عبید چنائے کی Saving Face ہے، ارفع کریم جیسا نام ہے، شاہد آفریدی جیسا کرکٹر ہے، فواد افضل خان اور ماہرہ خان جیسے لوگ ہیں''۔ عمیر نے بمشکل جوش سے پھٹتی ثمرہ کو پیچھے ہٹایا۔
''کرنے پر آئیں تو کیا نہیں کر سکتے، دنیا پر چھا سکتے ہیں، دیوانے ہیں ہم، زمانے بدل سکتے ہیں، رستے موڑ سکتے ہیں، دیواریں گرا سکتے ہیں، اب کیا کہوں کہ، ہم کیا، کیا، کیا کر سکتے ہیں''۔
ایک شور عظیم تھا، لیکن فیصلہ کہیں درمیان میں ہی رہ گیا، جج صاحبہ خود بحث میں کود چکی ہیں۔ باہر پٹاخے بجنے لگے، ارشد کے مخالف لوگ کیس جیتنے کی خوشی میں ڈھول پیٹ رہے تھے، دادا نے چاچو کی طرف دیکھا۔
''آدھا پاکستان اگر صاف ہوتا تو ارشد جیت جاتا''۔ چاچو ہولے سے مسکرائے۔
''ہاں تو آدھا گندا جو ہوا، تبھی ہار گیا''۔ دادا خاموش ہو گئے۔ لیکن...... اگر آدھا گندا ہے؟ تو گندا بھی تو ہم نے ہی کیا ہے ناں لیکن...... اگر ہم چاہیں، تو اس آدھے گندے کو صاف بھی کر سکتے ہیں۔

''لیکن ان تلخ مباحث سے بھلا کیا حاصل
لوگ کہتے ہیں تو ٹھیک ہی کہتے ہوں گے
میرے احباب نے تہذیب نہ سیکھی ہوگی
میرے ماحول میں انسان نہ پلتے ہوں گے''

......☆......

سعدیہ اقبال

افسانہ

نیو ایئر پارٹی

''اور پڑھو ہائی فائی یونیورسٹی میں اور بناؤ ہائی فائی فرینڈز۔ آخر آج پھنس گئیں ناں۔ خیر میں خود بھی ہائی فائی لوگوں سے کم تھوڑی ہوں وہ الگ بات ہے قسمت ساتھ نہیں دیتی۔'' کانوں میں ہینڈ فری لگائے



سونگ سنتی ماہرہ ٹہلتی جا رہی تھی اور ساتھ بڑبڑاتی جا رہی تھی۔

اس کے بڑبڑانے کی وجہ تھی۔ "نیو ایئر پارٹی" جو اسے اپنے یونی فیلوز کو دینی تھی ہر سال یونیورسٹی گروپ کے دوست نیو ایئر پر پارٹی دیتے تھے اور ماہرہ خوب مزے لیتی تھی اپنے امیر فیملیز سے تعلق رکھنے والے دوستوں کی پارٹی کے اتنے سال بچنے کے بعد جب یونی کا آخری سال تھا۔ وہ پھنس ہی گئی۔ پارٹی نہ دینے کی سب سے بڑی وجہ تھی کہ اس کے پاس اتنے وسائل نہ تھے کہ وہ اپنے دوستوں کو ان کے اعلیٰ معیار کے مطابق پارٹی دے سکے جو ان سب نے باری باری اپنے گروپ کو دیں تھیں۔ ان کا گروپ پانچ لوگوں پر مشتمل تھا اور ان میں سے ماہرہ کو چھوڑ کر چاروں ہائی سوسائٹی سے تعلق رکھتے تھے جب کہ ماہرہ کا تعلق مڈل کلاس سے تھا۔

وہ الگ بات تھی کہ اس کا اسٹائل، بولنے کا انداز، اس کے شوق سب ہائی کلاس جیسا ہی تھا۔ ان میں سے کوئی بھی اس کے حالات نہیں جانتا تھا اور نہ ہی ماہرہ نے اپنے انداز سے انہیں خبر ہونے دی۔

ان کے گروپ کا اصول تھا ہر سال ایک دوست



نیو ایئر پارٹی اپنے گھر پر یا کسی معیاری ہوٹل میں دیتا تھا اور وہ پارٹی بھی ایسی ہوتی کہ انگریزوں کو بھی مات دے دی جاتی تین سال تو ماہرہ نے خوب مزے کیے اسے پارٹیز، کھانا، میوزک بہت پسند تھا اس بار وہ پھر سے بچ جاتی اگر ان کے گروپ کا ایک لڑکا فائق اپنی خالہ سے ملنے امریکہ نہ گیا ہوتا تو شاید اس کی باری ہوتی، دل ہی دل میں وہ فائق کو کوسنے دینے لگی۔

☆......☆

''فائق ہوتا تو اس کو راضی کر لیتی، اس بار اور ویسے بھی اگلے سال تو یونیورسٹی ختم ہو جاتی۔'' وہ بولتی جا رہی تھی۔

مگر اس کی پلاننگ کو تو زنگ لگ چکا تھا۔ ایسا نہیں تھا وہ دوستوں کو پارٹی دینا ہی نہیں چاہتی تھی۔ وہ تو دل کی بہت کھلی ہنسنے بولنے والی لاپرواہ سی لڑکی تھی۔ پوری یونی میں اپنی شرارتوں کی وجہ سے مشہور تھی مگر اس کے گھریلو حالات اسے اس بات کی اجازت نہ دیتے تھے اور اس کھینچ تان کی زندگی سے وہ بہت چڑتی تھی۔ مگر اب کون اس کا یہ مسئلہ حل کرتا۔

''امی کو کہا تو جوتے پڑیں گے۔'' جب سوچ سوچ کر تھک گئی تو لحاف منہ تک اوڑھ کے سو گئی۔

جب وہ سیکنڈ ایئر میں تھی ابو کی وفات ہو گئی۔ ایک بھائی تھا اس سے چھ سال چھوٹا تھا وہ تو شکر ہے ابا کی پنشن تھی۔ ایک مکان کا کرایہ تھا تو صائمہ (امی) جیسے تیسے گزارا کر لیتیں۔ جب ماہرہ نے شہر کی مہنگی ترین یونیورسٹی میں ماسٹرز کرنے کا فیصلہ لیا صائمہ کو بہت غصہ آیا کہ وہ گھر کے حالات سے سمجھوتہ کرنے کو تیار نہ تھی۔ صائمہ نے تو ماہرہ کو پرائیویٹ کا مشورہ دیا تھا۔ مگر ماہرہ نے خود ٹیوشن پڑھا پڑھا کر اپنا ایڈمیشن کروا لیا تھا۔

کام چور اور سست تو وہ ازل سے تھی۔ ٹیوشن بھی پڑھاتی تو اپنے شوق پورا کرنے کے لیے۔ مہنگے مال سے شاپنگ، کھانا، سیر و تفریح دوستوں کے ساتھ اس کا مشغلہ تھا۔ ویسے دیکھا جائے تو اتنے بڑے شوق بھی نہ تھے مگر ماں تو ماں ہے ان کو کون سمجھائے۔ جو ہر وقت اسے لڑکیوں کی کفایت شعاری کے گر سکھاتی رہتیں تھیں مگر وہ ماہرہ ہی کیا جو سن لے ایک کان سے سن کر دوسرے سے باہر۔ فطرتاً وہ بہت حساس تھی مگر ہر وقت رونا دھونا اس کے بس سے باہر تھا۔ وہ لائف کو انجوائے کرنا جانتی تھی بس تبھی صائمہ بیگم اور ماہرہ کی تو تو میں میں لگی رہتی۔

ماہرہ کی منگنی کافی عرصے سے ہو چکی تھی۔ اس کے والد اپنی زندگی میں اپنے بڑے بھائی کے اکلوتے بیٹے زیاف سے کر چکے تھے۔

زیاف بہت سوبر اور سنجیدہ نیچر کا مالک تھا۔ وہ ماہرہ سے محبت کرتا تھا مگر ماہرہ کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی وہ تو اپنی زندگی میں مگن تھی اور نہ کبھی زیاف نے اسے اپنی خاموش محبت کا احساس دلایا تھا۔ کبھی موڈ ہوتا تو اس سے ہنس بول لیتی اور کبھی ساری بھڑاس زیاف پر نکال دیتی۔ یونہی ان دونوں کا رشتہ قائم تھا۔ زیاف ایم بی اے کے بعد ایک اچھی کمپنی میں اچھی پوسٹ پر تھا اور اس کے والد آرمی سے ریٹائرڈ تھے۔ ماہرہ کے مقابلے میں ان کے حالات کافی خوش حال تھے۔

☆......☆

وہ آج یونیورسٹی آئی تو مہرین اور نائمہ نے اسے گھیر لیا۔

''اور ماہی پھر پارٹی دے رہی ہو نا؟ ہم کچھ ہیلپ کریں۔'' مہرین چہکی۔

ان کے گروپ میں تین لڑکیاں اور دو لڑکے تھے۔ مہرین، نائمہ، ماہرہ، فائق اور سنی۔ اس بار تو وہ کچھ زیادہ ہی ندیدے ہو رہے تھے ماہی سے پارٹی لینے کے لیے کم سے کم ماہرہ کو ایسا ہی لگ رہا تھا۔

''پارٹی پارٹی تو ایسی کر رہے ہیں جیسے آخری نیو ایئر ہو، منحوس مارے۔'' پہلے سے جھنجلائی ماہرہ اور چڑ گئی مگر یہ بات اس نے دل میں کہی تھی۔ اتنے میں

فائق کی کال آگئی۔ اسکائپ پر مہرین نے اپنا سیل ماہی کی طرف بڑھایا اس نے بے دلی سے پکڑا۔
"اور ماہی بیگم! سنا ہے تم پارٹی دے رہی ہو مجھ سے تو صبر نہیں ہو رہا آج ہی اڑ کر آجاؤں دل کرتا ہے۔" وہ دانت نکال کر بولا۔
"میری پارٹی میں سونے کے برتنوں میں کھانا اور نیو ایئر سونگ گانے کے لیے سونو نگم نہیں آرہا جو تم اتنے بے تاب ہو۔" ماہی نے دانت کچکچائے وہ مزید ہنسنے لگا۔
بے شک وہ سب ماہی کے مخلص دوست تھے اگر وہ ان کو سچ بتا دیتی تو وہ لوگ الٹا اس کی ہیلپ کرتے مگر ماہرہ طارق اپنی پرسنلٹی کے برخلاف ان کو کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی۔ ابھی بھی وہ جینز پر ریڈ کرتا پہنے، جس کے گلے پر وائٹ کام تھا گلے میں مفلر کا بکل مارے اپنے سلکی بالوں کو کھلا چھوڑے سفید چمکتی رنگت میں بے حد خوب صورت لگ رہی تھی اور وہ چاندی کی پتلی سی تار اس کے تیکھے ناک کا خاصا تھی۔

☆......☆

گھر آکر آج اس نے صائمہ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ شاید ان کا دل اپنی نازک سی بیٹی کو دیکھ کر پگھل جائے اور وہ اپنا کوئی سونے کا زیور یا پھر ایک عدد کنگن چلو وہ نہ سہی بینک میں جمع شدہ رقم میں سے کچھ دے دیں جو انہوں نے ماہی کی شادی کے لیے رکھی تھی۔
حسب معمول وہ آکر صوفے پر نیم دراز ہوگئی اور چپکے چپکے صائمہ کا موڈ دیکھنے لگی۔ وہ کچن میں کام کر رہی تھیں۔ آج تو برتنوں کی اٹھا پٹک بھی نہیں تھی۔ مطلب موڈ خوشگوار ہے۔ تبھی وہ کھانے کی ٹرے لے کر باہر آئیں اسے بھی ہاتھ دھو کر کھانے کا کہا۔ فرقان پہلے سے موجود تھا۔ دستر خوان پر خاموشی سے کھانا کھانے لگی۔ آج اس کے منہ کو بریک تھی صائمہ حیران ہوئیں۔ تبھی ساری ہمت جمع کر کے وہ گویا ہوئی۔ چہرہ ایسا بنا رکھا تھا جیسے کہہ رہی ہو۔
"امی! میں نے سارا کھانا ختم کرلیا۔ میں آپ کی اچھی بیٹی ہوں ناں؟"
"امی جان!" بات شروع ہوچکی تھی۔
"ہاں بولو ماہی۔" اس کی امی جان خاصی حیران تھیں۔
"وہ امی نیو ایئر ہے ناں پارٹی ہوگی ہمارے گروپ میں۔" ماہرہ نے تھوک نگلا۔
"ہاں تم نکموں کا کام کیا ہے اب کس امیر زادے نے پیسہ برباد کرنا ہے اپنے ماں باپ کا۔" نارمل انداز تھا۔
"کسی نے نہیں وہ دراصل اس بار میری باری ہے اور مجھے دینی ہی پڑے گی۔ مجھے اس کے لیے پچاس ہزار روپے کی ضرورت ہے۔ امی پلیز ہیلپ کردیں۔" آنکھیں میچے فل اسپیڈ میں کہتی گئی مبادا امی گلاس ہی منہ میں نہ ٹھونس دیں اس کی زبان بند کروانے کو۔
"کیا......؟" امی کا "کیا" اتنا لمبا اور بلند تھا کہ دس لاؤڈ اسپیکرز کو مات دے گیا۔ صائمہ اس کے شوقوں سے ویسے بھی عاجز تھیں۔ آج تو حد ہوگئی۔ فرقان اس جنگ کا واحد سامع تھا سہم کر کونے میں دبک گیا۔
"کیا کہا پچاس ہزار وہ بھی پارٹی کے لیے۔ نکمے لوگوں کا جو کام ہے آج کل کی نسل کو پارٹیاں یاد ہیں ہلا گلا یاد ہے بس یہ نہیں کہ کما کر ماں باپ کے ہاتھ پر رکھیں۔ الٹا لوٹتے ہیں۔ کہا تو ایسے شکل بنا کر جیسے محترمہ غریبوں میں لنگر چلانے والی ہیں۔ اگر اتنی ہی عیاشی کرنی تھی تو اوباما کے گھر پیدا ہوتیں یہاں کیوں آگئیں۔" صائمہ آج ماہی کو خوب لتاڑ رہی تھیں۔
"وہ امی اس میں میرا بس نہیں چلا ورنہ اوباما کے گھر ہی پیدا ہوتی۔" اپنی زبان کا جوہر دکھا کر پھر سہم گئی۔ صائمہ غصے میں خوب سناتیں۔ واک آؤٹ

کر گئیں۔ فرقان نے سکھ کا سانس لیا اور وہ بھی بھاگا کہ ماہی اسی کو نہ جھپٹ لے۔

''یہ کیا امی! تو صاف انکار کر گئیں اور کسی ایٹم بم کے جیسے پھٹیں مجھ پر۔'' وہ بڑبڑانے لگیں۔

اندر آتا زیاف سب سن چکا تھا ماہی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

''السلام علیکم۔'' وہ مسکرایا۔ ماہی چپ رہی شرمندہ ہوگئی۔

''سلام کا جواب تو دیں میڈم۔''

''نہیں دیتی کیا کر لو گے؟'' امی کا غصہ جو نکالنا تھا تو زیاف سے بہتر کون ملتا۔

''کر تو کچھ بھی نہیں سکتا۔ ہماری کیا مجال۔'' وہ دھیما سا مسکرایا۔

''موڈ کیوں خراب ہے خیریت؟'' سب جان کر انجان بن گیا۔

''اوہ شکر اسے پتا نہیں لگا ورنہ کیا سوچتا میرے بارے میں۔'' وہ بڑبڑائی۔

''کچھ نہیں ایک اسائمنٹ خراب ہو گیا تھا یونیورسٹی کا بس اسی لیے۔''

''اوہ تو مجھ سے ہیلپ لے لیتیں خراب نہ ہوتا۔'' اس کے بات بدلنے پر وہ معنی خیزی سے مسکرایا۔

''تمہارا کیا مطلب ہے میں نالائق ہوں؟ بس ہو گیا خراب تمہیں کیا بڑے آئے۔'' اپنے رشتے کا بھی خیال نہیں کرتی تھی وہ اور جو منہ آیا بول گئی مگر زیاف اس کی باتوں کو انجوائے کرتا تھا۔ اس کے جانے کے بعد وہ صائمہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆

دسمبر کا آخر چل رہا تھا۔ نیو ایئر آنے کو تھا اور وہ ٹینشن سے بے حال۔ کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کی تو نازک سی ناک کٹ جائے گی دوستوں کے آگے۔ مہرین اور سنی کے میسجز آ رہے تھے۔

''ارے ماہی! پارٹی کی تیاریوں میں اتنی بزی ہو کہ یونی آنا چھوڑ دیا۔'' یہ سنی تھا۔ دل ہی دل میں اس بڑبولے کو کوستی مگر جواب نہیں دیتی تھی۔ بس ایک دو بار ہی یونیورسٹی گئی تھی۔ بمشکل ان کے سوالوں سے جان بخشی کروا کر گھر آ جاتی۔ ان دنوں موڈ سخت خراب تھا۔ صائمہ بیگم بھی خاموش تھیں۔ ورنہ وہ زیادہ دن ناراض نہیں رہتی تھیں۔

اور آخر کار دسمبر کا آخری دن بھی آن پہنچا مگر حیرانی ہوئی کسی فرینڈ کا میسج نہیں آیا تھا۔ نہ ہی پارٹی کا پوچھا سب نے۔ اس پر ماہی نے شکر ادا کیا کہ چلو خود ہی سمجھ گئے ہوں گے مگر شرمندگی سے لال پیلی ہونے لگی اور اسی غصے میں دو بار تو فرقان کو بھی ڈانٹ پلا چکی تھی۔

گھڑی کی ٹک ٹک نے اور بے چین کر دیا بارہ بجنے میں ایک گھنٹہ باقی تھا اور وہ کمرے کی کھڑکی میں اداس سی بیٹھی تھی اور سوچ رہی تھی۔

''کیا ہوتا اگر اس کی زندگی میں بھی کوئی ہوتا اور اس کی ہیلپ کرتا۔'' ایسے میں زیاف کا خیال تک نہیں آیا اسے۔ تبھی اس کے سیل پر مہرین کی کال آ رہی تھی۔

''اب یہ موٹی بھی میری کلاس لے گی۔'' کال نہیں اٹھائی پھر ٹیکسٹ آیا بے دلی سے کھولا۔

''کہاں ہو، ہمیں پارٹی میں بلا کر خود غائب ہو؟''

''ہیں؟ پارٹی؟ میں تو یہاں ہوں لگتا ہے پاگل ہو گئی ہے یا پھر مذاق اڑا رہی ہے میرا۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔ پھر کال آنے لگی۔ غصے سے ریسیو کر کے بولی۔

''ہیلو!''

''ماہی کہاں ہو جلدی آجاؤ کتنی تیاری کرو گی؟ تمہارا منگیتر بھی آ رہا ہے۔ بڑا ہینڈسم ہے۔ بس تم فوراً پہنچو۔'' اور فون بند۔

''میں کہاں پہنچوں؟'' وہ حیران تھی تبھی فرقان اندر آیا اور ایک چٹ اور شاپر اس کی طرف بڑھایا۔

''آپی! یہ ہے وہ ہوٹل جہاں زیاف بھائی نے پارٹی ارینج کی ہے۔'' صائمہ بھی گیٹ میں کھڑی مسکرا رہی تھیں۔

''امی! یہ سب کیا ہے؟''
''جو بھی ہے تم چھوڑو جلدی تیار ہو جاؤ اور پہنچو۔ زیاف بتادے گا تمہیں سب۔'' وہ بھاگ کر امی سے لپٹ گئی۔ اچانک خوشی جول گئی تھی۔
شاپر میں بہت قیمتی بلیک کلر کا فراک تھا جس پر ریڈ اور سلور کام تھا۔ اندر کارڈ تھا جس پر زیاف لکھا تھا۔
یکدم انجانی خوشی اور اپنے پن کا احساس جاگ اٹھا اس کے دل میں وہ تو اسے کسی لائق سمجھتی ہی نہ تھی وہ بھی ایسا کر سکتا ہے۔ جی بھر کر اپنی لاپرواہی پر شرمندہ ہوئی۔
جلدی جلدی تیار ہو کر وہ ہوٹل پہنچی۔ بارہ بجنے میں پانچ منٹ تھے اور پارٹی ہال میں پہنچ کر اس کا منہ کھل گیا۔
ہر طرف لائٹنگ، سجاوٹ، بڑی خوب صورتی سے سجے پھول، میوزک اس کے تمام گروپ فیلوز اور کچھ جانے پہچانے فرینڈز۔ تبھی بارہ بجے ہر طرف شور اٹھا۔
کرسمس ٹری رنگ برنگی لائٹوں سے جل اٹھے۔ اوپر سے بڑے بڑے غباروں کے پھٹنے کی آواز آئی اور ان میں سے چمکیلے پھول برسنے لگے وہ اب تک شاکڈ کھڑی تھی۔
تبھی مہرین، سنی، نائمہ ہیپی نیو ایئر کا شور کرتے اس تک آئے سب نے اس کی شاندار پارٹی کی تعریف کی اس کے ڈریس کی بھی تعریف ہوئی مگر اس کی نظریں کسی اور کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں۔
''ہیپی نیو ایئر سوئیٹ ماہی۔'' کان کے پاس سرگوشی ہوئی۔
''زیاف تم نے کیا یہ سب؟ کیوں؟ کب؟'' وہ بولتی گئی۔
''ارے سانس لے لو بتاتا ہوں۔ اس دن معذرت کے ساتھ میں نے تمہاری اور صائمہ چچی کی تمام باتیں سن لی تھیں باقی انفارمیشن مجھے فرقان سے ملی اور تبھی میں نے فیصلہ کیا کہ میں بھی تو تمہارا اپنا ہوں۔ تم نے مجھے ایک بار نہ کہا۔'' وہ گلہ کر گیا۔
وہ حیرانی سے بس سن رہی تھی بلکہ دیکھ رہی تھی کہ آج بلیک تھری پیس میں وہ کتنا شاندار لگ رہا تھا۔
''مجھ سے کہتیں تو میں تمہاری ان چھوٹی چھوٹی خواہشوں کو پورا کر سکتا ہوں۔ پھر میں نے چچی کو راضی کیا وہ تو پیسے دینا چاہتی تھیں مگر میں نے روک دیا۔ میں یہ سب خود تمہارے لیے کرنا چاہتا تھا تا کہ ساتھ ساتھ تم سے اپنی محبت کا اظہار بھی کر سکوں۔ اب کچھ مت کہنا میں جانتا ہوں تم بہت خوددار ہو مگر میری طرف سے محبت کا پہلا گفٹ سمجھ لو اسے۔''
ماہرہ کو بولتے دیکھ کر وہ پیار سے ٹوک گیا۔
''سو کیسی لگی پارٹی میڈم جی؟'' وہ پیار سے پوچھنے لگا۔
''ماہرہ کو آج احساس ہوا زندگی میں سب سے خاص انسان تو موجود تھا جو اس کے سکھ دکھ کا ساتھی تھا اور یہ رشتہ دنیا کا خوب صورت ترین رشتہ تھا۔ جہاں کوئی پردہ داری نہ تھی بس محبت تھی۔
''مجھے سمجھ نہیں آ رہی زیاف میں تمہارا شکریہ......''
''شکریہ کی ضرورت نہیں ہے بس اس بات کا جواب دینا جو میں کہنا چاہتا ہوں۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔
''کیا بولوں میں؟ کس بات کا جواب؟'' ماہرہ نروس ہو گئی۔
''آئی لو یو۔'' تبھی وہ قریب آ کر اس کے سلور جھمکے کو چھیڑ کر بولا۔
''آئی لو یو ٹو۔'' مارے خوشی کے وہ کنٹرول ہی نہ کر پائی اور فوراً بول گئی۔ جب احساس ہوا تو شرما کر دوستوں کے ہجوم کی طرف بھاگ گئی۔ زیاف قہقہہ لگا کر رہ گیا۔
آج نئے سال پر زیاف کو اس کی خاموش محبت کا صلہ ملا تھا اور ماہرہ کو کسی بہت اپنے کا احساس۔

......☆......

نائیلہ طارق

سلسلہ وار ناول

آخری قسط

جو عشق میں بنتی وہ عشق ہی جانے

آج وہ کتنے خوش تھے۔ خرمن اور عارش کا تعارف ایک ایک انسان سے کرواتے وہ اور صبیحہ کتنی بار آبدیدہ ہوئے تھے مگر ان کے چہرے خوشی اور تشکر سے جھلملا رہے تھے۔



''میں اسی انتظار میں تھا کہ پہلے احمد بھائی تمہیں سنبھال لیں کیونکہ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ تمہاری آنکھوں میں ایک آنسو بھی دیکھ سکوں۔ میری بیٹی کے چہرے پر سب کو مسکراہٹ نظر آنی چاہیے۔'' ہشام نم لہجے میں بولتے مسکرائے تھے۔

''اب بالکل مت رونا، تمہارے دم سے تو یہ خوشیاں ہیں۔'' صبیحہ نے آنسو ضبط کرتے ہوئے اسے گلے سے لگا کر پیار کیا تھا۔

''خرمن! یہ بھی کوئی رونے کا موقع تھا۔ دیکھو ذرا سب کو افسردہ کر دیا تم نے۔'' فاطمہ کے ڈپٹنے پر وہ بے ساختہ مسکراتی ان سے لپٹ گئی تھی۔

''خرمن! ہم دو بے چارے بھی یہاں ہیں؟'' ایبک کی آواز پر اس نے چونک کر اسے دیکھا تھا جو عون کو کندھے سے لگائے ہوئے تھا۔ بے ساختہ ہنستے ہوئے اس نے عون سمیت اسے گلے لگایا تھا۔



"تم دونوں کو کیسے بھول سکتی ہوں، جان ہو میری۔"
"خرمن! کیا ہوا ہے؟ روئی کیوں ہو تم؟" قریب آتے ہارون نے شدید تشویش سے اسے دیکھا تھا جب کہ ہارون کے ساتھ ہی موجود عارش کی نظروں نے بھی بغور اس کے روئے روئے چہرے کو دیکھا تھا۔ سرخ جھلملاتے اسکارف میں اس کا ستا ہوا چہرہ سرخ آنکھیں پھیلے میک اپ کے باوجود دل میں اتر رہا تھا۔
"آپ منیزہ کو وہاں چھوڑ کر یہاں کیوں آگئے؟" خرمن نے ہول کر ہارون کو دیکھا تھا۔
"پہلے مجھے بتاؤ تم کیوں روئی ہو؟ اگر کسی نے کچھ کہا ہے تو ابھی مجھے بتاؤ۔"
"بھائی! ان کو کسی نے کچھ نہیں کہا۔ یہ بس ہم سب سے عید مل رہی ہیں۔ آپ بھی ملیں اور پھر عارش کو بھی آگے آنے دیں۔" سب کے سامنے ایبک کے بے دھڑک یہ کہنے پر وہ بری طرح جھینپی عارش کی جانب نہیں دیکھ سکی تھی۔ جو مسکراتی گہری نظریں اس کے چہرے سے ہٹا گیا تھا۔

☆......☆

سرخ پھولوں کے مہکتے پردوں کے درمیان اس کا پھولوں کو شرماتا وجود مکمل واضح نہ تھا۔ ماحول کی دلفریب مہک میں اس کے حنائی ہاتھوں کی خوشبو بالکل الگ تھی۔ وہ ہاتھ جو مشعلِ راہ تھے۔ صندلی نین نقش جو نئے سفر، نئی منزلوں کی آس و امید تھے۔ ان کی جگمگاہٹیں آنکھوں کو چندھیائے جا رہی تھیں۔ دوسری جانب وہ دھڑکتے دل کے ساتھ نگاہیں جھکائے بالکل ساکت تھی۔ آہستہ آہستہ قدموں کی دھیمی آہٹ دائیں جانب آ رکی تھی۔ خاموشی سے گزرتے یہ لمحے بہت بھاری ثابت ہو رہے تھے۔ بھیگے مہکتے پھولوں کی یخ ٹھنڈک منیزہ کے رخساروں کو دہکا رہی تھی۔ انتظار کے ان کٹھن لحات سے گھبرا کر اس نے ذرا کی ذرا جو پلکیں اٹھائیں تو جیسے جسم کا سارا خون سمٹ کر چہرے پر آ رکا تھا۔ سرخ پھولوں کے نازک پردے کے دوسری جانب ذرا ہی فاصلے پر وہ اسے سنگِ مرمر کا شاہکار ہی نظر آیا تھا۔ اس کی سحر انگیز نگاہیں منیزہ کے چہرے کا ہی طواف کرتیں اسے فوراً ہی حیا بار پلکیں جھکانے پر مجبور کر گئی تھیں۔ وہ حقیقتاً سانس لینا تک بھول گئی تھی۔ یاد رہا تو بس اتنا کہ یہ من چاہا پیارا سا انسان ہمیشہ کے لیے اس کا ہو چکا ہے۔ اس کے جسم و جاں کا مالک بن چکا ہے۔ بند ہونٹوں سے جو دعا اس نے اپنے رب سے مانگی تھی اس کے قبول ہونے کی گواہی دیتا یہ شخص قریب ہی موجود تھا اور وہ خلوت میں اس کے نام کی سیج پر منتظر بیٹھی تھی۔ اس کا رواں رواں ہارون کی آواز سننے کے لیے بے قرار تھا۔ وہ آواز جس کا جادو اس کی روح کی گہرائیوں تک میں اجارہ قائم کیے ہوئے تھا شاید صدیوں سے۔
"میں نے چاہا تھا کہ یہ وقت میری غلطیوں کے اعتراف میں ہی وقف نہ ہو جائے، ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا کیونکہ یہ لمحے صرف میرے اور تمہارے ہیں لیکن......" گھمبیر آواز منیزہ کی سماعتوں سے ٹکراتی اسے چونکا گئی تھی۔
"تمہاری ناراضی جائز ہے۔ میں نے واقعی خود غرضی کا مظاہرہ کیا تھا۔ خرمن کو اپنے قریب لانے کے لیے میں نے جان بوجھ کر تمہیں تکلیف دی۔ مجھے یقین تھا کہ تمہارے لیے ہی سہی مگر وہ مجھے قبول تو کرے گی۔" سائیڈ ٹیبل کی چمکتی سطح پر نظر جمائے وہ اس سے مخاطب تھا جو بغور اس کے لہجے کے اتار چڑھاؤ کو سن رہی تھی۔
"اس کی نفرت کو سہنا میرے لیے کٹھن تھا۔ میرے اعصاب شل ہو چکے تھے۔ میں تھک گیا تھا منیزہ!

بس ایک ہی جنون تھا کہ خرمن مجھے معاف کر دے، اس سب کے لیے تمہیں مہرہ بناتے ہوئے میں یہ بھی بھولنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ تم سے میرا تعلق روح اور جسم کا ہے۔ ایک صرف تم ہی ہو جس کے سامنے میں نے اپنا دل، اپنا ماضی اور حال کھول کر رکھ دیا تھا۔ ہر سچ اپنی جگہ مگر ایک سچ یہ بھی ہے کہ تم نے جب میرے دل تک رسائی حاصل کی، اس وقت ہمارے درمیان کوئی تیسرا نہیں تھا۔ نہ ہم دونوں کسی حقیقت کو جانتے تھے۔ یہ میری کم ظرفی تھی کہ میں نے تم پر الزام لگایا کہ تم سراسر عارش کی ہدایت پر کسی کھوج کے لیے مجھ تک آئی تھیں۔ اگر یہ تھا بھی تو اس میں تمہاری کوئی غرض نہیں شامل تھی اور میں جانتا ہوں کہ اس سب سے بہت پہلے ہی ہم ایک دوسرے کے قریب آ چکے تھے۔'' ایک پل کے لیے خاموش ہو کر ہارون اس کے کچھ کہنے کا منتظر رہا تھا مگر اس کی جانب نہیں دیکھا تھا۔

''تم سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ نفسیاتی طور پر میں اس بدحالی کا شکار تھا۔ میں نے خود پر جبر کر کے تمہیں فورس کیا تھا کہ تم مجھے قبول کرنے سے انکار کرو جب کہ میں خود یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ تم میری تاریک زندگی میں روشنی بن کر آئی تھیں۔ میں کسی قیمت پر تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا۔ میرا مقصد کیا تھا تم جان چکی تھیں۔ اپنے مقصد کی کامیابی کی بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی ہے مجھے۔ اب شاید میرا کوئی لفظ مجھے واپس تمہارے دل میں وہ مقام نہ دے سکے جو پہلے کبھی ہوا کرتا تھا۔ تمہیں تکلیف دے کر سکون سے میں بھی نہ رہا تھا۔ میں اپنی کشمکش میں تمہارے ساتھ زیادتی کا مرتکب ہوا، میں نے تمہیں......'' وہ یکدم خاموش ہوا تھا۔ ایک پل کو رک کر اس نے اپنے ہاتھ کو دیکھا تھا۔ جو نازک حنائی ہاتھ کی نرم گرفت میں تھا۔ وہ اس ہاتھ سے نگاہ ہٹا کر چاہتے ہوئے بھی منیزہ کی جانب نہیں دیکھ سکا تھا۔

''آپ آج بھی میرے دل کے اسی اونچے مقام پر ہیں۔ جہاں سے کوئی آپ کو نہیں ہٹا سکتا۔ خود آپ بھی نہیں۔'' مدھم لہجے میں بولتے ہوئے منیزہ اس کی جانب ہی دیکھ رہی تھی جو نگاہیں نہیں ملا رہا تھا۔

''میں نے درمیان میں آپ کو اس لیے روکا کہ آپ جو اعتراف کرنا چاہتے تھے وہ کر چکے ہیں۔ میں یہ سب پہلے ہی جانتی تھی۔ خرمن کے لیے آپ جتنا تڑپے ہیں اس کے بعد اسے سینے سے لگانے کے لیے آپ جس حد تک گئے وہ جائز تھا، جس طرح آپ خود کو اور مجھے کانٹوں پر کھینچنے پر مجبور ہوئے تھے۔ اسی طرح آج میں بھی اپنے دل سے مجبور ہوں، جو آپ کو اب کبھی افسردہ نہیں دیکھنا چاہتا، آج کے بعد اب آگے کبھی میں آپ کو ماضی کے کسی تاریک حصے میں نہیں دیکھنا چاہتی۔'' مدھم لہجے میں بول کر منیزہ نے پھر نگاہ اٹھائی تھی۔

''آپ اور میں کسی جبر کے تحت ایک دوسرے سے منسلک نہیں ہوئے۔ بس ایک ہی جذبہ اور اس کی سچائی کی طاقت تھی کہ کوئی غلط فہمی ہمارے راستے جدا نہ کر سکی۔'' اس کے دھیمے لہجے پر اس بار ہارون اس کی جانب دیکھنے سے خود کو روک نہیں سکا تھا جب کہ اس کی گہری نگاہوں میں منیزہ زیادہ دیر نہیں دیکھ سکی تھی جو پلک جھپکے بغیر اس کے بالمقابل براجمان ہوا تھا۔

زلف کا بادل، بدن کی روشنی، آنکھوں کی شام
اس زمین پر آسماں پھیلا ہے میرے سامنے

اس کی بولتی نگاہوں کی تپش نے منیزہ کا چہرہ سرخ کیا تھا۔

''جانتی ہو، آج مجھے مکمل یقین ہو چکا ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں کم از کم کوئی ایک ایسا اچھا عمل

ضرور کیا ہے کہ جس کی بدولت مجھے ہمیشہ کے لیے تمہارا ساتھ مل گیا ہے، تم میری شریک زندگی ہی نہیں۔ میرے وجود کا حصہ اور میرا اعزاز بھی ہو۔" دھیرے سے اس کا نازک ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں لیتا وہ بہت عقیدت سے بولا تھا۔

"محبت کا ہو جانا کمال نہیں ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ اس کا حق بھی ادا ہو جائے۔ شاید میں کبھی تمہاری بے لوث محبت کا حق ادا کر پاؤں منیزہ!" گہرے لہجے پر منیزہ بس ایک پل کے لیے ہی اس کی ساحر آنکھوں میں دیکھ سکی تھی۔ دھڑکنیں خطرناک حد تک بڑھنے لگی تھیں۔ جب ہارون نے اسے شانوں سے تھام لیا تھا۔

"منیزہ! تم خوش ہو؟" گہری نظروں سے اس کے ترشے حسین نقوش دیکھتا وہ پوچھ رہا تھا۔

"منیزہ!" گھمبیر پر حدت سرگوشی میں جانے کیا کچھ تھا، منیزہ کا دل ہی نہیں وجود بھی اس کی گرفت میں پگھلنے لگا تھا۔

"یہ سوال آپ اپنے دل سے پوچھیں۔" حیا کے بوجھ سے جھکی پلکوں اور دبی آواز میں وہ بمشکل بول سکی تھی۔

"تم دامن بچانا چاہتی ہو مگر آج بغیر کسی سوال کے میرا دل بہت کچھ کہنا چاہتا ہے تم میں سننے کی تاب ہے؟" اس کے مسکراتے لہجے پر منیزہ نے بے اختیار پلکیں اٹھائی تھیں مگر اگلے ہی پل اس کی جگمگاتی وارفتہ نگاہوں پر شرم و حیا سے دوہری ہوتی ہاتھوں میں چہرہ چھپا گئی تھی مگر ہارون کی نظروں سے خود کو نہیں، جو کھل کر مسکراتا اس کے انوکھے روپ سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ بالآخر کڑی دھوپ کے سفر کے بعد محبت کے حسین رنگوں سے سجی یہ منزل۔

صحرا میں سرسبز و شاداب نخلستان جیسی اور دنیا میں کسی جنت سے کم نہیں تھی۔

☆......☆

باہر گرلز کے قریب ہی عثمان فون پر بات کرنے میں مصروف تھا۔ وہ یقیناً برہان سے بات کر رہا تھا۔ اس لیے خاموشی سے اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی وہ گرلز کے باہر اطراف کا جائزہ لینے لگی تھی۔ منیزہ کو رخصت کروا کر گھر پہنچانے تک وہ خرمن کے ساتھ ہی رہی تھی۔ خرمن اور عارش کے ہمراہ ہی واپس اپنے گھر آتے آتے رات بہت گزر چکی تھی۔ اس وقت رات کی خاموشی اور پورے چاند کی روشنی اپنے عروج پر تھی۔

"خوش خبری سن لو۔ اگلے ہفتے بھائی سمیت سب یہاں پہنچ رہے ہیں۔" گرلز سے پشت ٹکاتے ہوئے اس نے بیلا کو اطلاع دی تھی۔

"واقعی۔" بیلا خوشی سے کھل اٹھی تھی۔

"ہاں اور انہوں نے خرمن کو بھی مبارک باد دینے کے ساتھ یہ خبر سنا دی تھی۔ اس نے بھائی سے کہا کہ اگر اسے پہلے وہ یہ بات بتا دیتے تو وہ منیزہ اور ہارون کی شادی کی ڈیٹ ایک ہفتہ آگے بڑھوا دیتی۔"

"اگر وہ کہہ رہی ہے تو ضرور ایسا کرتی۔" بیلا نے کہا تھا۔

"بھائی کی وجہ سے وہ اگر ایسا کر لیتی تو عارش کو جلتے توے پر لوٹنے سے میں بھی نہیں روک سکتا تھا۔" عثمان کی بات پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

"آخر استانی نے منیزہ کا ہاتھ اپنے بھائی کے ہاتھ میں دے ہی دیا۔ نہ مجھے اپنا ہونے دیا۔ نہ کسی اور کا ہونے دیا۔"

''یہ کہو تمہیں ہر کسی کا نہیں ہونے دیا۔'' بیلا کے گھورنے پر مسکرایا تھا۔
''ذرا دماغ چلا لیا کرو، تم نے بھی مجھے کسی اور کا ہو جانے کے قابل چھوڑا تھا؟'' عثمان نے مسکراتی نظروں سے اس کے ناراض تاثرات کو دیکھا تھا۔
''اچھا یہ بتاؤ اگر انکل، آنٹی نے ہمارے ساتھ گھر میں رہنے سے انکار کیا تو......؟'' یکدم بیلا نے تشویش سے پوچھا تھا۔
''مجھے نہیں لگتا کہ امی، ابو کو اس گھر میں رہنے پر کوئی اعتراض ہوگا۔ یہ گھر بھی ان کا ہی ہے۔'' وہ بولا تھا۔
''یہ تو ہے مگر فرض کرو اگر انہوں نے یہاں کے بجائے اپنے ہی گھر کو ترجیح دی تو؟'' بیلا نے بغور اس کے تاثرات کا جائزہ لیا تھا۔
''تم کیا کہتی ہو؟'' وہ جواباً سوال کر گیا تھا۔
''میں بس اتنا جانتی ہوں کہ وہ دونوں کسی گھر میں بھی رہیں، میں ان کے ساتھ ہی رہوں گی۔'' وہ قطعی لہجے میں بولی تھی۔
''میں یہی چاہتا ہوں کہ وہ ہمارے ساتھ اسی گھر میں رہیں، ان کو یہ گھر اور یہاں کا ماحول پسند آئے گا، میں کچھ عرصے میں اپنے اس گھر کو خریدنے والا ہوں، یہ بات میں امی کو بتا چکا ہوں۔ دوسرے گھر کو وہ چاہیں تو رینٹ پر دیں یا کبھی کبھی وہاں خود جا کر رہنا چاہیں، تو یہ ان دونوں کی مرضی ہوگی۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔
''مان! کیا تم ان کے گھر میں دوبارہ اس لیے نہیں جانا چاہتے، کیونکہ وہاں سے تمہیں نکل جانے کا حکم دیا گیا تھا؟'' بیلا کے سوال پر وہ ایک پل کے لیے خاموش رہا تھا۔
''شاید، کہیں نہ کہیں دل میں یہ چبھن بھی ہے مگر میری نیت بس یہ ہے کہ میں اپنے ماں باپ کو اپنی ذات سے بھی کچھ خوشیاں دوں۔ ان کے لیے کچھ اچھا کروں، ان کو بھی یہ فخر ہو کہ ان کا ایک بیٹا اور بھی ہے جو ان کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا ہے۔''
''تمہاری نیت بہت اچھی ہے۔ ہم دونوں مل کر ان کا دل جیتنے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ بس تم ان سے کسی بات کا کوئی گلہ مت کرنا، انہوں نے بھی کھلے دل سے ہمیں معاف کیا اور سب کچھ بھول گئے، گزری باتوں کو اگر دہرایا گیا تو ان کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی تکلیف ہوگی میں یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ میری وجہ سے ایک بار پھر تم اپنے ماں باپ سے دور ہو جاؤ۔'' اس کے آزردہ لہجے پر عثمان نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے مقابل کیا تھا۔
''بیلا! میں جانتا ہوں کہ اپنے ماں باپ کو کھونے کے بعد تمہیں میرے ماں باپ کی کتنی قدر ہے۔ تم نے ہمیشہ ان کو عزت احترام دیا ہے۔ کچھ حالات اور کچھ اپنی نادانیوں کی وجہ سے میں ان سے دور ہوا تھا۔ آج تمہاری وجہ سے ہی میرے ماں باپ سے میرا تعلق مضبوط ہوا ہے۔ جس دن میں نے اپنی بیٹی کا چہرہ دیکھا، اس دن صحیح معنوں میں مجھے اپنے ماں باپ کی قدر و اہمیت کا اندازہ ہوا اس دن مجھے احساس ہوا کہ میں ان سے کتنی محبت کرتا ہوں۔
''جو بھی ہوا ماضی میں، جس طرح بھی میں نے تمہیں اپنی زندگی میں شامل کیا مگر میں نے اپنے اور تمہارے لیے جو فیصلہ کیا آخری سانس تک میں اس پر کوئی حرف نہیں آنے دوں گا، مجھے تمہارے ساتھ پر

فخر ہے۔ افسوس رہے گا، تو اس چیز کا کہ تمہارا استقبال تمہارے شایانِ شان نہ ہوا جس کی تم حق دار تھیں، میرے ساتھ بہت تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا تھا تمہیں۔"

"جو وقت گزر چکا ہے اس کے بارے میں نہیں، آنے والے وقت کے بارے میں اچھی اچھی باتیں سوچو۔" بیلا نے خفگی سے اسے ٹوکا تھا۔

"مجھے سچ کا اعتراف کرنے دو، میری بے ترتیب زندگی کو تم نے سنوارا ہے۔ میں اگر ٹوٹے رشتوں کو پھر سے جوڑنے میں کامیاب ہوا ہوں تو صرف اس لیے کہ تم میرے ساتھ رہی ہو ہمیشہ۔ کبھی یہ مت سوچنا کہ تمہاری وجہ سے کچھ غلط ہوا تھا۔ یہی حالات تو انسان کو جینے کا سلیقہ سکھاتے ہیں۔ شعور کو بیدار کرتے ہیں۔ تمہیں کسی کے سامنے سر جھکانے یا شرمسار ہونے کی ضرورت نہیں ہے جن کے سامنے ہمیں سر جھکانا تھا۔ ہم جھکا چکے ہیں اور یہی ہم سب کے حق میں بہتر رہا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو، اپنی محبت کو بلند درجے پر رکھنے کے لیے۔ اپنے بڑوں کے سامنے سر جھکانا ہی ہمارے لیے بہتر تھا۔ شکر ہے کہ ہمیں یہ سمجھنے میں بہت زیادہ دیر نہیں لگی۔" اس کے ہاتھوں میں موجود اپنے ہاتھوں کو دیکھتی وہ بولی تھی اور پھر نگاہ اٹھا کر اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"میرے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ مجھ سے ایسی ہی محبت کرتے رہو۔ کبھی اس محبت میں کمی نہ آنے دو۔"

"بالکل نہیں، میں آج بھی تم سے پہلے جیسی نہیں بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ محبت کرتا ہوں کیونکہ تم میری زندگی ہو، میری دنیا ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میری پریوں جیسی پیاری سی بیٹی کی ماں ہو۔"

"بس......صرف اسی لیے ہی؟" مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بیلا نے خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

"ہاں یاد آ گیا۔ اس لیے بھی کہ کسی زمانے میں تم میری آخری محبوبہ بھی رہ چکی ہو اور مجھے لگ رہا ہے کہ وہ محبوبہ اس وقت پھر تمہارے اندر جاگ اٹھی ہے۔" عثمان کے مسکراتے لہجے پر بے ساختہ کھنکھناتی ہنسی بیلا کے لبوں سے پھوٹتی اس کے مضبوط بازوؤں کے حصار میں گونج اٹھی تھی۔ کھلے آسمان سے برستی چاند کی تیز روشنی میں واضح اس منظر میں کہیں کوئی کمی نہیں تھی۔ سب کچھ مکمل تھا۔

☆......☆

آج ایک اور خوشیوں سے بھرپور دن کا اختتام ہوا تھا اور اس کے حسین رنگ بھی اب ہمیشہ زندگی میں سجے رہنے والے تھے۔ گزرے لمحوں کے بارے میں سوچتے ہوئے اس کے لبوں پر ایک مطمئن سی مسکراہٹ بکھری تھی۔ ایک نگاہ اس نے عون پر ڈالی تھی۔ جسے سلانے میں وہ کچھ دیر پہلے ہی کامیاب ہوئی تھی۔ گھر پہنچنے تک اس نے رو رو کر خرمن کا ہی نہیں عارش کا بی پی بھی لو کر دیا تھا۔ خرمن کو سینڈلز تک اتارنے کا موقع نہیں ملا تھا مگر بہرحال اب عون گہری پرسکون نیند سو چکا تھا۔ بیڈ سے عارش کا کوٹ اٹھا کر ہینگ کرتے ہوئے اسے یاد آیا تھا کہ آج کی اس خاص تقریب میں عارش کتنا ڈیسنٹ اور اٹریکٹو لگ رہا تھا۔ گہری سانس لے کر اس نے کوٹ سے اٹھتی کولون کی بھینی مسحور کن مہک کو اپنے اندر اتارا تھا۔ آج منیزہ اور ہارون سے زیادہ وہ اور عارش سب کی توجہ کا مرکز بنے رہے تھے۔ سب کی سراہتی نظروں کے حصار میں وہ دونوں تھے۔ ہشام قزلباش اور صبیحہ ان دونوں کی تعریفیں سنتے ہوئے بہت زیادہ مسرور تھے۔ آج تو عارش کا اخلاق بھی بہت عروج پر تھا۔ حالانکہ خرمن کو امید نہیں تھی مگر اس کے ایک ہی بار کہنے پر وہ ریڈیو کے پورے گروپ سے بہت گرمجوشی سے ملا تھا اور صرف یہی نہیں، خرمن کی ایک کولیگ کے سوال پر عارش نے

سب کو یہ اطلاع دے دی تھی کہ خرمن بہت جلد دوبارہ ریڈیو جوائن کرنے والی ہے جس پر وہ حیران بالکل نہیں ہوئی تھی۔ اسے یاد تھا کہ آج دن کے آغاز میں عارش نے اس سے کیا کہا تھا۔

''آج میں تمہیں بہت زیادہ خوش دیکھنے والا ہوں۔ اس لیے میں ابھی سے بہت خوش ہوں اور اس لیے بھی کہ جو دعائیں میں نے تمہارے لیے اللہ سے کی تھیں وہ قبول ہو چکی ہیں اگر میں نے کوئی ریاضت کی بھی ہے تو اس کا ثمر مجھے تمہاری مسکراہٹوں کی صورت آج مل ہی جائے گا۔'' اس کے پرخلوص لہجے پر وہ بس مسکرائی تھی۔ کیونکہ کوئی لفظ اس کے خلوص کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا وہ جانتی تھی کہ یہ شخص اس کی خوشیوں کے لیے مرمٹ جانے کی حد تک جا سکتا ہے۔

اسکارف سر سے اتار کر اس نے بغور اپنے جھلملاتے عکس کو ڈریسنگ کے آئینے میں دیکھا تھا۔ آج کے خاص دن کے لیے صبیحہ نے خاص طور پر اس کے لیے گہرے سبز اور سنہری امتزاج کا یہ نہایت خوب صورت لباس تیار کروایا تھا۔ ہر اہتمام کے ساتھ وہ اپنے اسکارف پر توجہ دینا نہیں بھولی تھی۔ کیونکہ اسے دنیا کی نہیں عارش کی نظروں میں خوب صورت نظر آنا تھا۔ اپنے اسکارف کو دیکھتی وہ آہٹ پر چونک کر دروازے کی طرف متوجہ ہوئی تھی جب کہ اندر آتے عارش کے قدم جیسے ساکت رہ گئے تھے۔ اب تک وہ اپنی نظروں اور دل کو بار بار سنبھالتا خود پر پہرے لگائے ہوئے تھا مگر اس وقت وہ اس قابل نہیں تھا کہ اپنی آنکھیں اس کے سراپے، اس کے چہرے سے ایک پل کے لیے بھی ہٹاتا۔ جانے اس پر ہوتی خوشیوں کی بارش کا اثر تھا یا پھر بے قرار محبت میں سلگتی چاہت سے لبریز عارش کی نگاہوں کی مسلسل حدت کہ پل پل رنگ بدلتا، حسن و رعنائیوں سے چھلکتا اس کا نازک دمکتا سراپا دل کو بے قابو کرتا جا رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ کس لمحے اس کے قدم بے اختیار خرمن کی جانب بڑھتے چلے گئے تھے۔ نگاہیں اس کے قیامت خیز نقوش سے ہٹنے کے لیے بھی تیار نہ تھیں۔ پشت پر چمکتے آزاد بالوں کی تراشیدہ ریشمی لٹوں نے اس کے سجے سنورے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔ کچھ شانوں پر سرک آئی تھیں۔ پیشانی پر مسکراتے ماہِ نیم کے خیرہ کن جلوے نے اس کو مکمل طور پر سحر زدہ کر ڈالا تھا۔ دوسری جانب خرمن رکتی بڑھتی سانسوں کے درمیان اسے قریب آتا دیکھتی رہی تھی۔ گہری نگاہوں میں جانے کیا کچھ تھا کہ اسے اپنا چہرہ آگ کی طرح جلتا محسوس ہونے لگا تھا مگر عارش کے چہرے پر بکھری سنجیدگی اور تھکن بھی اس کی آنکھوں سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ وہ عجیب گومگوں سی کیفیت میں مبتلا ہوئی تھی۔ عارش کو خاموشی سے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ مزید رک نہ سکی، خود پہل کرنے کی ہمت کر گئی تھی۔ دھیرے سے عارش کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر خرمن نے دوبارہ اس کی جانب نگاہ کی تھی۔ اس بار عارش کو اس کے چہرے اور گلابی ہوتی آنکھوں میں پشیمانی کے سائے نظر آئے تھے۔ وہ کچھ نہیں بول سکا تھا۔ بس خاموشی سے اس کی آنکھوں میں اپنے عکس کو دیکھتے رہنا چاہتا تھا۔ بولتی نگاہوں سے......

کیسے کہہ دوں عشق ٹھہرا عالم ہے
یہ تو سفرِ مسلسل لا فانی ہے
نہ الزام دے میرے جنوں کو
کچھ قصور اپنے سر بھی تو لے
میرے عشق کا محور تری آنکھیں

کہ جن کے سنہرے پانیوں میں
ڈوب کر صدیوں بعد
ابھرے تیرے ستم کی نشانیوں میں
میری حیات قید ہے ازل سے
تیری ذات میں ابد تک
تیرے ظلم کدے میں
نہ روگ ہے، نہ سوگ ہے
ہر سمت کنج گل ہیں
زخم، زخم گلاب ہے
ہر درد پر کیف ہے
اے میرے ہم نشیں
تری مسکراہٹیں مرا اعزاز ہیں
نہ اداس ہو، نہ پشیمان ہو
جو بیت گیا سو بیت گیا
یہ سب عشق کے مراحل ٹھہرے
اب ایک حسین موڑ ہے
ہم کو از بر ہے اب
کہ یہ محبت جب
عشق کی حد کو چھو جائے
تو اظہار بے معنی ہے
میرا اصرار بے معنی ہے
یہ عشق زمیں کا سفر نہیں
کہ جو ختم ہو جائے
یہ عشق ٹھہرا عالم نہیں
جو فنا ہو جائے

ساکت نظروں سے وہ اسے دیکھ رہا تھا، جو اس کے ہاتھوں کو لبوں سے لگا رہی تھی۔

''یہ مت کرو خرمن! میں اس اعزاز کے قابل نہیں۔ ان ہاتھوں کو اپنی گستاخی کی سزا ملنے کا انتظار ہے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے ہاتھ اس کی گداز گرفت سے نکالتا وہ تھکے لہجے میں بول تھا۔

''میں کیسے بھول گیا تھا کہ میرے سامنے کون ہے؟ مجھے نہیں بھولتا کہ اپنے ان ہی ہاتھوں سے میں نے تمہارے دل میں اپنی نفرت کا بیج بونے کی کوشش کی تھی۔''

''یہ ممکن ہی نہیں ہے۔'' وہ درمیان میں بول اٹھی تھی۔

''جس زمین پر محبت کی فصل لہلہا رہی ہو۔ وہاں نفرت کا بیج نہیں بویا جا سکتا۔ تمہارے ان ہاتھوں نے

ہمیشہ میری زندگی کے اندھیرے راستوں میں دیے روشن کیے ہیں۔ میرے گرد خوشیوں کے میلے لگا دیے ہیں۔ مجھے میری جڑوں سے ملا دیا ہے۔ تم میرے لیے کیا ہو۔ اب یہ لفظوں میں بیان کرنا بھی مشکل ہے۔ کیا تم میری آنکھوں میں وہ سب نہیں پڑھ سکتے جو میرے دل میں تمہارے لیے ہے؟'' حنائی ہاتھ اس کے چہرے کے گرد رکھے وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھتی بول رہی تھی۔ عارش کو اس کی آنکھوں میں شدید بے چینی اور اضطراب نمایاں نظر آیا تھا۔ وہ گنگ سا ہو گیا تھا مگر دل بے اختیار جھکتا ہی چلا گیا تھا۔

رکی دھڑکن اور بند آنکھوں کے ساتھ وہ سلگتے لمس کی تپش سے بے جان ہونے لگی تھی مگر یہ لمس جان افروز تھا۔ چہرے کا ایک ایک نقش دہک کر نکھرنے لگا تھا۔ مضبوط ہاتھ کی گرفت میں نرمی سے جکڑے اس کے بال بہت آہستگی سے آزاد ہوتے اسے مخمور ہوتی آنکھیں کھولنے پر مجبور کر گئے تھے۔ کیف آگیں لمحوں کے سحر سے نکلتی وہ الجھی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جو یکدم پیچھے ہوا تھا۔ اس کا چہرہ جذبات کی شدت سے تمتما رہا تھا۔ روشن آنکھوں میں خمار زدہ سرخی ابھر آئی تھی۔ اگلے ہی پل وہ خرمن کے چہرے سے نگاہ ہٹاتا پلٹ کر تیز قدموں سے دروازے کی سمت بڑھتا چلا گیا تھا۔

جب کہ خرمن دنگ نظروں سے اسے جاتا دیکھتی چند لمحوں تک غائب دماغی سے بند دروازے کو تکتی رہی تھی مگر پھر یکدم ہراساں سی ہو کر خود بھی تیزی سے باہر نکلی تھی۔ اس کی طائرانہ نظریں لاؤنج تک بھی گئیں مگر عارش اسے کہیں دکھائی نہیں دیا تھا۔ تب ہی اسے فضا میں بھینی بھینی سی مہک پھیلی محسوس ہوئی تھی۔ گہری سانس لے کر خوشبو کی سمت کا تعین کرتی وہ ڈرائنگ روم کے نیم وا دروازے کی سمت بڑھی تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی وہ مزید دنگ ہوئی تھی۔ ڈرائنگ روم کی لائٹس آف تھیں مگر وہاں سینٹرل ٹیبل پر روشن کینڈلز نے تاریکی کو کافی حد تک ختم کر دیا تھا۔ پراسرار سی خاموشی اور زرد خواب ناک روشنی میں ٹیبل پر ایک خوب صورت کیک، گلاب کے ڈھیروں سرخ پھولوں کے درمیان سجا ہوا تھا۔ تجسس اور حیرانی میں وہ مزید چند قدم بڑھی تھی۔ جب سامنے دیوار پر ایک جھماکے سے کچھ روشن ہوتا اس کے قدم اور آنکھیں ساکت کر گیا تھا۔

دیوار پر سرخ گلابوں سے بڑا سا دل بنایا گیا تھا۔ پھولوں کے درمیان میں چھپے کئی چھوٹے چھوٹے سنہری قمقمے روشن تھے جن کی وجہ سے نیم تاریکی میں یہ ہارٹ شیپ بہت واضح تھا اور اس کے درمیان میں وہ تصویر بجی تھی جس میں اس کا اور عارش کا چہرہ نمایاں تھا۔ اسے یاد تھا کہ یہ تصویر ان کی شادی کے موقع پر ہی کیمرے میں محفوظ ہوئی تھی۔ حیرت تھی یا خوشی وہ گنگ سی تھی کہ یکدم دیوار پر جھماکے سے مزید کچھ روشن ہوا تھا۔ سرخ پھولوں اور قمقموں سے جو لکھا تھا وہ جگمگا رہا تھا۔

''ہیپی میرج اینی ورسری اینڈ سوری فار لیٹ، مائی سول میٹ۔'' خرمن کے لبوں پر بھیگی مسکان کھل اٹھی تھی جب عقب سے اسے بانہوں کے حصار میں قید کرتا وہ ان لفظوں کو چاہت سے بھرپور لہجے میں دہرا بھی رہا تھا۔ اپنے گرد حمائل اس کے ہاتھ کو چھوتے ہوئے خرمن کا دل پگھل رہا تھا۔ اس لمحے وہ دنیا سے لاتعلق ہو کر اس کے مہربان سینے میں ہمیشہ کے لیے گم ہو جانا چاہتی تھی۔ کتنے خوب صورت ہیں یہ نظارے کتنے انمول، کتنے حسین ہیں یہ لمحات جو ایک کے بعد ایک اس کی زندگی میں داخل ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کا دل، جسم و جان قریب موجود اس انسان کے اور زیادہ مقروض اور ممنون ہوئے جا رہے تھے۔

''میری شدید خواہش ہے کہ اس وقت مجھے تمہارے چہرے پر صرف مسکراہٹ نظر آئے مگر تم نے تو

عہد کر رکھا ہے کہ آنسوؤں کا تڑکا ضرور لگانا ہے۔'' اس کا رخ اپنی طرف کرتا وہ خشمگیں لہجے میں بولا تھا۔ جھینپی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے اپنے آنسو صاف کیے تھے مگر وہ ٹپکے ہی جا رہے تھے۔

''روک لو یہ آنسو ورنہ میں نہیں رک سکوں گا، پھر ناراض مت ہونا تم جانتی ہو کہ مجھے ان آنسوؤں کا ذائقہ کس قدر پسند ہے، آب حیات ہیں یہ میرے لیے۔'' اس کی وارننگ پر خرمن دھیرے سے ہنستی اسے دیکھنے لگی تھی۔

''جانتے ہو مجھے اس چیز کا قلق رہے گا کہ اپنی نادانی میں، میں نے کئی بار تم سے کہا کہ تمہاری زندگی میں مجھے نہیں کسی دوسری عورت کو ہونا چاہیے مگر سچ تو یہ ہے کہ میں ایسا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ میرے لیے یہ برداشت کرنا ہی ناممکن ہے کہ تم میرے علاوہ کہیں اور دیکھو۔'' اس کے نم لہجے پر عارش نے اس کی دمکتی پیشانی پر محبت کی مسکراتی مہر ثبت کی تھی۔

''اور مجھے اس چیز کا قلق رہے گا کہ غصے میں، میں نے تمہیں دکھ دے کر اپنے جذبوں کی بھی بے حرمتی کی تھی جب کہ دنیا اس عظیم سچ کو جانتی ہے کہ تم ہو تو میں ہوں، تمہارے بغیر میرا کچھ نہیں، سب کچھ ادھورا بیکار ہے۔''

''عارش! میرے کہنے پر بھی تم وہ سب نہیں بھول سکتے؟'' خرمن نے جیسے شکایت کی تھی جس پر وہ سنجیدگی سے مسکرایا تھا۔

''عشق کی سرحد تک پہنچنا بہت آسان ہے مگر اس سے آگے کے راستے بہت پر پیچ ہیں۔ قدم تک لڑکھڑانے کی گنجائش نہیں۔ عشق کسی خطا کی اجازت نہیں دیتا۔ اللہ نے تمہاری صورت ایک نایاب موتی میری ہتھیلی پر رکھ دیا ہے جسے سنبھال کر عشق کے راستے پر چلنے کا ہنر اب مجھے آ گیا ہے۔'' اس کے گہرے لہجے پر خرمن نے استحقاق سے بانہیں اس کی گردن میں حمائل کی تھیں۔

''اور تم جانتے ہو کہ یہ ہنر تنہا تم نے نہیں سیکھا۔ میں بھی اس راستے پر تمہارے ساتھ ساتھ ہوں۔'' اس کے مدھم لہجے پر عارش کا دل اس کے قدموں میں ڈھیر ہوا تھا۔

''اس سے پہلے کہ میں تمہاری آنکھوں میں ڈوب کر سب کچھ بھول جاؤں۔ میرے پاس تمہارے لیے کچھ ہے۔'' اپنی گردن سے اس کے ہاتھ ہٹاتا وہ جس طرح بولا تھا، خرمن بے ساختہ مسکرائی تھی۔ جب کہ عارش اس کا ہاتھ تھامے سینٹرل ٹیبل کے قریب گیا تھا۔ خوشگوار حیرت سے خرمن نے مخملی باکس میں جگمگاتے کنگن کو دیکھا تھا۔

''میں جانتا ہوں تم حیران ہو، کیونکہ تمہارے ہاتھ میں بھی ایسا ہی کنگن ہے جو کہ ماموں نے تمہیں دیا تھا۔ مجھے ہمیشہ ہی تمہارے ہاتھ میں یہ کنگن اچھا لگا۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ ایسا ہی کنگن میں تمہیں پہناؤں گا۔ کافی دن پہلے ہی تمہاری بے خبری میں ڈیزائن چرا کر یہ دوسرا بنوانے میں مجھے اتنی مشکل نہیں ہوئی جتنا کہ اسے تمہاری نگاہ سے چھپا کر رکھنے میں۔'' کنگن اس کی کلائی میں پہناتا وہ بول رہا تھا جب کہ خرمن آنکھوں میں چاہت لیے اس کے روشن چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''مجھے یقین ہے کہ اب اس کنگن کو بھی تم کبھی اپنے ہاتھ سے نہیں اتارو گی۔'' عارش کی گہری مسکراتی نظروں پر وہ مسکرائی تھی۔

''اب بتاؤ، کیسا لگا تمہیں یہ سرپرائز اور یہ گفٹ؟''

''بہت حسین، بہت خوب صورت، میں اپنی خوشی لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔ یہ سب تم ہی میرے لیے

کر سکتے ہو، مجھے اب حیرت نہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔
''ویسے بھی تمہاری بھی فرسٹ اینی ورسری ہے۔ مجھے بتاؤ تمہیں کیا گفٹ چاہیے؟ مجھے لازمی تمہیں دینا ہے۔''
''ویسے تو مجھے بہت کچھ چاہیے۔'' اس کی مسکراتی نظروں اور معنی خیز لہجے پر خرمن نے بے ساختہ ہنستے ہوئے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپایا تھا۔
''مگر تمہاری اس کبھی کبھی کی شرم وحیا کے صدمے سے بچنے کے لیے مجھے شرافت کے دائرے میں رہنا ہوگا۔''
''عارش!'' خرمن نے مسکراہٹ چھپا کر اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا تو وہ دھیرے سے ہنستے ہوئے اسے مزید قریب کر گیا تھا۔
''کیا مانگوں تم سے؟ تمہیں اللہ سے مانگ کر، ماموں جان کے سامنے تمہارے لیے اعتراف کرنے کے بعد سب ہی کچھ تو مل گیا ہے مجھے، تم نے تو اپنا سب کچھ دان کر دیا ہے مجھے میری خواہش کے مطابق ایک روایتی بیوی کے منصب کے ساتھ ساتھ تم نے ایک ایسا آسمانی تعلق اپنے اور میرے درمیان بنا لیا ہے۔ جس کی چاہت مجھے صرف تم سے تھی۔ تم صرف میری نسل کو پروان نہیں چڑھا رہی ہو۔ بلکہ تم نے مجھے میرے ہونے کا احساس بھی دیا ہے۔ یہ آگہی بھی مجھے تم سے ملی کہ عورت کی محبت کو سمجھنا کتنا مشکل ہے مگر تمہاری محبت کو سمجھنا میرے لیے اس لیے بھی مشکل رہا اور تمہاری محبت کے انداز ہی بہت الگ اور منفرد رہے مگر اب تو میں تمہاری ذات کے ہر پہلو، مزاج کے ہر رنگ سے بھی واقف ہوں۔'' اس کا ہاتھ اپنے سینے سے لگائے وہ گہری نظروں سے اس کے نقش دل میں جذب کرتا بولا تھا۔
''جس طرح میرے لیے تمہاری محبت کی کوئی پیمائش نہیں کی جاسکتی اسی طرح تمہارے لیے میری محبت کی گہرائی کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔'' وہ لبوں پر کھلتی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔
''ہمارے درمیان جو ہے وہ آسمان سے اترا ہے۔ اسے سمجھنا نہیں بس محسوس کرتے رہنا ہے۔'' عارش نے اس کی مسکراہٹ کو نرمی سے چھوا تھا۔
''میں چاہتی ہوں، ہمارے درمیان جو ہے اس کا سلسلہ کبھی نہ تھمے۔ یہ مکمل ہوا تو فنا ہو جائے گا۔ رک گیا تو ہم فنا ہو جائیں گے۔'' اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں ابھرتے اندیشے پر وہ مسکرایا تھا۔
''عشق دین نہیں جو مکمل ہو جائے۔ دنیا نہیں جو فنا ہو جائے۔''
کچھ تھا عارش کے گھمبیر گہرے لہجے میں یقین، استحکام اور عقیدت کے علاوہ بھی جس نے خرمن کے دل کو چھو لیا تھا۔ روح تک سرشار ہو گئی تھی۔ اس کی گہری نگاہوں میں چاہتوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اور جذبات کی سرکشی، خرمن کے چہرے پر رنگ بکھیر رہی تھی۔ اس بار خود اس کی بانہوں کا ہار اپنی گردن میں ڈالتے ہوئے عارش کی لو دیتی وارفتہ نگاہیں خرمن کے تراشیدہ لبوں پر ابھرتی دلکش مگر قاتلانہ مسکراہٹ پر ٹھہر گئی تھیں۔ وہ مسکرا کر روح کھینچ لینے کا ہنر جانتی تھی مگر اس کی سانسوں کو اپنی سانسوں سے باندھ کر بھی رکھے ہوئے تھی۔ اس مہکتی سلگتی کبھی فسوں خیز چاندنی جیسی قید و بندش سے وہ آزادی چاہتا بھی نہیں تھا۔
سفر ذات کا ہو یا عشق کا کئی بار ٹوٹنا پڑتا ہے۔ وقت کے چابک اور صبر کے کانٹوں کو سہنا بھی طے ہے۔ جنوں اپنی سمت کا تعین کر ہی لیتا ہے اور جنوں کیا ہے؟ کسی کے لیے اپنی ''انا'' کو فراموش کر دینا، عشق میں اپنی ذات کا فراموش ہو جانا۔

......☆ختم شد☆......

ماریہ یاسر

افسانہ

نئے سال کی نئی صبح

''جناب عالیہ! کیا موڈ ہے آپ کا New Year پارٹی کے بارے میں؟'' رضا نے اخبار پر سے نظر ہٹائے بغیر پوچھا۔

''موڈ تو پچھلے سال کی طرح اس سال بھی مائنڈ بلوئنگ ہے۔'' انابیہ نے بڑے اسٹائل سے ماتھے پر آئی لٹوں کو جھٹکا دیا۔

''اپنے اس خادم کو بھی تو بتایئے مائنڈ بلوئنگ آئیڈیے کے بارے میں۔'' رضا نے پیار سے بیوی کی طرف دیکھا۔

''میں سوچ رہی ہوں اس سال پچھلے سال سے بھی اچھی پارٹی دوں کہ لوگ پورا سال یاد رکھیں۔'' انابیہ نے نیل پالش لگاتے کہا۔

''اس سال مشہور و معروف سنگرز کو بھی بلائیں گے پارٹی میں اور میں سوچ رہی ہوں کہ مینو بھی زیادہ رکھیں گے ڈشز میں۔ اور نیو ایئر کیک تو ہوگا ہی ساتھ۔'' اس نے اپنے ناخنوں پر پھونک مارتے تفصیل بتائی۔

''اچھا ہے مزا آئے گا پھر تو۔'' رضا نے توصیفی نگاہوں سے دیکھا۔

''اچھا یہ دیکھیں میں نے آپ کے اور اپنے دوستوں کی لسٹ تیار کر دی ہے جن کو بلانا ہے۔'' انابیہ نے رضا کو کاغذ پکڑائے۔

''مما! یہ میری اور دانیال کے فرینڈ لسٹ ہے۔'' زویا نے اپنا پیپر انابیہ کے حوالے کیا۔

''لیجیے آپ کے دونوں بچوں کی لسٹ بھی آ گئی۔'' انہوں نے پیار سے بچوں کی طرف دیکھا۔

''اچھا ٹوٹل ملا کے سب 300 لوگ بن رہے ہیں۔ جن کو پارٹی میں بلانا ہے تو اس حساب سے کھانا بھی ارینج کریئے گا کم نہیں ہونا چاہیے بھلے بچ جائے لیکن کم نہ ہو۔'' انابیہ نے کچھ حساب کتاب کر کے شوہر کی طرف دیکھا۔

''بے فکر رہیے بیگم صاحبہ! میں آج ہی 5 اسٹار ہوٹل اور کیٹرنگ والے کو آرڈر دیتا ہوں۔ ویسے بھی دو دن بعد تو نیو ایئر ہے۔ آپ بھی آج جا کے اپنی اور بچوں کی شاپنگ کر لیں، پارٹی کے لیے۔'' رضا نے اٹھتے ہوئے کوئی نمبر ڈائل کیا۔

☆......☆

''سروری بوا! کھانے میں کتنا ٹائم ہے۔ بھوک لگ رہی ہے مجھے۔'' انابیہ نے ساڑھی سنبھالتے ہوئے کچن کے دروازے کے پاس کھڑے کھڑے پوچھا۔

''بس بی بی! پانچ منٹ میں ٹیبل پر لگا رہی ہوں کھانا۔'' بوا نے رخ دوسری طرف موڑ کر بھیگے لہجے میں کہا تو انابیہ چونکی۔

''کیا ہوا ہے بوا! آپ کو میری طرف دیکھیں۔'' پاس جا کر اس نے بوا کا رخ اپنی طرف کیا تو بوا کے چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں صاف

نظر آ رہی تھیں۔

"بوا! آپ رو رہی ہیں۔" پریشانی سے پوچھا۔

"بس بی بی جی! کچھ نہیں میری آنکھوں میں پیاز لگ رہا تھا اس لیے پانی نکل رہا ہے۔" بوا نے ٹالا۔

"بوا! آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔ مجھے سچ بتائیں کہ مسئلہ کیا ہے۔" نیک دل انابیہ نے پریشانی سے کہا۔

"کچھ نہیں بی بی! وہ اصل میں میری بڑی بیٹی کے سسرال والے شادی کی تاریخ مانگ رہے ہیں۔ بہت ضد لگائی ہوئی تھی کل بھی آئے اور خود ہی پندرہ دن بعد کی تاریخ دے کر چلے گئے۔" بوا نے بجھی نظروں سے کہا۔

"تو بوا یہ تو بہت خوشی کی خبر ہے اس میں رونے کی کیا بات ہے۔" انابیہ کی بات سن کر بوا خاموش رہیں۔

"کہیں پیسوں کا ایشو تو نہیں ہے۔" انابیہ نے پاس رکھے اسٹول پر بیٹھتے کہا۔ بوا ہنوز خاموش تھیں۔

"بوا! آپ پریشان نہ ہوں کل سے آپ شادی کی تیاری شروع کر دیں۔ آج میں کچھ کرتی ہوں آپ بے فکر رہیں۔" اس نے سچے دل سے کہتے ہوئے بوا کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

☆......☆

"رضا! آپ ہوٹل کی بکنگ اور کیٹرنگ والا آرڈر کینسل کر دیں۔" انابیہ نے مرر کے سامنے کھڑے ہو کر ڈارک ریڈ لپ اسٹک ہونٹوں پر پھیری۔

"واٹ......واٹ آر یو سیئنگ۔" رضا نے شاک کی کیفیت میں کہا تو انابیہ نے اپنی بات دہرائی۔

"اصل میں مجھے پیسے کسی اور ضروری کام کے لیے چاہیے تھے تو میں نے وہ یوز کر لیے آپ پارٹی کینسل کر دیں۔"

"بیگم صاحبہ! کیا کہہ رہی ہیں آپ سب دوست کیا سوچیں گے کل رات پارٹی ہے۔ ایک دن پہلے ہم کیا بہانہ کریں گے۔ اتنی انسلٹ ہوگی، کچھ آئیڈیا ہے آپ کو۔" رضا نے بیوی کو سمجھانا چاہا۔

"آپ بے فکر ہو جائیں آپ کے فرینڈز کو تو ابھی فون نہیں کیا میں نے، صرف اپنی فرینڈز کو کیا تھا۔ خیر انہیں میں ہینڈل کرلوں گی اور ویسے بھی پارٹی کے بغیر بھی نئے سال نے تو آنا ہی ہے ناں تو فکر کیسی۔" انابیہ نے مسکراتے ہوئے مرر میں غور سے اپنا سراپا دیکھا۔

"وہ اصل میں بوا کی بیٹی کی شادی کے لیے پیسوں کا مسئلہ تھا تو میں نے پارٹی کے پیسوں میں تھوڑے پیسے اور ملا کے بوا کو بیٹی کے جہیز کے لیے دے دیئے۔" اس نے شوہر کو اپنی طرف متوجہ پا کر ساری بات بتادی۔

☆......☆

سارا دن اپنی فرینڈز کو فون کر کر کے پارٹی کینسل ہونے کی اطلاع دیتی رہیں تو رات کو تھک کر ایسے سوئیں کہ یہ تک یاد نہ رہا کہ آج رات نیو ایئر نائٹ ہے۔ صبح جب اٹھیں تو خود کو بہت پرسکون اور ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھیں۔

"ویل کم نیو ایئر، آگئے آپ کا ہی انتظار تھا۔" انہوں نے پرسکون لہجے اور مطمئن دل سے مسکرا کر خود سے کہا۔ نئے سال کی پہلی صبح نے خود کو اتنا مطمئن محسوس کیا کہ پچھلے کئی سال پارٹی کرنے کے بعد بھی وہ اتنی خوشی اور مطمئن نہ تھیں ان کی اس خوشی پر نئی اور اجلی صبح بھی مسکرا دی۔

☆......☆

مہرین کنول

افسانہ



ستاروں پر نظر کر انجم و مہتاب دیکھ
صبح کی بنیاد رکھنی ہے تو پہلے خواب دیکھ

وہ ٹیرس پر بیٹھی ہاتھ میں انگوٹھی کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی یہ شعر اس کی سماعتوں میں گونج رہا تھا، جو ابھی ابھی طغرل اس کو انگوٹھی تھماتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ راشدہ خالہ کی آواز پر وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔

رات کی تاریکی اور سرد ہوا کے تھپیڑوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا، وہ بغیر گرم شال کے ایک طرف ملگجے کپڑوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔

"12 بج چکے ہیں۔" روشانے آسمان پر فائر ورک دیکھتے ہوئے دیکھ کر خود سے بولی کیونکہ ٹیرس پر اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"خواب...... ہوں......" اس نے طنزیہ انداز اپنایا۔

"خواب تو چھ سال پہلے ہی دیکھنا چھوڑ دیئے تھے میں نے۔ خود سے نہیں طغرل تمہارے اور تمہاری اور کزنز اور اپنی خالہ ماموں کے ظلم و ستم کی وجہ سے۔" اس کا ذہن سوچوں کی موجوں کی لہروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆......☆

"شہوار میں اپنا نقاب نہیں اتاروں گی، تمہیں جلدی جو بھی بات پوچھنی ہے میں تمہاری پریشانی دور کر دوں گی۔" روشانے ماموں کے یہاں میلاد پر گئی تھی۔ وہ گھر سے کم ہی نکلتی تھی وہ کزنز سے پردہ کرتی تھی۔

"روشانے! ہم تو لڑکیاں ہیں ہم سے بھی پردہ کرو گی کیا بڑا نخرہ دکھا رہی ہو۔" عائزہ نے ہاتھ نچا کر کہا۔

روشانے! اپنا نقاب ہٹا چکی تھی۔ طغرل جو وہاں چھپا ہوا تھا اچانک نمودار ہوا اور اس کی موبائل پر فوراً تصویر کھینچ لی۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے، تم لوگوں کی۔ ابھی ڈیلیٹ کرو میری تصویر۔" روشانے کو شاک لگا تھا۔

اس نے کالج سے گریجویٹ کیا تھا۔ کسی کو آنکھ اٹھا کر نقاب میں اس نے نہ دیکھا تھا۔ نہ کسی نے ایسی جرأت کی تھی۔ سبھی نے اس کی تعظیم کی تھی مگر یہ کہنے کو اس کے اپنے تھے مگر اس قدر گرے ہوئے اور حاسد ہوں گے یہ ان کی حرکتوں اور باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا۔

"ارے روشانے! بڑی باپردہ بنی پھرتی تھیں پھر نامحرم میرا مطلب ہے، طغرل کے سامنے پردہ کیسے اتر گیا۔" نائلہ خالہ نے کمینگی سے کہا۔

"ارے اس کی طغرل سے شادی کی بات جو چل رہی تھی۔ ہم تو سمجھے تھے یہ بات بڑوں کے درمیان ہے۔ بچی کو اس بارے میں کچھ نہیں پتا، کیسے راشدہ نے کہا تھا۔" فرحین خالہ نے روشانے کو شاک دیا۔ کتنا بدنام کیا تھا اس کو کتنی تضحیک اڑائی تھی اس کی وہ بھاری بھاری قدم اٹھاتے ہوئے اپنی ماں کے ساتھ گھر پہنچی تھی۔ راشدہ نے صبر کے گھونٹ پیے تھے۔ کتنی ہی بار روشانے کو سمجھایا تھا۔

"بیٹا! اللہ کے بندے مشکل وقت میں صبر سے کام لیتے ہیں اب تمہیں طغرل سے ہی شادی کرنا ہوگی۔ ان لوگوں نے تمہیں بدنام کر دیا ہے۔" ایک اور شاک ماں کے ایسے کہنے سے لگا اور وہ نیچے گرتی چلی گئی۔ اس کا ذہن ڈوبنے لگا۔

ہوش آیا تو وہ نیم پاگل سی خود کو نوچ کھسوٹ رہی تھی۔ رو رہی تھی چلا رہی تھی۔ فیملی ڈاکٹر نے ماہر نفسیات کو دکھانے کا مشورہ دیا۔

ان ڈاکٹروں کو دیکھ کر روشانے کی طبیعت مزید بگڑتی چلی گئی۔ ان کی ایسی باتیں تھیں کہ روشانے کو خود کا وجود گناہ گار محسوس ہونے لگا تھا مگر اسی راہ میں ایک مسیحا صفت انسان ڈاکٹر خرم سے اس کی ملاقات ہوئی۔ روشانے پر بیتی پیتا اس نے غور سے سنی تھی۔ ملگجے کپڑوں میں اور بغیر کنگھا کیے بالوں میں اسے دیکھ کر افسوس ہوا تھا اور حیرت بھی۔

☆......☆

"آپ کی بیٹی خوب صورت ہیں اچھی ہیں آپ ان لوگوں کی سازش کا شکار ہو کر ان کے چنگل میں نہ پھنسا دیجیے گا، روشانے کو۔" ڈاکٹر خرم نے راشدہ بیگم سے کہا تھا۔

"پھر کون میری بیٹی سے شادی کرے گا۔ وہ لوگ تو اسے دنیا بھر میں طغرل کے نام پر بدنام کر چکے ہیں۔" راشدہ بیگم نے بے بسی سے کہا۔

"اس بارے میں سوچنے کے بجائے آپ روشانے کی کنڈیشن پر دھیان دیجیے۔ ورنہ یہ کومہ میں جا سکتی ہیں یا پھر پاگل ہو سکتی ہیں۔" ڈاکٹر خرم کی بات مان کر اور ٹریٹمنٹ کے لیے راشدہ، روشانے کو خرم کے پاس لاتی رہی تھیں۔ طغرل اس کے گھر کے چکر لگایا کرتا تھا۔ جس سے اس کی حالت اور خراب ہو جاتی تھی۔ راشدہ ڈاکٹر خرم کے کہنے پر خاموش تھیں۔ وہ چاہتا تھا روشانے اپنی لڑائی خود لڑے خود دنیا کی سنگینی کو فیس کرے۔

☆......☆

کتنے دن ہو گئے تھے نیا سال شروع ہونے والا تھا۔ روشانے سے ڈاکٹر خرم نے کافی باتیں کی تھیں۔ جس کا روشانے کے دماغ پر مثبت اثر ہوا تھا اور وہ خیالوں کی دنیا سے باہر نکل آئی تھی۔ ڈاکٹر خرم اپنی ماں کے ساتھ اس کے گھر آیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد روشانے خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ اس نے نئے کپڑے نہا بدلے، بالوں کو سنوارا طغرل آیا تھا، روشانے پردہ حائل کر گئی۔

"چلو دفعہ ہو جاؤ طغرل ہمارے گھر تمہارا اور تم جیسے لوگوں کا آنا ممنوع ہے۔ تمہارے کہنے پر ہی میں نے ایک خواب دیکھا جس کی صبح ہو چکی۔"

"میں تمہارا ہونے والا شوہر ہوں۔" وہ حیرت سے اس لڑکی کو کہہ رہا تھا۔ جو اتنی کمزور اور لاچار تھی۔ آج اس کے اندر ایک نئی طاقت دی تھی وہ تھوڑا ڈر را تھا۔

"کس نے تمہیں یہ خوش فہمی دی ہے کہ میں تم سے شادی کروں گی۔" روشانے ہنس کر بولی تھی کہ گویا طغرل کی تضحیک اڑائی ہو۔

"اپنی ماں سے پوچھو کہ اگر مجھ سے شادی نہیں ہوئی، تو کوئی دوسرا ابھی تم سے میرا مطلب ہے ایک بدنام لڑکی سے کوئی شادی نہیں کرے گا۔" طغرل سفاکی سے کہہ رہا تھا۔

"بدتہذیب......میری بیٹی تم جیسے بے غیرت کے ساتھ شادی نہیں کرے گی۔ اس کا رشتہ میں طے کر چکی ہوں سمجھے۔ اس کی اچھائی کس میں ہے اس کے بارے میں سوچ کر تم اپنے ذہن پر دباؤ مت ڈالو۔" راشدہ بیگم دھاڑی تھیں۔

"تو کوئی لنگڑا بڈھا ل گیا ہوگا۔" طغرل بدتہذیبی کی حدوں کو چھو گیا۔

"میری شادی ایک اچھے انسان سے ہو رہی ہے اور وہ کوئی لنگڑا نہیں بلکہ ڈاکٹر ہے اور دولت مند بھی تمہارا جیسا لچھچر اور بدمعاش نہیں۔" روشانے نے دوبدو جواب دیا۔

طغرل پاؤں صوفے پر ٹھوکر مارتا ہوا چلا گیا۔ آج وہ بہت خوش تھی اس کی زندگی کی نئی صبح جو ہوئی تھی تبھی فون پر اس نے خرم کو ساری بات بتائی تھی۔

"جہاں سے جاگو وہیں سے سویرا سمجھو۔" خرم کی بات پر وہ آسودگی سے مسکرا دی تھی۔ نئے سال کا آغاز زندگی کی نئی صبح سے روشانے کرنے جا رہی تھی جہاں کوئی اسے سفاکیت کا نشانہ نہیں بنا سکتا تھا۔ کیونکہ وہ ایک بار پھر سیدھے راستے کی جانب گامزن ہو گئی تھی۔

☆......

حنا اصغر

افسانہ

ہیپی نیو ائیر

غصے نے اس کا پورا جسم ایک الاؤ کی طرح دہکا دیا تھا۔اس کے اندر ایک محشر کا سا شور تھا اس کی آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ اس کے قدم خود بخود دست روی سے باہر کی جانب والے راستے کی جانب گامزن تھے۔اس نے اسی اضطراب واشتعال کی کیفیت میں بائیک اسٹارٹ کی تھی۔ایک اسٹور کے قریب بائیک روک کر اس نے تیزاب کی بوتل خریدی تھی اور بائیک سی ویو والے راستے پر ڈال دی۔ اس کے دماغ میں یادوں کے جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔وہ پہلی بار اس کو اسی جگہ پر ملا تھا۔یہ جگہ اس کی محسن تھی یا پھر اس کو لگا کرتی تھی اور آج اس کو یہی جگہ سب سے بری لگ رہی تھی۔وہ اس جگہ کو آخری بار دیکھنے آیا تھا۔وہ ایک انتہائی خوشگوار دن تھا۔جب وہ اپنے دوستوں امجد اور بہزاد کے ساتھ سی ویو آیا تھا۔وہ سڑک کے دائیں جانب بنے ٹھیلوں کے قریب ہی پہنچے تھے جب اسفند کی نظریں ٹھیلے کے قریب ٹھہری اس سنہری بالوں والی لڑکی کی جانب اٹھیں تھیں اور پھر واپس مڑنا بھول گئی تھیں۔اس کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہہ رہے تھے اور پھر بھی وہ ہنستے ہوئے چاٹ کھا رہی تھی۔اس کے قریب ٹھہری دو لڑکیاں اس کو مزید کھانے سے سرزنش کر رہی تھیں لیکن وہ باز نہیں آ رہی تھی۔بہزاد اور امجد آگے بڑھ گئے تھے جب کہ وہ ٹکٹکی باندھے اس کو دیکھ رہی تھی۔وہ کھلکھلاتی سی شام اس کی زندگی کو ایک نئے موڑ پر لے گئی تھی۔اس کی نظروں کا ارتکاز تھا کہ اس نے اس کی جانب نظر اٹھا کر دیکھا اور اس کے ماتھے پر ان گنت بلوں کے جال سے بن گئے تھے۔وہ آگے بڑھ گیا جب کہ اس کا دل اس کی زلفوں کا بری طرح اسیر ہو چکا تھا۔وہ ان دونوں کے ساتھ بیٹھ کر بھی ان کے ساتھ نہیں تھا۔

"کھاؤ ناں۔" بہزاد نے چنا چاٹ اس کے آگے کی اس نے بے دلی سے بوتل اٹھا لی لیکن اس کا بوتل پینے کو بھی جی نہیں چاہ رہا تھا اور تبھی اس کی نظریں سامنے اٹھی تھیں اور وہ بے ساختہ کھڑا ہو گیا تھا۔وہ تینوں لڑکیاں پانی میں آگے تک جا رہی تھیں اور پیچھے آتا ایک لڑکا ان کو آگے بڑھنے سے روک رہا تھا لیکن وہ تینوں شور کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں۔

"ارے یار یہ تو شیراز ہے۔" بہزاد نے کہا۔

"کون شیراز؟" اس کا ہر ہر عضو کان بن گیا تھا۔

"میری کزن کا دیور ہے اور یہ اس کی کزنیں ہیں آؤ ملتے ہیں ان سے۔" وہ تینوں آگے پیچھے ان کی جانب چل دیئے۔سلام دعا کے بعد وہ لوگ چلے گئے تھے لیکن اسفند کا دل وہیں کہیں رہ گیا تھا۔

☆......☆

اسفند نے اپنے دوست کو امریکہ پارسل بھیجنا تھا۔اس لیے وہ سیونگ بینک (G.P.O) میں یو ایم ایس کروانے آ گیا تھا۔وہ پہلے بھی ایک آدھ بار یہاں آیا تھا۔پہلے وہ ایک کاؤنٹر پر گیا۔

"ساتھ والے کاؤنٹر پر جائیں۔" ایک لڑکی نے



قدرے روکھے انداز میں کہا وہ زیر لب مسکرا دیا اور ساتھ والے کاؤنٹر پر پہنچ کر ہی اس کے قدم ان دیکھی زنجیروں میں مقید ہو گئے۔ بلاشبہ وہ وہی تھی جس نے اس کے دل کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

"اپنا فون نمبر لکھ دیں۔" اس نے مکمل طور پر پروفیشنل لہجے میں کہا اس نے اپنا نمبر لکھ کر دیا۔ یو ایم ایس ہو چکا تھا لیکن اس کا وہاں سے ہلنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اس نے گھر پہنچ کر بہزاد کو فون کیا۔ اس کی امی تو پہلے سے ہی تیار تھیں۔ یوں آناً فاناً در شہوار اس کی زندگی میں شامل ہو گئی تھی کہ اس کو یقین ہی نہ آتا تھا کہ خواب اتنی جلدی پورے ہوتے ہیں۔

تین سال گزرنے کے باوجود بھی وہ دیوانوں کی طرح اس سے پیار کرتا تھا۔ ان کی اولاد نہیں تھی۔ اسی وجہ سے در شہوار پریشان ہو جاتی تھی لیکن وہ پیار سے اس کو سمجھاتا تھا اسفند نے روایتی مردوں کی طرح اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ابھی بھی جاب کرتی تھی۔

☆......☆

کچھ دنوں سے در شہوار بہت خوش رہنے لگی تھی۔ اس کی حد سے زیادہ خود پر توجہ گھر اور اسفند سے بیگانگی و لاپروائی نے اسفند کو الجھا دیا تھا۔ وہ جو ہمہ وقت گھر کو سجانے سنوارنے میں لگی رہتی تھی، اب اس سے کہیں زیادہ توجہ خود پر دینے لگی تھی۔ گھنٹوں کے حساب سے فون پر باتیں کرتی تھی۔ اسفند کے آنے پر شپٹا کر وہ فون بند کر دیا کرتی تھی۔ اسفند کے لیے اس کی بے وفائی سوہان روح تھی، وہ اس کو اتنا چاہتا تھا کہ اس کی ذرا سی بے اعتنائی پر گھبرا جاتا تھا۔ کجا کہ وہ اس سے بیگانہ ہو چکی تھی۔ دونوں کے درمیان انجانے فاصلے بڑھتے جا رہے تھے لیکن شہوار کو اس کی مطلق فکر نہ تھی۔ اس کی اپنی دنیا تھی۔ وہ اکثر اس کو آؤٹنگ پر چلنے کو کہتا تو وہ سرد مہری سے اس کا ہاتھ جھٹک دیتی اور کبھی کبھار بغیر وجہ کے اس سے الجھنے لگی تھی اور کبھی جو وہ کہتا کہ آؤ

مووی دیکھیں، تو کہتی تم دیکھو میں سونے جا رہی ہوں۔ اس کا لہجہ اتنا ہتک آمیز ہوتا کہ وہ بھونچکا رہ جاتا مغلظات کا ایک طوفان ہوتا جو اس کے اندر ہی دب جاتا تھا۔ وہ واش روم میں تھی اور اس کا موبائل بج رہا تھا۔ اس نے موبائل اٹینڈ کر لیا۔

"مبارک ہو دری تمہیں۔" ایک مردانہ آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"میں اس کا ہسبینڈ ہوں۔" اس نے کرخت آواز میں کہا اور دوسری جانب فون بند ہو گیا تھا۔

"کس کا فون تھا؟" دری کے پوچھنے پر اس نے محض خشمگیں نگاہوں سے اس کو گھورا اور باہر چلا گیا جب کہ وہ کال بیک کر رہی تھی۔ وہ ساری رات اسفند نے سگریٹ سلگاتے ہوئے گزاری جب کہ وہ مزے سے کمبل سر تک تانے سو رہی تھی۔ اس کا دل کملایا۔

"میں اس کو منا لوں گا۔" اس نے خود سے عہد کیا اور سو گیا لیکن صبح دری کے بنے ہوئے منہ نے اس کا غصہ بڑھا دیا۔ اس نے ناشتے کی پلیٹ پٹخی اور چلا گیا جب کہ دری نے اس کو ایک بار بھی روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

☆......☆

ایک قلق سا تھا جس نے اس کو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔ آج فرسٹ جنوری تھا اور ہر سال وہ اس کو سرپرائز دیتی تھی اور آج اس نے اس کو ناراض کر دیا تھا یہی شرمندگی و پشیمانی اس کو لاحق تھی۔ وہ سال کا پہلا دن اس سے ناراض ہو کر نہیں گزارنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے اس سے ملنے کا فیصلہ کیا اس کے لیے پھول خریدے اور اس کے آفس آ گیا لیکن وہاں پہنچ کر اس کے پیروں تلے سے زمین اس وقت سرکی جب اس کی کولیگ نے یہ بتایا کہ وہ ایک ہفتے سے چھٹی پر ہے جب کہ کل تک وہ خود اس کو آفس کے دروازے تک چھوڑ کر آتا رہا تھا۔ وہ اس سے بے وفائی کر رہی تھی۔

"تم میری نہیں ہو سکیں تو میں تمہیں کسی کا نہ ہونے دوں گا۔" اس نے پر آشوب آنکھوں سے سامنے دیکھا۔ جہاں کا منظر دھندلا تھا۔ اس نے تیزاب کی بوتل خریدی تھی اور بائیک گھر جانے والے رستے پر ڈال دی تھی۔ گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر سے قہقہوں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ شاید اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ اس نے بوتل والا ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"اسفند! آ گئے آپ جلدی آیئے اندر۔" وہ بے تابی سے آگے بڑھی اس نے اس کا ہاتھ تھاما اور اس کو کھینچتے ہوئے اندر لے گئی۔ اندر ایک مرد اور عورت بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے سرسری سا سلام کیا دری نے تعارف کرایا۔ میز پر کیک رکھا ہوا تھا جس پر Happy new Year لکھا ہوا تھا اور اس کے اردگرد موم بتیاں جل رہی تھیں۔

"اچھا بیٹا! ہم چلتے ہیں اب۔" وہ دونوں جا چکے تھے جب کہ وہ ابھی بھی ساکت کھڑا تھا۔

"اسفند میں ایک ہفتے سے آفس نہیں جا رہی تھی۔ یہ بات میں نے تم سے چھپائی تھی۔" وہ ہاتھوں کو آپس میں ملتے ہوئے بولی۔

"کک...... کیوں؟" اسفند کو اپنی آواز بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"اسفند! یہ مسٹر اینڈ مسز اصغر تھے۔ میں ان دونوں سے اپنا علاج کرا رہی تھی کچھ کمپلیکیشن تھیں۔ اس لیے میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اب میں بتا رہی ہوں ہم ماما پاپا بننے والے ہیں۔" وہ شرما کر بولی اور اس کے ساتھ ہی کیک کا ایک پیس اس منہ میں ڈال کر بولی۔

HappyNewYearAsfand اور ساتھ ہی اس کے سینے سے لگ گئی۔ وہ اس قدر ششدر سا اس کو دیکھ رہا تھا۔ جب کہ اس کے ہاتھ میں تھمی تیزاب کی بوتل نیچے گر چکی تھی۔ وہ بے ساختہ مسکرا رہا تھا۔

......☆......

بسمہ احمد

ناولٹ

بے نشاں اور بے

گھڑی کی سوئیاں اپنی رفتار سے چل رہی تھیں۔ اور نہ اس کو قائل کر پا رہے تھے۔
دوپہر سے اب تک علمدار ہمدانی نہ تو قائل ہو رہے تھے "آپ لوگ ابھی یہ بات کیوں کر رہے ہیں؟



جانتے ہیں ناں میں ابھی کہاں سے آیا ہوں اور کیا کر کے آیا ہوں"؟ اس کے لہجے میں بے پناہ دکھ اور تکلیف تھی۔

"بیٹا! میرا پہلا انتخاب تم ہی تھے، مگر تمہاری بات مانتے ہوئے میں نے اس کو منتخب کیا تھا۔ مگر اب حالات اور ہیں۔ اب تو تمہیں ہماری بات ماننا ہوگی"۔ اب کی بار ان کے لہجے میں کوئی لچک نہ تھی۔

"اچھا آپ کچھ وقت تو دیں"۔ یہ اس کی بے بسی ہی تھی کہ نہ تو وہ ان کی بات مان سکتا تھا اور نہ ہی رد کر سکتا تھا۔

"بس بیٹا! اب اور کچھ نہیں، تمہارے پاس رات دس بجے تک کا وقت ہے، اچھی طرح سوچ لو اور فیصلہ ہاں میں کرو، ورنہ"۔

"انہوں نے دانستہ جملہ ادھورہ چھوڑ دیا، کیونکہ وہ کوئی سخت بات کہہ کر اپنی جان سے پیارے نواسے کو دکھی نہیں کرنا چاہتے تھے، مگر انہیں اس معصوم کی زندگی کی بھی فکر تھی۔ وہ اسے بھی اپنی زندگی میں ہنستا بولتا دیکھنا چاہتے تھے۔

......☆......

"مخمل بیٹا! اب آ بھی جاؤ، چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے"۔ یہ عارفہ بیگم کی تیسری آواز تھی جو وہ پچھلے دس منٹ



سے محمل کو شام کی چائے کے لئے بلا رہی تھیں۔ مگر محمل کی تیاری تھی کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

"بس خالہ جی! آ گئی" ہلکے فیروزی فراک کے اوپر گاڑھے نیلے رنگ کا دوپٹہ صحیح کرتی کمرے سے آخر کار نکل ہی آئی۔ سلیقے سے بالوں کی چٹیا بنائے، خوبصورت بندیے اور ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے وہ ایک پکی مٹیار لگ رہی تھی۔ اوپر سے کاجل کے بھرپور استعمال نے تو اس کی غزالی آنکھوں کو اور بھی خوبصورت بنا دیا۔ فائزہ نے اسے دیکھا اور دل ہی دل میں اس کی نظر اتاری۔

"فائزہ آپی! میں کیسی لگ رہی ہوں؟" محمل نے ادا سے کھڑے ہو کر پوچھا۔

"جی میری شہزادی تم تو ہو ہی پیاری" فائزہ آپی اس کی ماموں کی بیٹی تھیں اور عارفہ خالہ کی بہو تھیں۔

"چلو اب جلدی کرو پھپھو بلا رہی ہیں" لان میں پہنچتے ہی محمل ایک لمحے کو رکی، مگر پھر ہمت کر کے آگے بڑھ گئی۔ سامنے رکھی کرسیوں پر عارفہ خالہ کے ساتھ زاویار بھی بیٹھا تھا۔

"ماشاء اللہ! میری بیٹی تو بہت خوبصورت لگ رہی ہے" وہ اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھتی رہیں۔ یہ معصوم سی لڑکی ان کے گھر کی رونق تھی۔

"امی! مجھے سمجھ نہیں آتا کہ یہ یہاں آ کر اتنی دیسی کیوں بن جاتی ہے۔ وہاں نانا جان کی طرف تو پکی میم لگتی ہے" زاویار نے محمل کو چھیڑنے کے لئے بات شروع کی۔

"ہاں تو وہاں میں نانا جان کی پسند سے رہتی ہوں کیونکہ ان کو میں اس طرح پسند ہوں" محمل نے بڑے بھولے پن سے کہا تو زاویار کو ہنسی آ گئی۔

"تو یہاں کس کی فرمائش پر انار کلی بنی رہتی ہو" زاویار نے فوراً ماں اور بھابھی کو خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔

"کیا آپ کو میں اس طرح پسند نہیں آتی؟" محمل کا سوال بھی بہت معصوم سا تھا۔ اس پر زاویار نے صرف سر نفی میں ہلا دیا اور اگلی بات ہونے سے پہلے ہی وہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔

"زاوی یہ کیا کر دیا! اتنے دن سے یہاں سکون سے رہتی ہے تم آتے ہو تو اسے تنگ کرنے لگتے ہو" عارفہ کو اس پر بہت غصہ آیا۔

"اوہو امی! آپ جانتی ہیں میں مذاق کر رہا تھا ورنہ وہ تو مجھے ہر طرح سے اچھی لگتی ہے"۔

"مگر وہ بھی خفا ہو کر گئی ہے" فائزہ آپی کو بھی زاویار پر غصہ تھا۔

"تو کیا ہوا؟ میں اسے منا لوں گا" زاوی ماں کو تسلی دے کر اندر چلا گیا۔ اس کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اسے شرمندگی تو ہوئی کہ اس نے بلاوجہ محمل کو رلا دیا، مگر اب اسے منانا تھا جو کہ زاوی کے لئے بہت آسان تھا اس لئے وقت ضائع کئے بغیر اندر چلا گیا۔ محمل شیشے کے سامنے بیٹھی اپنی چوڑیاں اتار رہی تھی اور اس کا کاجل رونے کی وجہ سے بہہ بھی گیا تھا۔ محمل جانتی تھی کہ کمرے میں کون آیا ہے مگر ناراضی ظاہر کرنے کی وجہ سے اس نے توجہ نہ دی اور اپنا کام جاری رکھا۔

"محمل!" زاوی نے دھیرے سے پکارا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ محمل صرف پیار کی زبان سمجھتی ہے۔

"محمل پلیز!" اب کی بار زاوی نے آگے بڑھ کر اس کا چوڑیوں والا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کیا بات ہے، چھوڑیں میرا ہاتھ، آپ کو نہیں پسند نا تو میں یہ سب اتار رہی ہوں" اب کے جب وہ بولی تو دو موتی بھی اس کی آنکھوں سے آزاد ہوئے۔ زاوی کو اپنے اوپر بہت غصہ آیا۔

"نہیں گڑیا! مجھے اور سب گھر والوں کو تم ہر طرح سے ہر رنگ میں ہر ادا میں پسند ہو"۔

"تو وہ جو آپ نے باہر کیا" محمل نے پھر چوڑیاں اتارنے کے لئے ہاتھ اوپر کر دیا۔

"ارے! میری گڑیا میں تو مذاق کر رہا تھا" محمل نے فوراً ہاتھ روک کر یقین طلب معصومیت سے زاوی کو دیکھا تو زاوی نے ایک بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا دیا۔ بس اتنی سی بات تھی اور محمل نے مان جانا تھا۔

"چلیں پھر میں یہ سب دوبارہ پہن لیتی ہوں"۔

اب وہ بڑی خوشی سے چوڑیاں پہننے لگی۔

☆.......☆

"محمل! جلدی کرو مجھے راستے میں اپنے ایک دوست کو بھی لینا ہے۔" زاوی کہتا کہتا اس کے کمرے میں آیا تو جیسے حیران ہی رہ گیا۔ ہمیشہ کی طرح ابھی بھی اس کے دل نے محمل کو دیکھ کر ایک بیٹ مس کر دی تھی۔ کل کی محمل اور آج والی محمل میں کتنا فرق تھا۔ کل ایک خوبصورت فراک اور آج بلیک جینز کے ساتھ پنک شرٹ، کل جو بال چٹیا میں تھے آج وہ اونچی پونی میں قید تھے، کل کی جیل والی چپل کی جگہ آج اسٹائلش فلیٹ سینڈل نے لے لی۔ زاوی کو اس کا یہ روپ بھی دوسرے کی طرح بہت بھایا تھا۔

"چلیں میں تیار ہوں"۔ بیگ ہاتھ میں پکڑ کر وہ زاوی کے ساتھ باہر نکلی تھی، سب گھر والوں سے ملنے کے بعد محمل کچھ اداس تو ہوئی مگر گاڑی میں اس کا موڈ کچھ بہتر ہو گیا۔ آخر وہ زاویار کے ساتھ سفر کر رہی تھی اور زاویار کے ساتھ سفر میں کوئی بھی تنگ نہیں ہوتا تھا۔ زاوی کی گاڑی ہمیشہ کھانے پینے کی چیزوں سے بھری رہتی اور اوپر سے اس کی میوزک کلیکشن، بدمزہ سے بدمزہ انسان بھی لطف اندوز ہو جاتا۔

"تمہارے آگے کیا ارادے ہیں؟" زاوی نے چاکلیٹ کا بائیٹ لے کر محمل سے پوچھا۔

"ابھی لیز ختم کر کے کرکرے کھاؤں گی اور ساتھ شاید پیپسی پی لوں"۔ محمل نے بیک سیٹ پر پڑے چپس کے پیکٹ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ارے بابا میں پڑھائی کا پوچھ رہا ہوں"۔

"اوہ اچھا اچھا...... ابھی تو ایف ایس سی کے ایگزمز دینے ہیں۔ بعد میں سوچوں گی ویسے آپ فکر مت کریں، میرے ارادے ہمیشہ نیک ہی ہوں گے"۔ محمل نے اب بھی بڑی لاپرواہی سے کہا تھا۔

"وہ تو مجھے معلوم ہے۔ مگر پھر بھی کیا سوچا ہے تم نے...... آگے کس فیلڈ میں جانا ہے؟"

"ابھی نہیں سوچا بابا کیوں آپ کو اتنی فکر ہے، کرلوں گی کچھ"۔ محمل اب چڑنے لگی تھی۔ وہ پڑھائی میں اچھی تو بہت تھی مگر پڑھائی کی باتیں کرنا اسے کبھی اچھا نہیں لگا۔

"ویسے یہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟" وہ اجنبی راستہ دیکھ کر اچھنبے میں پڑ گئی تھی۔

"یہاں آگے میرا ایک دوست ہے۔ اسے سائیٹ سے پک کرنا ہے، ساتھ ہی جائے گا وہ بھی"۔ گاڑی ایک زیر تعمیر عمارت کے سامنے آ رکی تھی۔

"تم پچھلی سیٹ پر چلی جاؤ میں اسے لاتا ہوں"۔

زاوی کے جانے کے بعد وہ بھی اتر کر پچھلی سیٹ پر آ بیٹھی، کچھ لمحوں بعد اس کی نظر سامنے اٹھی تو زاوی کے ساتھ آنے والے کو دیکھتی ہی رہ گئی۔ مضبوط توانا جسم، لمبا قد، ماتھے پر بکھرے بال، بلیک پینٹ کے اوپر وائیٹ شرٹ جس پر کچھ کچھ گرد پڑی تھی اور بلیک کوٹ ہاتھ میں پکڑے، وہ رف سے حلیے میں بھی بہت شاندار لگ رہا تھا۔ زاویار اور وہ کسی بات پر مسکرا رہے تھے، اور بلاشبہ اس کی مسکراہٹ میں ایک طلسم تھا جو محمل کو اپنی طرف کھینچے جا رہا تھا۔ اور لاشعوری طور پر وہ بس اسے دیکھے ہی جا رہی تھی۔

"یار! ڈرائیو میں خود کروں گا"۔ محمل کو اس کی خوبصورت میٹھی آواز ماحول میں واپس لائی، ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد اس کی نظر بیک مرر پر پڑی اور پلٹنا بھول گئی، محمل نے بھی اسی وقت اوپر دیکھا تھا۔ مگر فوراً ہی نظریں جھکا گئی تھی۔ ارقم شاہ زین بھی اس کی بھوری آنکھوں کے خمار سے نکل آیا تھا اور ساتھ بیٹھے زاویار کو سوالیہ نظروں سے دیکھا اور زاویار بھی اپنے دوست کا سوال سمجھ گیا تھا۔

"اوہ سوری...... میں تو بھول ہی گیا کہ تعارف بھی کروانا ہے"۔

"تو اب کروا دو"۔ ارقم اب گاڑی چلا چکا تھا۔ مگر وہ اس معصوم چہرے کا تعارف لینے کو بھی بے تاب تھا۔

"یہ میری کزن ہے محمل نعمان، میری آنی اور نعمان چاچو کی بیٹی، اسی کو لے کر واپس جا رہا تھا میں۔ تم سے پہلے یہی میرا سر کھاتی رہی ہے۔ اب تم کھاؤ گے"۔

زاوی نے شرارت سے دونوں کی زیادہ بولنے کی عادت کونشانہ بنایا تھا۔

''اور محمل! یہ ہے میرا دوست ارقم شاہ زین''۔ زاوی نے تعارف ختم کردیا مگر ارقم کو غصہ آگیا اور گاڑی ایک جھٹکے سے رکی۔

''اچھا تو میں صرف تیرا دوست ہوں''۔ زاویار اور محمل دونوں اس حرکت پر حیران تھے۔

''میں صرف دوست نہیں، بہترین دوست ہوں، وہ دوست جس کے بغیر تو کالج نہیں جاتا تھا آج اس کو صرف دوست کہہ دیا ہے''۔ اس کا انداز ہی ایسا تھا کہ زاویار کا قہقہہ نکل گیا۔

''اچھا یہ بات ہے، چلو دوبارہ سہی، محمل یہ میرا جگر ہے۔ میں تو اپنی ہر بات اس کو بتاتا ہوں، کالج یونیورسٹی اور اب جاب میں ہمیشہ سے یہ میرا وفادار اور میں اس کا وفادار رہا ہوں اور تو اور میں تو اس کے بغیر سانس بھی نہیں لیتا''۔ زاویار نے شریر مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو ارقم کا موڈ بھی اچھا ہوگیا۔

''ایسا تعارف کروایا کرو میرا''۔ اور ساتھ ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔ باقی راستہ دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے اور محمل ہینڈ فری لگائے گانے سنتی رہی اور ساتھ ساتھ چپس کھاتی رہی۔

......☆......

''سائرہ! محمل بیٹی کہاں ہے؟'' علمدار صاحب نے گھر کی خاموشی کو محسوس کیا تو فوراً محمل کا خیال آیا۔

''بابا جان! وہ اپنے ایگزامز کی تیاری کررہی ہے''۔ سائرہ جو کہ محمل کی ممانی تھیں اور اپنے بچوں سے بڑھ کر اسے پیار کرتی تھیں۔

''اچھا میں سوچ رہا ہوں کہ اسے آگے ڈاکٹر بناؤں، عائشہ کو بھی میں ڈاکٹر بنانا چاہتا تھا، مگر وہ نہ بنی، اب میں چاہتا ہوں میرا یہ شوق محمل پورا کرے''۔

''نہیں بابا پلیز! اس پر زبردستی نہیں کرنی، وہ اگر اپنی خوشی سے بننا چاہے تو ضرور، ورنہ ہم اس کو فورس نہیں کریں گے''۔ سائرہ کے لہجے میں محمل کے لئے پیار ہی پیار تھا۔

''مگر بیٹا میری خواہش......'' وہ اپنی خواہش کو محمل کے ذریعے پورا کرنا چاہتے تھے۔

''نہیں بابا پلیز! وہ میری بیٹی ہے، اگر وہ چاہے گی تو ڈاکٹر بنے گی ورنہ نہیں''۔ سائرہ کو وہ سارے لمحے یاد آنے لگے جب وہ ننھی سی محمل ان کی گود میں آئی تھی۔

......☆......

علمدار اور فضل دونوں ہی عبداللہ ہمدانی کے لاڈلے بیٹے تھے۔ بیوی کی وفات کے بعد انہوں نے بچوں کو بہت محبت سے پالا اور اچھی تعلیم وتربیت دے کر جوان کیا۔ دونوں بیٹے ان کے لئے خاص تھے، فضل کو زمینداری کا شوق تھا اور علمدار کو بزنس کا۔ اس لئے عبداللہ ہمدانی نے زمینوں کا کام فضل اور فیکٹری کا کام علمدار کے سپرد کردیا۔ پھر دونوں کی شادیاں کروا کر ان کو مکمل ذمہ دار بنادیا۔ اللہ کا کرم رہا کہ بہوؤں میں اتفاق رہا اور اسی وجہ سے ان کا خاندان جڑا رہا۔ علمدار اور نگہت کے ہاں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوئیں اور فضل اور سیما کے ہاں دو بیٹے اور ایک بیٹی، عبداللہ صاحب نے بچوں کی نسبت بچپن میں ہی طے کردی تھی۔ علمدار کے بیٹے شاہد کے لئے فضل کی سائرہ اور فضل کے دونوں بیٹوں کامران اور نعمان کے لئے عارفہ اور عائشہ۔ مگر ان کی خوشی دیکھنے سے پہلے ہی عبداللہ صاحب خالق حقیقی سے جاملے۔ خاندان میں تو سوگ ہی رہا مگر وقت ہر زخم کو بھر ہی دیتا ہے۔ بچے اب جوان ہوگئے تھے اور ان کی شادیوں کا وقت آگیا تھا۔ شاہد اور کامران کی شادی ایک ساتھ کی گئی۔ نعمان اور عائشہ ابھی چھوٹے تھے۔ ان دو شادیوں نے تو جیسے ان کے خاندان کو خوشیوں سے بھردیا۔ پھر کچھ عرصے بعد شاہد اور سائرہ کے ہاں فائزہ اور کامران اور عارفہ کے ہاں ولید پیدا ہوا۔ ان ننھے پھولوں نے تو جیسے بہار ہی کردی تھی۔ ان کے دو سال بعد شاہد کو خدا نے عالیان اور کامران کو زاویار سے نوازا۔ سب بچے بہت پیارے اور دونوں گھروں کے لاڈلے تھے۔ اب نعمان اپنی تعلیم مکمل کرچکا تھا اور

خاندانی کاروبار کی دیکھ بھال بھی شروع کر دی تھی۔ عائشہ بھی اکنامکس میں بی۔اے کر رہی تھی۔ علمدار صاحب اسے ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے اور وہ ڈاکٹری سے دور بھاگتی تھی، سب کچھ صحیح چل رہا تھا کہ ایک دن نعمان اور عائشہ کی شادی کا وقت بھی آن پہنچا۔ مگر قسمت سے شادی کے تین سال تک اولاد نہ ہوئی۔ نگہت بیگم تو بیٹی کے غم میں ہی چل بسیں۔ مگر چند ماہ بعد قدرت مہربان ہوئی اور عائشہ کے امید سے ہونے کی خبر ملی۔ سب بے حد خوش تھے۔ سیما بیگم نے بہو کے لئے بے شمار صدقے دیئے اور پھر وہ وقت آیا جب عائشہ نے ایک خوبصورت تھی منی سی بچی کو جنم دیا۔ وہ اتنی خوبصورت اور پیاری تھی سب نے اس کا نام مخمل سوچا، اب مخمل سب کی شہزادی تھی، سب سے زیادہ تو زاویار اس ننھی گڑیا سے پیار کرتا اور کھیلتا تھا۔ تبھی عائشہ اور نعمان کی ایک ٹریفک حادثے میں وفات ہوگئی، جبکہ مخمل قسمت سے بچ گئی، اب تو سبھی لوگ نڈھال ہو چکے تھے مگر مخمل کے وجود نے سب کو سنبھالا۔ سب کو اس کی فکر رہی۔ دادی (سیما بیگم) تو بس مخمل کی فکر میں رہتیں اور اس کا بہت خیال رکھتیں، سائرہ اور عارفہ نے بھی اس کو ماں کی کمی نہ ہونے دی۔ اب مخمل جوان ہو چکی تھی جبکہ سیما بیگم اور فضل صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔ مخمل زیادہ وقت اپنے ننھیال میں علمدار صاحب کے ہاں رہتی اور چھٹیوں میں اپنے تایا کامران کے ہاں چلی جاتی۔

......☆......

لان میں ٹہلتے ہوئے اسے کافی دیر ہوگئی تھی۔ وہ مسلسل گیٹ کی طرف دیکھے جا رہی تھی، اب بیزاری بڑھتی جا رہی تھی کہ اچانک گیٹ کھل گیا اور اس کی گاڑی اندر آ گئی۔ زاوی کے گاڑی سے اترنے سے پہلے ہی وہ فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی۔

''زاوی گاڑی واپس موڑیں''۔ وہ خاصی جلدی میں تھی۔

''یار! کیا ہوا ہے؟'' زاوی کو بھی مخمل کی یوں اچانک کی جلدی پر تشویش ہوئی تھی۔

''وہ نا مجھے بہت بھوک لگی ہے تو ہم برگر کھانے جائیں گے۔ اب جلدی کریں کب سے انتظار کر رہی تھی میں۔ اب تو بھوک برداشت سے باہر ہے''۔ مخمل کی اس گردان نے زاوی کا پارا چڑھا دیا تھا۔

''گھر میں کیا کچھ نہیں ہے کھانے کو؟ یا تمہیں کسی نے کھانا دیا نہیں؟ عجیب چیز ہو۔ میں ابھی تھکا ہوا آیا ہوں اور تمہیں تفریح سوجھ رہی ہے''۔ وہ اسے اچھی طرح سنا چکا تھا اور اس کا خیال تھا کہ اب مخمل نہیں جائے گی مگر وہ بھی تو مخمل نعمان تھی۔ اب اگر اس نے جانا ہے تو بس جانا ہے۔ کوئی ڈانٹ اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

''بس کہہ دیا، اب گاڑی چلائیں۔ تھکن زیادہ ہوگی تو واپس آ کر آرام کرنے کا مزہ بھی زیادہ آئے گا''۔ اس کو اپنے غصے کے جواب میں اس کی یہ لاپرواہی حیران کر گئی۔

''اف مخمل۔ تم کیا چیز ہو''۔ اب زاوی کا موڈ بھی ٹھیک ہو گیا تھا اور وہ اسے باہر لے گیا۔

......☆......

''ہیلو......'' ایک خوشگوار مسکراتی آواز اسے اپنے پاس سنائی دی۔ مخمل نے حیرانی سے اس نئے آنے والے کو دیکھا۔

''آپ نے پہچان لیا نا؟'' نوارد خاصی بے تکلفی سے مخاطب تھا۔

''اتنی فرینکنس......'' مخمل بس سوچ کر ہی رہ گئی۔ وہ ابھی لائبریری آئی تھی کچھ کتابیں لینے کہ اچانک یہ شخص آ گیا۔

''سوری مسٹر! میں انجان لوگوں سے بات نہیں کرتی''۔ وہ بہت روڈ لہجے میں کہہ کر کتابوں کی طرف متوجہ ہوگئی۔ ابھی تک اس نے اس اجنبی کی شکل غور سے نہیں دیکھی تھی۔

''ارے آپ مجھے پہچاننے سے انکار کر رہی ہیں''۔ اب اسے اپنے اونچا بولنے پر افسوس ہوا کیونکہ آس

پاس کے لوگوں کی نظر ان کی جانب اٹھی تھی۔
"جب میں جانتی ہی نہیں تو کیوں پہچانوں"۔ محمل اب بے زار ہو گئی تھی اس سے۔
"اف بڑی بری میموری ہے آپ کی۔ میں ارقم ہوں۔ زاوی کا دوست، یاد ہے اس دن گاڑی سے واپسی پر میں بھی آپ دونوں کے ساتھ آیا تھا؟" اس نے پوری طرح اپنا تعارف کروایا۔
"اوہ......" محمل کو اسے نہ پہچاننے پر شرمندگی سی محسوس ہوئی وہ اسے کیوں نہیں پہچان سکی۔ اب محمل پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھی۔ اس دن کی طرح آج بھی ارقم کی شفاف آنکھوں کو وہ زیادہ نہ دیکھ سکی۔
آج وہ لائیٹ براؤن شرٹ اور ڈارک براؤن پینٹ میں تھا۔ بال اسی طرح بکھرے ہوئے مگر بے حد دلکش۔ اس کی مضبوط کلائی میں باندھی گئی گھڑی اس کی شان بڑھا رہی تھی۔
"کیا آپ نے اب بھی نہیں پہچانا؟"
"نہیں نہیں میں پہچان گئی، بس یہ سوچ رہی تھی کہ میں نے پہلے کیسے نہیں پہچانا"۔ محمل کو شرمندگی سی ہوئی۔
"چلیں چھوڑیں، اب تو پہچان لیا نا۔ کہیں کیسی ہیں، کیسے آنا ہوا یہاں؟"
"رقم! یہ لائبریری ہے، پلیز یہاں پر باتیں کرنا اچھی بات نہیں"۔ محمل نے اسے لائبریری میں موجودگی کا احساس دلایا تھا۔
"اچھا آپ کب تک یہاں ہیں!"
"میں بس کتابیں لے کر گھر جانے لگی تھی کہ آپ......"
"آپ کتابیں لیں میں باہر آپ کا انتظار کر رہا ہوں"۔ وہ کہہ کر جلدی سے نکل گیا اور محمل کتابوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

......☆......

"ویسے اس دن زاوی کی گاڑی میں آپ کو دیکھ کر تو میں حیران ہی رہ گیا تھا"۔ اس نے آئس کریم محمل کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔
"وہ کیوں؟"
"وہ اس لئے کہ زاوی کو کبھی کسی لڑکی کے قریب جاتے بھی نہیں دیکھا میں نے۔ اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں بہت لڑکیوں کے دل کا راجا تھا زاوی، مگر اس نے تو بھی ان لڑکیوں کو نظر بھر کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے اب اس کی گاڑی میں لڑکی دیکھ کر شاک تو لگنا ہی تھا"۔ ارقم اس سے مزے سے زاوی کی باتیں کر رہا اور محمل سن کر فخر محسوس کر رہی تھی۔
"ہاں بالکل میرے زاوی ہیں ہی ایسے۔ وہ کسی کو متاثر نہ کریں، ایسا ناممکن ہے"۔ محمل کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکان در آئی تھی۔
"آخر دوست کس کا ہے، صحبت کا اثر ہو گا ہی نا"۔ ارقم نے فخر سے اپنے کالر جھاڑے، اور ادھر محمل کی جلترنگ ہنسی پوری گاڑی میں گونج اٹھی، اور ارقم کی نگاہیں تو جیسے اس منظر پر ہی ٹھہر گئیں۔ ارقم لائبریری کے بعد محمل کو آئس کریم کھلانے لے گیا تھا۔ پہلے تو محمل نہ مانی مگر ارقم کے اصرار پر اسے جانا ہی پڑا۔ واپسی پر ان کے درمیان ہلکی پھلکی بات چیت جاری تھی۔
"اوکے ارقم! تھینکس فار دی آئس کریم اینڈ لفٹ"۔ محمل نے گاڑی سے اترتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔
"آپ کا شکریہ کہ آپ میرے ساتھ آ گئیں، ویسے ایک بات کہوں؟" محمل نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"آپ کی ہنسی بہت خوبصورت ہے، ہنستی رہا کریں، خدا حافظ"۔ ارقم کہہ کر رکا نہیں اور گاڑی آگے بڑھا دی جبکہ محمل وہیں گیٹ پر کھڑی اس کی بات کو سوچنے لگی۔

......☆......

"کتنی پیاری لگ رہی تھیں نا سمیرا کی باجی! بہت اچھی جوڑی تھی۔ کیوٹ سی"۔ زاویار اور محمل، محمل کی دوست کی بہن کی شادی سے واپس آ رہے تھے۔

"ہاں یار شادی پر دلہن تو کیا ساری ہی لڑکیاں پیاری لگ رہی تھیں اور دولہا تو بہت شاندار تھا"۔ زاوی گاڑی چلاتے ہوئے وہاں موجود لوگوں کی تعریف کررہا تھا۔

"ویسے زاوی آپ نے میری تعریف نہیں کی"۔ محمل کی یہ بچگانہ فطرت ہمیشہ ہی زاوی کو بھاتی تھی، وہ ہمیشہ بہت معصوم اور بھولے انداز میں خود اپنی تعریف کا کہتی تھی۔

"تمہیں تعریف کی کیا ضرورت، تم تو پرستان سے اتری ایک پری کی مانند ہو۔ خوبصورت اور معصوم، اتنی شفاف کہ بس......" زاوی کہتے کہتے اس کی جانب متوجہ ہوا تو سامنے محمل کا گلنار رخ تھا۔ کتنا معصوم، زندگی کے نئے دور میں قدم بڑھاتی، جوانی کی طرف دوڑتی اس کی لاپرواہ فطرت اور پاکیزہ حوروں جیسے اس پیکر سے زاوی ہمیشہ سے ہی متاثر تھا۔ وہ اس کا بہترین دوست تو تھا مگر وہ اس کی طرف زیادہ نگاہ نہ ڈال سکتا تھا کہ کہیں کوئی گستاخی نہ ہوجائے۔ اچانک ہی زاوی نے گاڑی روک دی۔

"اوشٹ یار!" اس نے زور کا مکا اسٹیرنگ پر مارا۔

"کیا ہوا ہے"۔

"پیٹرول ختم ہوگیا ہے اب کیا کریں۔ اس وقت تو کوئی لفٹ دینے والا بھی نہیں ہوگا"۔ زاوی نے گھڑی پر وقت دیکھا تو رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔

"اوہ...... اب کیا ہوگا؟" محمل کو تو فکر ہونے لگی تھی۔ زاوی بھی پریشان تھا مگر وہ محمل پر زیادہ ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتا تھا، سنسان سڑک پر رات کے اس پہر، اسے محمل کی حفاظت کی زیادہ فکر تھی۔ ابھی وہ گھر کال کرنے ہی والا تھا کہ اس کے پاس ایک گاڑی آن رکی۔

"زاوی، تو یہاں اس وقت"۔ اس گاڑی میں سے ارقم اور اس کا کزن کاشف نکلے۔ زاوی کی بھی جان میں جان آئی۔

"شکر خدا کا ارقم تم آگئے، میں تو پریشان ہورہا تھا، ہم ابھی شادی سے واپس آرہے تھے کہ پیٹرول ختم ہوگیا، اور اس وقت کوئی اور گاڑی بھی نہیں تھی۔ محمل کو گاڑی میں چھوڑ کر میں پیٹرول لینے جا بھی نہیں سکتا تھا"۔ زاوی کی پریشانی ارقم کو دیکھ کر غائب ہوگئی تھی۔

"تو نو پرابلم، تم رکو پیٹرول میں جا کر لا دیتا ہوں"۔

"نہیں پمپ یہاں سے دور ہے، تم اگر میری ہیلپ کرو اور محمل کو تم گھر ڈراپ کرآؤ۔ یہاں پہ اس کا زیادہ رکنا ٹھیک نہیں"۔ زاوی کو محمل کو گھر پہنچانا تھا جلدی ہی۔

"ہاں شیور، نو پرابلم، کاشف تمہارے ساتھ یہاں رک جاتا ہے، میں ان کو چھوڑ کر فوراً آتا ہوں"۔ ارقم بھی بات سمجھ گیا تھا۔ اسی لئے وہ مان گیا اور کاشف کو زاوی کے پاس چھوڑ دیا۔

......☆......

بلیک لانگ شرٹ جس پر خوبصورت سفید موتیوں اور سلور تلے کا نفیس ہلکا سا کام ہوا تھا اور ساتھ میں بلیک ہی دوپٹہ سلیقے سے شانوں پر ڈالے وہ دلنشین لگ رہی تھی، بائیں ہاتھ میں سلور چوڑیاں اور دائیں ہاتھ میں سرخ گلاب اور سفید موتیئے کے پھولوں سے سجا گجرا، اس کی کلائی میں بے حد دلکش لگ رہا تھا، آج وہ اس کے پہلو میں بیٹھی اسے کتنی اچھی لگی تھی یہ صرف ارقم جانتا تھا یا اس کا خدا۔

"کچھ اس ادا سے آج وہ پہلو نشیں رہے
جب تک ہمارے پاس رہے، ہم نہیں رہے
جا اور کوئی ضبط کی دنیا تلاش کر
اے عشق اب تو ہم تیرے قابل نہیں رہے"

کیسٹ پلیئر پر چلتے عابدہ پروین کے اس کلام نے ماحول کو اور بھی دلکش بنادیا تھا کہ محمل کی آواز نے اس سحر کو توڑ دیا۔

"آپ کو عابدہ پروین پسند ہے؟" محمل کا سوال تھوڑی حیرانی لئے ہوئے تھا۔ ارقم یہی سمجھا کہ وہ اس سے یہ امید نہ رکھتی ہو کہ وہ صوفیانہ کلام سنتا ہوگا۔

"ہاں بالکل مجھے عابدہ پروین بہت پسند ہیں۔ کتنا

سوز، کتنا سکون ہے ان کی آواز میں۔ بندہ تو جیسے کسی دوسرے جہاں میں چلا جاتا ہے"۔ وہ اپنی دھن میں لگا اپنی پسندیدگی بتا رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر محمل کے اس حیرت زدہ چہرے پر ٹھہر گئی۔

"آپ کو بھی عابدہ پروین پسند ہیں۔ آپ کے بھی ان کی آواز کے بارے میں بالکل وہی خیالات ہیں جیسے زاوی کے، پتا ہے وہ تو عابدہ جی کے کلام اور آواز پر تقریر کرنا شروع کر دیتے ہیں، خیالات کی اتنی میچنگ میں نے پہلے تو نہیں دیکھی"۔ محمل کو تو جیسے اس کا پسندیدہ موضوع مل گیا ہو باتیں کرنے کے لئے اور ارقم کو اپنی ستائیس سالہ زندگی میں پہلی بار جیلیسی ہوئی تھی وہ بھی اپنے بہترین دوست، زاویار سکندر سے۔

☆......☆

زاویار لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا جبکہ ارقم اس کے سامنے بیٹھا مسلسل اسے دیکھ رہا تھا۔ کتنا خوبصورت دوست تھا اس کا، ظاہر اور باطن دونوں سے ارقم کو اپنے رات والے خیالات پر شرمندگی سی ہوئی تھی۔

"زاوی! تو مجھے کتنا چاہتا ہے؟" ارقم کے اس اچانک سوال پر زاوی کے ہاتھ ایک دم لیپ ٹاپ پر رک گئے۔ اس نے ارقم کا چہرہ دیکھا تو وہ بھی سنجیدگی لئے ہوئے تھا۔ وہ بھی کام چھوڑ کر مکمل اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کیا بات ہے ارقم! اتنے سنجیدہ کیوں ہو؟" اور اس سوال کا جواب جانتے تو ہو تم"۔

"تم بس میرے سوال کا جواب دو"۔

"یار! مجھے خود سے زیادہ تم سے محبت ہے"۔ زاوی کے لہجے میں ہمیشہ جیسا سکون آ گیا تھا۔

"اگر میں کچھ مانگوں تو دو گے؟" آج ارقم کچھ عجیب ہی سوال کر رہا تھا۔

"یار! تو کہے تو میں جان دے دوں"۔ زاوی نے اب کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی تھی۔

"نہیں یار! جان نہیں، بس ایک بات ہے مگر کہنے سے ڈرتا ہوں، تم کہیں ناراض نہ ہو جاؤ"۔ ارقم آج پہلی بار زاویار کے سامنے جھجک رہا تھا۔

"نہیں ہوتا یار! تم کہہ کر تو دیکھو"۔ زاوی بہت سکون میں تھا مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ ارقم کی فرمائش اس کا سکون تباہ کر دے گی۔

"یار! وہ تمہاری کزن ہے نا محمل، وہ...... مجھے بہت پسند ہے اور میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں"۔ ارقم نے ڈرتے ڈرتے کہہ ہی دیا تھا۔ بلکہ اس نے تو زاوی کے سر پر بم پھوڑ دیا تھا۔ زاوی کے تو وہم و گمان میں بھی ایسی سوچ نہ تھی کہ وہ یہ بات کر دے گا، مگر وہ زاویار سکندر تھا۔ اپنے احساسات اور جذبات کو قابو رکھنے والا۔ کسی پر کچھ ظاہر نہ کرنے والا۔ کسی چٹان کی طرح مضبوط، فوراً ہی سنبھل گیا۔

"مگر یار! وہ تو ابھی بہت چھوٹی ہے"۔ زاوی کا لہجہ پھر سے پرسکون ہو گیا تھا۔

"یار! میں کچھ نہیں جانتا، میں اس کی محبت میں پاگل ہو چکا ہوں، میں ایسا نہیں تھا مگر اب لگتا ہے کہ اس کے بغیر جی نہیں پاؤں گا۔ پلیز تم اپنے گھر والوں سے بات کرو پلیز زاوی پلیز"۔ ارقم کی آنکھیں اور اس کا لہجہ اس کے الفاظ کی صداقت کی گواہی تھے۔

"ارقم یار! کیا ہو گیا ہے، میں کروں گا گھر میں بات بلکہ ان سب کو راضی بھی کروں گا مگر تم یوں تو نہ کہو"۔ زاوی کو تکلیف تو بہت ہوئی تھی مگر اس نے ارقم کے لئے سچے دل سے اپنے رب کے سامنے دعا کی تھی۔ اس کی خوشیوں کی اور محمل کے ساتھ کی۔

☆......☆

جاتی سردیوں کی ایک سنہری صبح تھی، گھر کے تمام بڑے لان میں بیٹھے کینو کھانے میں مگن تھے، کامران اور عارفہ بھی شہر آئے ہوئے تھے، جبکہ باقی ینگ پارٹی ابھی اٹھنے کو تیار نہیں تھی، وہ اپنے کمرے میں کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھ رہا تھا، آج سردی میں کچھ کمی تھی، موسم آہستہ آہستہ بدل رہا تھا۔ سامنے لگے درختوں پر کہیں کہیں نئی کلیاں نکل آئی تھیں، ایک درخت پر تو سات طوطے بیٹھے تھے۔ باقی کہیں کوئی دور دور ایک چڑیا بیٹھی

تھی۔ لان میں مالی گوڈی کر کے بہار کی تیاری میں مصروف تھا نئے بیج لگا رہا تھا، اس سے کچھ فاصلے پر کرسیوں پر موجود اسے گھر کے بڑے ہنستے مسکراتے باتیں کرتے نظر آئے، اس نے گہرا سانس لے کر کھڑکی بند کی اور بیڈ کی سائیڈ پر رکھی چپل پہن کر باہر نکل گیا۔ باہر لاؤنج میں کافی خاموشی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ابھی باقی سب سو رہے ہیں۔ وہ اسی طرح چلتا باہر لان میں آ گیا۔ سب سے پہلے علمدار صاحب کی نظر اس پر پڑی تو ان کے چہرے کی رونق اور بڑھ گئی، کتنا خوبرو، کتنا دلکش تھا وہ اس عمر میں ہی اس کی چال ڈھال، بول چال سب کتنا باوقار تھا، ان کے خاندان کے سبھی لڑکے خوبصورت تھے مگر زاویار کی بات ہی الگ تھی، وہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھا، وہ اپنے دادا افضل ہمدانی کا عکس تھا، اور علمدار ہمدانی کے لئے بھائی کا یہ عکس کتنا اہم تھا، یہ صرف وہ جانتے تھے یا ان کا خدا۔

"السلام علیکم!" زاویار نے اچھے موڈ میں اجتماعی سلام کیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"وعلیکم السلام! بیٹا کینو چھیلوں تمہارے لئے"۔ سائرہ نے اس کے لئے کینو اٹھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں آنی! پہلے ناشتہ کروں گا پھر کینو کھاؤں گا"۔

"بیٹا! صبح صبح فروٹ کھانا تو صحت کے لئے اچھا ہوتا ہے نا"۔

"نہیں آنی! ابھی ٹوتھ برش کر کے آیا ہوں، یہ کھا لیا تو منہ کڑوا ہو جائے گا"۔ اس نے اتنی بے چارگی سے جواب دیا تھا کہ سب ہی اس پر مسکرا اٹھے۔

"اچھا...... مجھے آپ سب سے ایک بات کرنا تھی"۔ اس نے کچھ جھجک کر کہا تو سب ہی کو حیرانی ہوئی۔ وہ زندگی میں پہلی بار اجازت لے رہا تھا وہ بھی اس طرح۔

"جی بیٹا جانی! کہو نا، آپ کو اجازت کی کیا ضرورت آن پڑی"۔ شاہد صاحب نے پیار سے اس کے کاندھے پر تھپکی دی۔ وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ چند لمحے خود کو کمپوز کیا پھر کہنے لگا۔

"دیکھئے! آپ لوگ غصہ مت کیجئے گا اور میری بات کو مان لینا۔ وہ دراصل ارقم نے مجھ سے محمل کے لئے بات کی ہے کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے، آپ کو اگر اعتراض نہ ہو تو وہ جلد از جلد اپنے والدین کو رشتے کے لئے بھیجنا چاہتا ہے۔ وہ اچھا لڑکا ہے خاندان بھی اچھا ہے اس لئے پلیز آپ لوگ انکار مت کیجئے گا"۔ بات ختم کر کے اس نے ایک نظر سب کے چہروں کو دیکھا، جہاں حیرانی کے سوا کچھ نہ تھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو، پاگل تو نہیں ہو گئے"۔ کامران صاحب کا تو پارا ہائی ہو گیا تھا۔

"پپا جانی! اس میں پاگل ہونے کی کیا بات ہے وہ میرا دوست ہے اور میں اس کے رشتے کی بات کر رہا ہوں"۔

"ہونہہ...... رشتے کی بات اور جانتے ہو یہ رشتے کی بات کس کے لئے کر رہے ہو؟"

"جی پپا جانتا ہوں"۔

"پھر بھی تم یہ کہہ رہے ہو؟" علمدار صاحب کو واقعی بہت صدمہ ہوا تھا۔ زاویار بھی ان کی حالت سمجھتا تھا۔

"دیکھیں آپ لوگ جذباتی نہ ہوں، صحیح طرح سوچیں تو یہ ایک اچھا رشتہ ہے، اچھا خاندان ہے، عزت دار پیسے والے لوگ ہیں، ہم ان کو اچھی طرح جانتے ہیں"۔ وہ کہہ کر رکا سب کے تاثرات ہنوز ویسے ہی تھے۔

"ارقم میرا بچپن کا دوست ہے، بہت اچھا اور شریف لڑکا ہے اور یقیناً محمل کے لئے ایک بہترین ساتھی ثابت ہوگا"۔

"لیکن بیٹا! ہم تو چاہتے......"

"ارقم محمل کو بہت زیادہ چاہتا ہے"۔ عارفہ بیگم کی بھرائی ہوئی آواز ابھری تھی، جسے زاویار نے درمیان میں ہی ٹوک دیا، پھر کچھ دیر بعد جب وہ لوگ نہ مانے تو زاویار کو اپنا حق جتانا ہی پڑا۔

"بس، میں یہ چاہتا ہوں کہ محمل کی شادی ارقم سے ہو، اور یہ ہو کر رہے گی۔ جمعے کو اس کے گھر والے آئیں

گے۔ آپ لوگوں کا جواب وہی ہونا چاہئے جو میں چاہتا ہوں۔ دوسری صورت میں میں اگلے ماہ جرمنی چلا جاؤں گا ہمیشہ کے لئے"۔ وہ یہ کہہ کر فوراً ہی اندر چلا گیا۔ جبکہ اپنے پیچھے سب کو ہی حیران کر گیا۔ عارفہ اور سائرہ کی آنکھوں میں تو نمی تیرنے لگی تھی، اس کی دھمکی ہی ایسی تھی، اگر زاوی نے اپنے کہے پر عمل کر لیا تو...... اس سے آگے وہ لوگ نہ سوچ سکے۔ زاوی اپنی بات کا کتنا پکا ہے، سب جانتے تھے۔

......☆......

وہ ایکوریم کے سامنے کھڑی مچھلیوں کو دیکھنے میں مگن تھی، یہ رنگ برنگی خوبصورت مچھلیاں اسے بہت بھاتی تھیں، ابھی کل ہی اس کی فرمائش پر پانچ نئی مچھلیاں لائی گئیں تھیں۔ اس وقت بھی وہ بڑے انہماک سے انہیں دیکھ رہی تھی کہ اچانک زاوی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"یہ مچھلیاں ادھر ہی ہیں۔ لیکن میں آدھے گھنٹے بعد جم چلا جاؤں گا، اس لئے فوراً چھت پر آؤ، مجھے کوئی بات کرنی ہے"۔ کہہ کر وہ رکا نہیں اور سیڑھیاں پھلانگتا اوپر چلا گیا۔ مخمل کو اس بات سے ہمیشہ ہی چڑ تھی کہ وہ دوسروں کی سنے بغیر ہی آرڈر دے دیا کرتا تھا۔ مخمل جب اوپر آئی تو وہ ریلنگ پر جھکا اسٹریٹ میں کھیلتے بچوں کو دیکھ رہا تھا۔

"کیوں بلایا ہے، کتنی بار کہا ہے یوں آرڈر مت دیا کرو"۔ اس نے منہ پھلا کر کہا۔

"تو تم میرا آرڈر ماننا ہی مت کرو۔ میں کہتا ہوں اور تم مان جاتی ہو اسی لئے بار بار کہتا ہوں، تم ایک بار انکار کر دو میں ساری زندگی کچھ نہیں کہوں گا، بقول تمہارے آرڈر نہیں دوں گا"۔ اس نے بے نیازی سے کہا۔ اور یہ سچ بھی تھا، وہ اس کی مانتی تھی اسی لئے وہ یوں کہتا تھا۔

"یہی تو پرابلم ہے کہ میں تمہیں انکار نہیں کر سکتی تمہاری شکل دیکھ کر رحم آ جاتا ہے مجھ رحم دل لڑکی کو"۔ اس نے بھی ویسی ہی بے نیازی سے کہا تھا۔

"اب کام بولو"۔ وہ کچھ لمحے رکا اور پھر کہنے لگا۔

"میں تمہیں بتاتا تھا کہ ارقم میں میری جان ہے، وہ میرے بہت قریب ہے، وہ اپنے آپ کو بھی اتنا نہیں جانتا ہوگا جتنا میں اسے جانتا ہوں۔ تم بھی میرے بہت قریب ہو اور میں تمہیں بھی تم سے زیادہ جانتا ہوں اسی وجہ سے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم دونوں ایک دوسرے کے لئے بہترین ساتھی ہو گے"۔ اس نے رک کر مخمل کو دیکھا جو حیران و پریشان کھڑی تھی۔

"دیکھو مخمل! وہ بہت اچھا لڑکا ہے، بہت کیئرنگ، دھیمے مزاج کا، پیار کرنے والا، اور سب سے بڑھ کر وہ تمہیں بہت چاہتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں تمہارے لئے وہ کچھ دیکھا ہے میں نے جو سچے محبت کرنے والوں کی آنکھوں میں ہوتا ہے۔ تم اس کے رشتے کے لئے ہاں کر دو، وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا میرا یقین کرو، میں کبھی تمہارے لئے کوئی غلط فیصلہ نہیں کروں گا"۔ وہ بات ختم کر کے مخمل کے بولنے کا انتظار کرنے لگا، اور مخمل بولنے کے لئے طاقت جمع کرتی رہی، اب چھت پر مکمل خاموشی تھی، کچھ دیر بعد مخمل کی بھرائی آواز نے اس خاموشی کو توڑا۔

"آپ چاہتے ہیں میں ارقم سے شادی کر لوں؟" اس نے بھیگی آنکھوں سے اس کی سمت دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں۔ میں تمہارے لئے اسے ایک بہترین فیصلہ سمجھتا ہوں"۔

"ٹھیک ہے میں یہ شادی کر لوں گی"۔ وہ کہہ کر رکی نہیں اور فوراً نیچے چلی گئی۔

......☆......

سب کام بہت جلدی ہوئے تھے، ارقم اور مخمل کا رشتہ بھی پکا ہو گیا تھا۔ ایک سادہ سی تقریب میں مخمل کو ارقم کے نام کی انگوٹھی پہنا دی گئی تھی۔ جبکہ شادی مخمل کے ایگزامز کے بعد اگلے ماہ ہونی تھی، اس عرصے میں ارقم کی مخمل کو بہت سی کالز آئیں تھیں۔ مخمل بھی خوش تھی کہ اس نے ایک اچھا فیصلہ کیا ہے، مگر وہ اس خوشی میں اپنی پڑھائی سے نابلد نہ تھی، وہ بہت محنت سے تمام پیپرز

دے رہی تھی۔ زاوی بھی دونوں کے لئے بہت مطمئن تھا اور باقی گھر والے بھی۔

☆......☆......

آج محمل کا آخری پریکٹیکل تھا اور آج ہی سے اس کے بازار کے چکر شروع ہو گئے۔ بارات کے جوڑے کا آرڈر تو وہ پہلے ہی دے آئی تھی کہ اسے بننے میں وقت لگنا تھا، اب اسے اپنے کپڑے اور سینڈلز وغیرہ لینی تھیں۔ باقی سب تو بڑوں نے خود ہی خریدا تھا، ارقم کے گھر والوں نے منع تو بہت کیا مگر سب نے کہا کہ ''ہم اپنی بچی کو خالی ہاتھ رخصت نہیں کر سکتے''۔ آج وہ مایوں اور مہندی کے جوڑے لینے کے لئے جا رہی تھی، اس نے سوچا کیوں نا ارقم سے اس کی چوائس پوچھ لے۔ اور جب اس نے ارقم سے اس کے متعلق پوچھا تو وہ اچھا خاصا خفا ہوا۔

''کیا فائدہ مایوں اور مہندی کے لئے میری پسند پوچھنے کا، تمہارے خاندان میں کون سا رواج ہے کہ ان دو دن لڑکا اپنی دلہن کو دیکھ لے اور ویسے بھی بارات کا پوچھا تھا جواب خیال آیا؟'' وہ کافی زیادہ خفا لگ رہا تھا۔

''ارے آپ بھی نا، بتایا جو تھا کہ وہ اچانک ہی میری نظر اس ڈریس پر پڑ گئی اور وہ اس قدر اچھا لگا کہ میں نے آرڈر دے دیا، اب آپ بتائیں مایوں اور مہندی کا کیسا لوں؟''

''یار! تم جو بھی پہن لو، میں کون سا دیکھ سکوں گا''۔ اس نے بڑی بے چارگی سے کہا تھا۔

''اف......یعنی آپ نہیں بتائیں گے''۔

''اچھا ایسا کرو تم زاوی کو ساتھ لے جانا۔ وہ کچھ پسند کر لے تو وہ لینا۔ اس کی اور میری چوائس میں زیادہ فرق نہیں''۔ ارقم نے اب کہ اس پر رحم کر دیا اور اس بتا دیا۔ اور پھر زاوی نے اس کے لئے باٹل گرین کا مدار شرٹ اور اسی رنگ کا چوڑی دار پاجامہ اور نارنجی دوپٹہ والا ایک سوٹ پسند کیا۔ یہ اس کی مایوں کے لئے تھا، مہندی والا محمل نے اپنی پسند کا شاکنگ پنک اور لائم کلر کا انگر کھا لیا تھا، اس کے بعد ڈھیروں اور چیزیں خرید لیں، جب تک وہ تھک نہ گئی وہ مال سے باہر نہیں نکلی۔

☆......☆......

ہمدانی ہاؤس آج خوشیوں اور رنگوں سے بھرا ہوا تھا۔ محمل کی مایوں کی رسم تھی، لان میں خوبصورت ڈیکوریشن کر کے اسے فنکشن کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ گھر کے اندر بھی آرائش بہت خوبصورت تھی، ہر طرف شور و ہنگامے تھے، سب ہی خوش تھے ماسوائے محمل کے۔ اس کے دل کا حال کچھ عجیب سا ہو رہا تھا، بار بار وہ ہنستے ہنستے رک جاتی، اسے اپنی اس حالت کی سمجھ نہ آ رہی تھی۔ اسی لئے اس نے جب یہ بات فائزہ آپی سے کہی تو انہوں نے اس بات کو ماں باپ کی یاد گردانا اور اسے سائرہ بیگم کے پاس لے گئیں کہ وہ اس کو سمجھا بہلا دیں گی۔ ویسے بھی ارقم کے گھر والے رسم کر کے چلے گئے تھے اور باقی سب فنکشن بھی تقریباً ختم ہی تھا۔ اس وقت وہ سائرہ آنی کے کمرے میں تھی اور وہ اسے پیار سے بہلا رہی تھیں۔

''چندا دیکھو! یہ خوشی کا وقت ہے اسے یوں اداس ہو کر ضائع مت کرو''۔ انہوں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا تھا۔ اس ہاتھ میں اتنی اپنائیت، اتنا پیار تھا کہ محمل کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

''آنی! بہت عجیب لگ رہا ہے، کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا، نا جانے کیوں''۔ وہ دھیرے سے بولی تھی۔ اس کے آنسو اور بھرائی آواز سے تو سائرہ کا دل کٹ گیا تھا۔ وہ ان کے پیارے بھائی کی پیاری نشانی تھی جسے انہوں نے ہمیشہ ہی ماں سے زیادہ چاہا تھا۔

''نہیں میری جان، ایسا نہیں کہتے دیکھو اس طرح رو کر آپ خود کو بھی تکلیف دو گی، میں جانتی ہوں آپ کو اپنے والدین کی یاد آ رہی ہے۔ یہ موقعے ہی ایسے ہوتے ہیں، مگر کیا ہم نے کبھی آپ کو ان جیسا پیار نہیں کیا''۔ ان کی آنکھوں میں بھی نمی تیرنے لگی تھی۔

''نن......نہیں آنی! ایسی بات نہیں ہے''۔ وہ اس

قدر بوکھلا گئی تھی ان کی اس بات پر، یقیناً انہوں نے اسے بہت زیادہ پیار اور شفقت سے نوازا تھا۔

"پتا نہیں آپی! میں کیا کروں، سمجھ نہیں آتی"۔ وہ بے بسی سے کہہ رہی تھی۔

"اچھا تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ صبح تک آئی ایم شیور تم فریش ہو جاؤ گی"۔ انہوں نے پیار سے اس کا گال سہلا کر اسے جانے کا بولا تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ ان کے ہاتھ پر عقیدت بھرا بوسہ دیا اور چلی گئی۔ بابا جانی کے کمرے کے باہر سے گزرتے ہوئے زاوی کی آواز نے اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔

"آپ کسی بھی طرح محمل کو سنبھال لیجئے گا اس کی حالت بہت سیریس ہے، وہ ایمر جنسی میں ہے میں اس کے پاس جا رہا ہوں"۔ زاوی کی آواز بہت پریشان اور گھبرائی ہوئی تھی۔ باہر محمل کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا اور پھر اس کی آنکھوں کے آگے مکمل اندھیرا چھا گیا۔

......☆......

ارقم اپنے گھر والوں کے مایوں کی رسم کے لئے ہمدانی ہاؤس جانے کے بعد گھر پر اکیلا رہ گیا تھا، کچھ دیر گھر پر رہنے کے بعد اس کے دل میں محمل کو دیکھنے کا خیال آیا۔ وہ بہت خوش تھا اس کو یہ بھی یقین تھا کہ زاوی اس معاملے میں اس کی مدد کرے گا اور وہ محمل کو دیکھ سکے گا، مگر ارقم کو اتنا موقع نہ ملا۔ اچانک ہی اس کی گاڑی بے قابو ہو گئی تھی اور دوسری طرف سے آتے ٹرک سے ٹکرا گئی تھی، اسے بہت خراب حالت میں اسپتال لایا گیا تھا اور جب اس کے گھر اطلاع ہوئی تو جیسے کہرام مچ گیا، یہ اطلاع زاوی کو بھی دی گئی۔ محمل تو یہ سنتے ہی ہوش و حواس کھو گئی تھی، زاوی جب تک ارقم کے پاس پہنچا وہ زندگی کی بازی ہار چکا تھا، زاوی کی تو وہ جان تھا، اس وقت وہ خود پر قابو نہ پاسکا اور ارقم کے والد کو تسلی دینے کے بجائے خود بھی ان کے گلے لگ کر رونے لگا۔ ادھر محمل کو بے ہوش ہوئے کافی وقت ہو گیا تھا، ہمدانی فیملی بھی ارقم کے گھر چلی گئی تھی، سب طرف سوگ کی کیفیت تھی۔ کل تک جو گھر خوشیوں کی آماجگاہ تھا۔ آج وہ دکھوں اور غموں میں گھرا ہوا تھا۔ صبح ارقم کے جنازے تک سب وہیں رہے تھے۔ ارقم کے کچھ رشتے داروں نے تو محمل کو منحوس ٹھہرا دیا تھا۔ مگر ارقم کی ماں نے انہیں منع کر دیا۔ وہ ان باتوں کو نہیں مانتی تھیں۔ گھر پر صرف فائزہ آپی تھیں محمل کے پاس۔ ارقم کی تدفین کے بعد جب وہ لوگ گھر آئے تو محمل کو ہوش آ گیا تھا۔ مگر وہ کچھ بول نہیں رہی تھی، سکتے کی حالت میں تھی، کسی کی کوئی بات اس پر اثر نہ کر رہی تھی، علمدار صاحب اور باقی گھر والوں کے لئے اس کی یہ حالت بہت دکھ کا باعث تھی، اوپر سے جب سائرہ اور عارفہ نے جنازے میں موجود چند عورتوں کا محمل کو منحوس کہنے کے متعلق علمدار صاحب کو بتایا تو اس صدمے میں انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ جلد از جلد زاوی اور محمل کی شادی کروا دی جائے۔ مگر زاوی، ارقم کی موت کی وجہ سے ابھی راضی نہ تھا، لیکن انہوں نے محمل کے اوپر سے منحوس ہونے کا داغ ہٹانا تھا اور اسے زندگی میں بھی واپس لانا تھا، اس لئے انہوں نے نا چاہتے ہوئے بھی زاوی پر سختی کر دی کہ وہ آج ہی کے دن فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ بھی "ہاں" میں ہونا چاہئے۔

......☆......

چار گھنٹے......صرف چار گھنٹے تھے اس کے پاس خود کو راضی کرنے کے لئے۔ اور یہ وقت اتنے بڑے فیصلے کے لئے خود کو ذہنی طور پر آمادہ کرنے کے لئے اس کو یہ وقت بہت تھوڑا لگ رہا تھا، کیا کرے، اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا، کبھی دل کہتا کہ منع کر دے، کبھی کہتا کہ فوراً ہاں کر دے۔ دماغ تو اتنا ماؤف تھا کہ کچھ سوچا ہی نہیں جا رہا تھا۔

"زاوی......" اس کی "ہاں اور "نہ" کی تکرار کا تسلسل فائزہ آپی کی آواز سے ٹوٹا تھا۔ وہ اس کے پاس نا جانے کس وقت آ کر بیٹھی تھیں۔

"جی آپی! آپ کب آئیں؟" وہ اپنی سوچوں کو جھٹک کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"زاوی! محمل کی حالت بہت خراب ہے، جب

سے ہوش آیا ہے وہ سکتے کی حالت میں ہے، نہ کچھ کہتی ہے نہ روتی ہے۔ کچھ کھاپی بھی نہیں رہی۔ بس آنکھوں میں ویرانی بھرے یہاں وہاں دیکھتی رہتی ہے، مجھ سے برداشت نہیں ہوتا“ محمل کی ایسی حالت کا تصور ہی انہیں رلا گیا تھا۔

”تم پلیز اس کے پاس جاؤ، اسے کہو وہ کوئی بات کرے، کچھ کھالا بھی دوا سے۔ پلیز زاوی تم ہی اس کا سکتہ توڑ سکتے ہو، پلیز جاؤ اسے دیکھو ایک ہی دن میں کیسی ہو گئی ہے وہ“۔

”آپ مت روئیں، پلیز چپ کریں، میں دیکھتا ہوں اسے“۔ ان کو روتا دیکھ کر زاوی کی آنکھوں میں بھی نمی آ گئی تھی جسے اس نے فوراً صاف کر دیا تھا۔ کچھ دیر بعد محمل کے کمرے میں کھانا لانے کا کہہ کر وہ اٹھ گیا۔

ابھی اس نے محمل کے کمرے کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ محمل کی نظر اس پر پڑی تھی اور وہ کسی بچی کی طرح بھاگ کر اس کے سینے سے لگی اور رونے لگی۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے۔ زاوی بڑی مشکل سے اسے بیڈ تک لایا تھا مگر وہ اس سے الگ نہیں ہو رہی تھی، کتنی ہی دیر وہ اس سے لگی روتی رہی اور وہ اپنے آنسوؤں پر ضبط کیے اس کا سر تھپتھپاتا رہا۔

”زاوی! میں کتنی بدقسمت ہوں۔ کوئی خوشی کوئی راحت مجھے راس ہی نہیں آتی۔ آخر کیوں زاوی، میرے ماں باپ بھی مجھے چھوڑ گئے، کیا وہ میری عمر تھی کہ مجھے یوں تنہا چھوڑ جائیں۔ وہ تو بابا جان اور باقی سب اچھے تھے ورنہ میرا کیا ہوتا؟ آپ سب نے اتنا پیار کیا مگر کوئی میرے ماں باپ کی جگہ تو نہیں ہو سکتا نا“۔ کہتے کہتے وہ کچھ سنبھلی تھی شاید اسی لیے زاوی سے الگ ہو کر بیٹھ گئی اور آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر ان پر بند باندھنا بہت مشکل تھا، اس دوران زاوی بس اسے دیکھ کر رہ گیا، محمل کے آنسو اس کے لیے کتنی تکلیف کا باعث تھے یہ بات اس کو آج معلوم ہوئی۔

”اور اب میں کتنی خوش تھی ارقم کے لیے، اسے پانے کے لیے، اسے بھی کتنی محبت تھی مجھ سے، مایوں پر ہی سب ختم ابھی تو مجھے اس کی مہندی لگنا تھی مگر ایسا نہیں ہوا“۔ اس نے اپنی سونی کلائیاں اور بنا مہندی کے ہاتھ اس کے آگے کر دیئے۔ اب وہ رو نہیں رہی تھی، بس خود ترسی اور دکھ کا شکار تھی۔

”مجھ پر یہ قسمت کی دیوی کیوں مہربان نہیں، اسے مجھ پر رحم کیوں نہیں آتا، کبھی ماں باپ کو لے جاتی ہے تو کبھی ارقم کو مجھ سے دور کر دیتی ہے“۔ اپنی ویران آنکھیں زاوی پر مرکوز کیے وہ قسمت کے کھیل کا سوال اس سے کر رہی تھی۔

”میں ارقم سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر میں نے ہاں کر دی اور ارقم کو اپنے لیے اچھا پایا تو دل کو کچھ سکون ہوا تھا۔ اگر یہی کچھ ہونا تھا تو پہلے کیوں مجھے خواب دکھائے۔ قسمت نے مجھے کیوں اس کے بارے میں سوچنے دیا“۔ وہ ہر بات کا الزام قسمت پر دھر رہی تھی۔ اور زاوی کو ان سب باتوں میں سے صرف ایک بات نے چونکایا۔

”وہ ارقم سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی کیا؟“ اور یہ بات اس کی زبان پر بھی آ گئی۔

”کیا مطلب کہ تم ارقم سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں؟ تمہیں اس سے محبت نہیں تھی کیا؟“ بے چینی و حیرت زاوی کے انگ انگ سے نمایاں تھی۔

”نہیں...... آپ سمجھ رہے ہیں کہ میں اس کے جانے کے غم میں نڈھال ہوں؟ نہیں زاوی میں تو اپنی قسمت کو رو رہی ہوں، رہی اس سے شادی، تو وہ صرف آپ کے کہنے پر کر رہی تھی، سوچا تھا کہ جب شادی ہو گئی تو محبت بھی ہو ہی جائے گی“۔ دکھ اور تکلیف اس کی آواز اور لہجے سے محسوس ہو رہی تھی۔ اور اب زاوی کا وہاں رکنا محال ہو گیا تھا مگر جاتے جاتے اسے یہ بھی یاد آ گیا تھا کہ وہ کل کی بھوکی ہے۔

”فائزہ آپی کھانا لائیں گی، وہ کھا لینا“۔ اس سے نظریں ملائے بغیر ہی وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

.......☆.......

زاویار نے ان کی بات مان تو لی مگر وہ ارقم کے چالیسویں سے پہلے شادی کے لئے راضی نہ ہوا اور علمدار صاحب نے اس کی اس بات کا احترام کیا۔ آخر کو وہ زاوی اور ارقم کی دوستی کی شدت سے واقف تھے، زاوی کے لئے یہ دھچکہ کم تو نہیں تھا مگر اسے خود کو سنبھالنا پڑا، محمل کے لئے، ارقم کی ماں کے لئے جو بھی زاوی اور ارقم میں فرق نہ کرتی تھیں۔

☆......☆

پورے کمرے کی حالت خراب ہو چکی تھی۔ بیڈ پر کپڑوں کا ڈھیر تھا۔ وہ ابھی اور چیزیں بھی الماری سے نکالتی اور زمین پر ڈھیر کرتی جا رہی تھی۔ ساری مطلوبہ چیزیں نکال کر وہ واپس بیڈ تک آئی، ان اشیاء کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پھر سے بھیگ گئیں مگر وہ بے دردی سے آنکھیں رگڑتی اٹھی اور کچھ اشیاء اٹھا کر باہر نکلی اور باقی کے لئے ملازمہ کو آواز دی۔

"نازی...... نازی جلدی سے میرے کمرے میں جو چیزیں پڑی ہیں لے کر گھر کی پچھلی سائیڈ پر ڈال آؤ"۔ وہ کہہ کر جانے لگی تھی کہ سائرہ کی آواز پر رک گئی۔

"محمل بیٹا! یہ سب کپڑے کہاں لے کر جا رہی ہو"۔ وہ اس کے ہاتھ میں شادی کا جوڑا اور دوسرے جہیز والے کپڑے دیکھ کر کچھ حیران ہوئیں تھیں۔

"آنی! میں ان کو جلانے لگی ہوں"۔ غزال آنکھیں نہ چاہتے ہوئے بھی بھیگ گئی تھیں۔

"جانی! اگر آپ یہ چیزیں نہیں رکھنا چاہتیں تو کسی ضرورت مند کو دے دو۔ یوں جلاؤ تو مت"۔ انہوں نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ یہ سب اس نے کتنے شوق سے خریدا تھا۔

"نہیں آنی یہ چیزیں میری ہیں۔ یہ کسی کے کام نہیں آئیں گی، یہ تو الٹا نقصان ہی کریں گی، میرا سایہ میرا وجود خوشیوں کو کھا جاتا ہے، میری وجہ سے کوئی سکھ سے نہیں رہ سکتا، یہ آپ جس کو بھی دیں گی وہ برباد ہو جائے گی، ان کو جل ہی جانے دیں"۔ ضبط سے کہتے کہتے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی اور اوپر سیڑھیوں پر کھڑے زاویار سکندر کو بہت کچھ سوچنے اور کرنے پر مجبور کر گئی تھی۔

☆......☆

ارقم کی وفات کے بعد آج تیسری جمعرات تھی۔ وہ لوگ ابھی وہاں سے واپس آئے تھے۔ زاوی کا آج ارادہ تھا کہ وہ محمل کو کہیں باہر لے کر جائے گا کہ وہ تو اب اپنی ساری روٹین ہی بھول گئی تھی۔ اس کو ابھی کھلنا تھا، مگر وہ تو اس سے پہلے ہی مرجھا گئی تھی اور زاوی کو اپنی محبت اور توجہ سے اسے دوبارہ اس سے کھلانا تھا، اسے دوبارہ زندگی کی طرف لانا تھا۔ جب وہ محمل کی تلاش میں باہر آیا تو وہ لان میں ہی بیٹھی مل گئی۔ سردیوں کی شام میں درختوں سے گرے خشک پتے ایک عجیب سی اداسی کا تاثر دے رہے تھے۔ اور وہ اس اداس منظر میں اداس سی دیوی بنی بیٹھی تھی، بلیک ٹراؤزر شرٹ کے ساتھ سرخ شال اچھی طرح خود کے گرد لپیٹے جھولے پر بیٹھی سوچوں کی وادی میں گم تھی، اسٹیپ میں کٹے بال ہوا کے ساتھ ساتھ لہرا رہے تھے مگر اسے فکر کہاں تھی۔ مگر زاوی کی نگاہوں کو خود پر مرکوز پا کر وہ ٹھٹھک گئی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" وہ بھی اس کے برابر آ بیٹھا تھا۔

"کچھ نہیں"۔ اب وہ اپنے بالوں کی دوبارہ سے پونی بنا رہی تھی۔

"آؤ باہر چلتے ہیں"۔ وہ اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا جو وہ مسلسل مروڑ رہی تھی۔

"نن...... نہیں۔ مجھے کہیں نہیں جانا"۔ وہ ایک دم گھبرا گئی تھی۔

"کیوں؟"

"بس میں نہیں چاہتی کہ میرا سایہ آپ کے اوپر پڑے اور آپ کو کوئی نقصان ہو"۔ زاوی اس کی بات پر حیران ہی تو رہا گیا تھا۔

"زاوی! میں نے بہت نقصان اٹھائے ہیں۔ آپ کو کھونے کا نقصان برداشت نہیں کر سکتی"۔ کہتے کہتے اس کی آنکھیں موتیوں سے بھر گئی تھیں۔

"تم...... تم بہت زیادہ پاگل ہو محمل! تم سارا دن آخر

یہ سب کیوں سوچتی رہتی ہو؟ نہ تو تم ایسی ہو اور نہ ہی تمہاری وجہ سے کسی کو کوئی نقصان ہوا ہے، اس دنیا میں سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوتا ہے"۔ وہ اس وقت بہت غصے میں تھا۔ کافی دنوں سے وہ تحمل کا رویہ دیکھ رہا تھا، گھر والے اس کی محبت میں کچھ کہتے نہ تھے، مگر سب اس کی وجہ سے پریشان بہت تھے، پندرہ دن بعد اس کی شادی ہونا تھی مگر تحمل خود کو اس خول سے باہر نکال ہی نہیں رہی تھی۔ آج زاوی نے مکمل ارادہ کرلیا تھا کہ وہ چاہے غصہ سے ہی سہی، مگر اس کیفیت سے اس کو نکالے گا ضرور۔

"جانتی ہو تمہاری اس حالت کی وجہ سے سب کتنے پریشان ہیں؟ نانا جان کا کچھ خیال ہے تمہیں؟ عائشہ خالہ کی جھلک وہ تم میں دیکھتے ہیں، کتنا پیار کرتے ہیں وہ بھی اور ہم سب بھی مگر تمہیں کیا فکر ہے تم یوں ہی رہو۔ ہم سب تم سے بے پناہ پیار کرتے ہیں اور تمہیں یوں گم صم، خود سے، زندگی سے بے گانہ دیکھ کر ہمارا دل جلتا ہے یار...... مگر نہیں تم کیوں احساس کرنے لگیں۔ تم بیٹھو اور سوگ مناتی رہو"۔ زاوی اپنا سارا غبار اس پر نکال کر چل دیا تھا اور تحمل دھندلائی آنکھوں سے اسے جاتا دیکھتی رہتی۔

☆......☆......☆

مسلسل سوچ سوچ کر اس کا سر درد کرنے لگ گیا تھا، اگر اس نے کسی اور کی زبانی سنا ہوتا تو کبھی یقین نہ کرتی، مگر آج صبح تو اس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا تھا، اب تو اس بات کو جھٹلانے کی کوئی وجہ ہی نہ تھی، اس منظر کو یاد کر کے اس کو رونا آ گیا تھا، صبح زاوی جم سے واپس آ کر سائرہ آنی کے ساتھ بیٹھا اس کے متعلق باتیں کر رہا تھا۔

"آنی! میں نے ہمیشہ اس سے محبت کی ہے، پہلے وہ محبت صرف دوستی تھی، وہ میری کزن ہے، اس سے انسیت فطری بات ہے، مگر آہستہ آہستہ یہ انسیت ایک محبت، عشق کا روپ دھار گئی۔ ویسی محبت جو کسی بھی لڑکے کو ایک لڑکی سے ہوتی ہے، بس کبھی اظہار نہیں کیا۔ میں مناسب وقت کے انتظار میں تھا"۔ وہ اچانک چپ ہوگیا۔

"آگے تو آپ جانتی ہیں، ارقم کے لئے مجھے اس محبت کو چھوڑنا پڑا"۔ کچن کے باہر کھڑی تحمل یہ سب آسانی سے سن رہی تھی۔ اسے زاوی کی آواز کا بھاری پن محسوس ہو رہا تھا۔

"میں اسے اس حال میں نہیں دیکھ سکتا۔ اسی لئے تو ڈانٹ دیا تھا آپ میری بات کا یقین کریں، میں اس سے خفا نہیں، کبھی ہو بھی نہیں سکتا مگر اسے یوں بے حال دیکھنا بھی مشکل ہے"۔ اس سارے وقت میں سائرہ آنی خاموش ہی تھیں، یقیناً انہوں نے کل شام تحمل کو ڈانٹنے پر ہی زاوی کی کلاس لی تھی۔ تب ہی وہ یوں وضاحت دے رہا تھا۔

"آپ تو جانتی ہیں وہ میرے لئے مانند شبنم ہے۔ وہ شبنم جس کے قطرے ہر صبح پھولوں کو کھلا دیتے ہیں، وہ بہار کہ جس میں ہر رنگ نکھر جاتا ہے، وہ چراغ جو اندھیرے میں ایک امید کی طرح جگمگاتا ہے"۔ تحمل کے لئے اس سے زیادہ سننا ناممکن تھا۔ وہ فوراً ہی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اور تب سے وہ سوچ رہی تھی۔

"زاوی! آپ نے یہ کیا کردیا، آپ نے کیسے مجھ سے دستبرداری اختیار کرلی، میری زندگی میں آپ جیسا تو کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں۔ آپ نے محض دوستی کی خاطر اپنے دل کا خون کردیا۔ لیکن دیکھ لیں قدرت کو بھی یہ منظور نہ تھا۔ آپ کا اور میرا ملن تو ازل سے طے تھا، ہمارا ساتھ تو پہلے سے ہی لکھا جا چکا تھا، ہمیں دور ہونا ہی نہ تھا، میں ایک ناؤ ہوں اس کے کپتان بھی آپ ہیں اور ناخدا بھی۔ آپ نے ہی مجھے دنیا کے اس سمندر میں آگے بڑھانا ہے اور ناؤ کا کپتان اور ناخدا سے تعلق تو کبھی ختم نہیں ہوسکتا یہ تو ہمیشہ کے لئے ہے"۔ دل ہی دل میں زاوی سے ہمکلام ہوتی وہ دھیرے سے مسکرا گئی۔

☆......☆......☆

"معلوم نہیں کہ کب اس سے محبت ہوئی، بس اتنا پتا ہے کہ جب جب اسے دیکھا محبت کا ہی احساس جاگا،

وہ مجھ سے چھ سال چھوٹی، بچپن سے ہی میرے لئے اہم، ایک پیاری سی گڑیا تھی۔ میری بہت اچھی دوست، ہمارے رشتے میں سب تھا، لاڈ پیار، لڑائی جھگڑا، چھیڑ چھاڑ، وہ میری ہر بات مانتی اور میں بھی اس کی ہر فرمائش جو میں پوری کرسکتا تھا میں نے کی۔ گھر کے باہر بھی لاشعوری طور پر میں نے ہمیشہ اس کی کیئر کی، اس کو تحفظ دیا، میں پہلے تو یہ نہیں سمجھا، مگر بعد میں پتا لگا کہ میں اس کی محبت میں گرفتار تھا۔ پھر وہ محبت دن بدن بڑھتی گئی اور عشق کا روپ دھار گئی، مجھے یہ بھی پتا تھا کہ گھر میں سب اس کی میرے ساتھ شادی کے خواہاں تھے۔ مگر میں نے کسی پر اپنی محبت عیاں نہیں کی، اس پر بھی نہیں میں اس کی تعلیم مکمل ہونے کے انتظار میں تھا۔ پھر ایک دن جب ارقم نے بتایا کہ وہ اسے چاہتا ہے تو میں ٹوٹ سا گیا، ارقم میرا جگری یار جس سے میں نے ہر بات شیئر کی سوائے محمل سے محبت کے۔ اس کے اظہار کے آگے میں کچھ نہ کہہ سکا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں جو پیار میں نے دیکھا، اس نے مجھے مجبور کردیا کہ میں اپنے دل کا خون کردوں۔ اس کی خوشی کے آگے میں نے اپنی خوشی، اپنی محبت کو چھوڑ دیا۔ گھر والوں کو بھی اس شادی کے لئے راضی کرلیا، پھر فوراً ہی اس کی منگنی ہوگئی، میں نے اپنے ضبط کو بہت آزمایا، مگر ہمیشہ ارقم اور محمل کے لئے سچے دل سے دعا کی، دوستی کے آگے محبت میں نے چھوڑ دی، مگر خدا کو نہ جانے یہ منظور کیوں نہ تھا، مایوں والی رات ارقم چلا گیا، کبھی نہ آنے کے لئے میرے لئے اس سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ جانا اپنی محبت چھوڑنے سے زیادہ مشکل تھا، میں ابھی سنبھل بھی نہ پایا کہ بابا جان نے محمل سے شادی کا کہہ دیا۔ ایک اور مشکل، پھر اس شام جب محمل سے ملا تو میری ساری مشکل حل ہوگئی، وہ بہت دکھی تھی، اپنی بدقسمتی پر میں نے اس وقت یہ بات طے کرلی کہ میں اس سے شادی کروں گا اور اس کو بتاؤں گا کہ وہ بدقسمت نہیں ہے۔ بہت خوش قسمت، خوش بخت ہے، میں اسے دکھوں سے ہمیشہ کے لئے دور لے جاؤں گا۔ ارقم کے لئے میں اس سے دور ہوا تھا۔ مگر اب ارقم کے بعد مجھے ہی اسے سہارا دینا ہے، وہ اس کے نصیب کی خوشی، راحت نہ بن سکا تھا، میں بنوں گا۔ اور آج کے بعد یہ ڈائری نہیں لکھوں گا، کیونکہ جس کے لئے اپنے جذبات کو میں نے ہمیشہ اس ڈائری میں محفوظ کیے اب وہ ہمیشہ کے لئے میرے پاس آجائے گی، تو اسے ہی سب کہوں گا۔ اسی پر اپنی بے تابیاں اپنے جذبات اپنی محبت کے در کھولوں گا، تو پھر ڈائری کا بھلا کیا کام"۔ اس نے لکھ کر ڈائری دراز میں رکھی اور پرسکون ہو کر آنکھیں موند لیں۔ آج وہ بہت مطمئن تھا۔

......☆......

محمل کو زاوی کے کمرے میں بیٹھا کر فائزہ واپس جا چکی تھی، محمل نے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیا تو ہر طرف سرخ گلاب بکھرے ہوئے تھے اور فرش پر تھوڑے تھوڑے فاصلے سے سفید پھولوں کے دائرے کے درمیان چھوٹے چھوٹے دیئے مدھم مدھم سی لو دے رہے تھے۔ آج محمل کو شدت سے اپنے والدین یاد آرہے تھے اور ان کی کمی کا احساس بھی ہو رہا تھا، آنکھیں بند کرکے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا کر وہ بیٹھ گئی۔ دروازے پر کھٹکے کی آواز پر چونک گئی۔ زاوی کمرے میں داخل ہوا تو محمل کا دل ایک نئے انداز سے دھڑکنے لگا، بلکہ اس کا پورا وجود دھڑکن بن چکا تھا۔ محمل آگے ہو کر بیٹھ گئی۔

"شادی مبارک ہو، میری گڑیا!" محمل نے سر اٹھا کر زاوی کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں کچھ پالینے کی چمک تھی محمل نے فوراً سر جھکا لیا اور اپنے مہندی سے سجے ہاتھوں اور کلائیوں میں زاوی کے نام کی چوڑیاں دیکھنے لگی۔ آج محمل کے لئے سب کچھ بہت الگ سا تھا، اور زاوی بھی اسے کچھ الگ اور منفرد سا لگا تھا۔ میرون شیروانی پر سنہری دھاگے سے خوبصورت کام بنا ہوا تھا۔

"آپ کو بھی مبارک ہو" محمل نے دھیمے سے لہجے میں کہہ کر اپنی کلائی میں موجود کنگن کو چھوا، زاوی آکر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

"محمل"۔ اس نے گھمبیر آواز میں کہنا شروع کیا۔

"میں نے ساری زندگی تم سے ایک بات چھپائی ہے۔" محمل نے سوالیہ نظروں سے زاوی کی طرف دیکھا۔

"میری ایک ننھی سی دوست تھی "مخمل" جو میرے لئے بہت اہم تھی، اس کی چھوٹی چھوٹی باتیں، شرارتیں اور معصومیت مجھے بہت بھاتی تھیں۔ پھر پتا نہیں کب وہ میرے دل سے میری روح تک پہنچ گئی اور میں اس سے محبت بلکہ عشق کرنے لگا۔ اسے دیکھ کر جیتا تھا، وہ میرے لئے خود سے زیادہ عزیز ہوگئی میں اسے اپنے دل کے ساتھ اپنے گھر کی ملکہ بھی بنانا چاہتا تھا، مگر ارقم کے لئے میں کچھ بھی کرسکتا تھا۔ ارقم نے مخمل کے لئے اپنی پسندیدگی کا اظہار کردیا وہ میری ملکہ کو اپنی ملکہ بنانے کی خواہش کررہا تھا وہ میرا ایسا دوست تھا، جو شاید نصیب سے ہی ملتے ہیں، میں نے دوستی کے آگے اپنی محبت قربان کردی مگر شہزادی کے نصیب میں شاید ارقم کے گھر کی ملکہ بننا نہیں لکھا تھا، ارقم مرگیا اور وہ شہزادی میری ملکہ بن گئی"۔ زاوی نے مخمل کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگالیا، مخمل کے پورے وجود میں ایک نیا سا احساس جاگا تھا۔ مخمل ابھی تک اس کی باتوں کو اپنے دل پر محسوس کررہی تھی۔

"وہ شہزادی بھی تو آپ ہی کے گھر کی ملکہ بننا چاہتی تھی"۔ اس نے شرمگیں مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں جانتا ہوں"۔ زاوی کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

"وہ کیسے؟"، مخمل نے حیرانی سے زاوی کی طرف دیکھا۔

"میں تمہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں، اس دن جب تم نے کہا تھا کہ تم میرے کہنے پر ارقم سے شادی کررہی ہو، تو میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ یہ ملکہ تو شروع دن سے ہی میری تھی، بس میرے کہنے پر کسی اور راہ کو اپنی خوشی سمجھ بیٹھی تھی"۔

"ہاں مگر ارقم...... ارقم کے لئے میرا دل بہت اداس ہے"۔ اس نے لمبی سانس لی۔

"لوگ کہتے ہیں کہ کسی ایک کے جانے سے زندگی رک نہیں جاتی، لیکن کسی کو یہ نہیں پتا ہوتا کہ اس ایک کی کمی ہزاروں کے آجانے سے بھی پوری نہیں ہوسکتی"۔

زاوی نے ٹھنڈی سانس بھر کر مخمل کی طرف دیکھا۔

"لیکن ارقم ہمارے ساتھ ہمیشہ سے تھا اور اس کی یاد ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گی"۔ زاوی مخمل کی طرف دیکھ کر مسکرادیا۔ ماحول کی اداسی، کو دور کرنے کے لئے زاوی نے بات بدل لی۔

"آج اپنی تعریف نہیں کرواؤ گی"۔ زاوی نے مخمل کی جانب دیکھا جو سرخ اور سلور لہنگے میں غضب ڈھارہی تھی۔

"مجھے تعریف کی کیا ضرورت ہے، میں تو پرستان سے اتری ہوئی ایک پری کی مانند ہوں، خوبصورت اور معصوم اتنی شفاف کہ بس"۔ زاوی کو پہلے تو حیرانی ہوئی کہ مخمل کو اتنی پرانی بات یاد ہے لیکن پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"میری منہ دکھائی کہاں ہے؟"، مخمل نے زاوی کے خالی ہاتھ پر نظر ڈالی۔

"او یار! جلدی میں، میں تمہاری منہ دکھائی کا گفٹ لانا ہی بھول گیا"۔ زاوی نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔

"کیا گفٹ نہیں لائے، جائیں میں آپ سے بات نہیں کروں گی"۔ مخمل نے منہ دوسری جانب موڑلیا۔

"میری جان! ایسا ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ میں تمہارا گفٹ لانا بھول جاؤں"۔ زاوی نے سائیڈ ٹیبل سے ایک کیس اٹھا کر مخمل کے سامنے کیا۔ کیس میں خوبصورت سی چین میں سرخ رنگ کا نگ جڑا تھا۔ زاوی نے جھک کر وہ چین مخمل کو پہنادی ایسے میں زاوی کی سانسیں مخمل کو اپنے گالوں پر چھوتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ زاوی نے مخمل کو اپنے حصار میں لے لیا۔

"کیا اب یہ شہزادی میرے دل اور گھر کی سلطنت کی حکمرانی کرنا پسند کرے گی؟" زاوی نے مخمل کے کان کے قریب ہو کر سرگوشی کی تو مخمل نے شرما کر نظریں جھکالیں۔ کمرے کی روشنی مدھم ہوتی چلی گئی، ہر سو دیوؤں کی مدھم مدھم روشنی پھیل گئی، اور اس منظر کو دیکھ کر کھڑکی کے پار نظر آتا چاند بھی شرما کر بادل کی اوٹ میں چھپ گیا۔

......☆......

نظیر فاطمہ

افسانہ

نانی کی زبانی



''السلام علیکم، امی!'' ثمرہ گرمی سے بے حال ہوکر بیگ سمیت صوفے پر گر گئی۔ گرمی اس کے لئے ہمیشہ سے ناقابل برداشت تھی۔ خاص طور پر گرمیوں میں دوپہر کے وقت کالج سے واپسی پر بقول اس کے وہ مرنے کے قریب ہوجاتی تھی۔ یہ خالص اس کی ذاتی رائے تھی۔ مرنے کے قریب بندہ تو دو چمچ پانی بمشکل حلق سے نیچے اتارتا ہے یہ تو شربت کا پورا جگ چڑھا کر بھی پیاسی رہ جاتی تھی۔ امی موبائل پر بات کررہی تھیں۔

''جی اماں! ٹھیک ہے، میں احمد کو وقت پر ایئرپورٹ بھیج دوں گی۔ آپ بے فکر رہیں۔ اچھا اللہ حافظ'' ثمرہ جو پہلے ہی گرمی سے نڈھال تھی۔ امی کی بات سن کر سچ مچ بے ہوش ہونے لگی تھی کہ رضیہ نے اس کے سامنے فالسے کے شربت کا جگ اور گلاس رکھ دیا۔ ٹھنڈے شربت کے دو گلاس چڑھانے کے بعد اس کے حواس ٹھکانے آئے تو اس نے بے چاری سی شکل بنائی۔ ''امی! نانی جان آرہی ہیں؟''

امی نے اثبات میں سر ہلایا۔ خوشی ان کے چہرے پر صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ظاہر ہے ماں سے ملنے کی خوشی تو ہر بیٹی کو ہوتی ہے مگر بیٹی کی بیٹی کا کیا قصور؟ ''یعنی میری شامت شروع'' ثمرہ نے سر صوفے کی پشت پر ڈال دیا۔

''ثمرہ! کتنی بری بات ہے۔ لڑکیاں اپنی نانیوں پر جان چھڑکتی ہیں اور ایک تم ہو جو اپنی نانی سے تنگ ہو''۔ امی کو اس کا انداز ایک آنکھ نہ بھایا۔

''ارے نہیں امی! میں بھلا نانی سے کیوں تنگ ہونے لگی۔ میں بھی اپنی نانی سے بہت پیار کرتی ہوں مگر میں ان کی زبان سے بہت تنگ ہوں''۔ اس نے امی کی گود میں گھسنے کی کوشش کرتے ہوئے وضاحت دی۔

امی اس کی مشکل سے آگاہ تھیں۔ نانی کے اباؤ اجداد کا تعلق ہندستان کے ادبی گھرانے سے تھا۔ نانی نے بھی اپنے بچپن کا کچھ حصہ وہیں گزارا تھا۔ لہٰذا ان کے اردو بولنے کا انداز کافی مختلف بلکہ بقول ثمرہ خاصا مشکل تھا۔ نانی بات چیت کے دوران ایسے ایسے محاورے اور ضرب الامثال استعمال کرتیں کہ ثمرہ جیسی انگلش میڈیم بچی کے لئے ان کا مطلب سمجھنا جوئے شیر لانے سے بھی مشکل تھا۔ اب ایسی بات بھی نہیں تھی کہ وہ اردو سے بالکل ہی نابلد تھی۔ وہ اردو جس میں پچاس فیصد سے زیادہ الفاظ انگریزی کے ہوتے تھے، بول بھی لیتی تھی اور سمجھ بھی لیتی تھی۔ مگر نانی کے محاورے اور ضرب الامثال اس کے سر پر سے بھی نہیں (کہ سر پر سے گزرتے تو شاید کچھ سمجھ آجاتی) بلکہ اس کے دائیں بائیں سے گزر جاتے تھے۔ وہ ہونقوں کی طرح ان کی شکل دیکھتی کہ کیا کہہ رہی ہیں اور اگر کبھی ان کی کوئی بات سمجھ آجاتی اور وہ اس پر عمل کرلیتی یا اس کا جواب دے دیتی تو پتہ چلتا کہ اس کا یہ مطلب نہیں تھا۔ پھر جہاں وہ باقیوں کے مذاق کا نشانہ بنتی وہیں نانی کے زیر عتاب آجاتی۔

''ہاں، ہاں! بڑے شرف کی بات ہے کہ تم لوگ اپنی قومی زبان سے نابلد ہو اور منہ ٹیڑھا کرکے فرفر انگریزی بولتے ہو۔ ارے زمانہ کیسی چال چل گیا اردو نہیں آتی تو فخر کی بات ہے اور اگر کوئی بے چارا انگریزی کا ایک لفظ بھی غلط بول دے تو اس کی قابلیت پر بٹہ لگ جاتا ہے۔'' وہ ہائے وائے کرتیں۔

''مگر نانی غیر ملکی زبان سیکھنا غلط بات تو نہیں ہے'' ثمرہ کا بھائی لقمہ دیتا۔

''بالکل نہیں ہے، مگر کسی غیر ملکی زبان کو اس طرح سر پر سوار کرلینا کہ اپنی زبان سسکنے لگے، یہ غلط ہے۔ ضرور سیکھو غیر ملکی زبان مگر قابلیت کا معیار صرف اسی کو مت بناؤ۔ یہ موئی انگریزی تو مجھے زبان کم اور ''انگ ریزی'' زیادہ لگتی ہے۔ جس کو بولتے وقت انسان کے منہ سے لے کر جسم کا ایک ایک انگ ٹیڑھا میڑھا ہوجاتا ہے۔ تاریخ ماضی گواہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند پر انگریزوں کے قابض ہونے سے پہلے انگریزی زبان یہاں کی زبان پر حاوی ہوئی پھر انگریز یہاں قابض ہوئے۔ نانی کو بھلا کوئی ہرا سکتا تھا۔ ویسے نانی کی بات سو فیصد حقیقت ہی تھی کہ کسی معاشرے میں جو بھی زبان عام ہوجائے، کچھ عرصے بعد اس زبان کا کلچر بھی اس معاشرے میں رائج ہوجاتا ہے۔

......☆......

نانی آ گئیں۔ دو تین روز تو خیریت سے گزر گئے مگر بکرے کی ماں آخر کب تک خیر منائے گی۔

"ثمرہ! ثمرہ!" وہ کانوں میں ہینڈ فری لگائے گانے سننے میں مصروف تھی۔ نانی نجانے کب سے اسے پکار رہی تھیں۔ آخر وہ اٹھ کر اس کے پاس چلی آئیں تو اس نے جھٹ کانوں سے ہیڈ فری نکالی۔

"جی نانی!" وہ فوراً مودب ہوئی۔

"ارے کب سے پکارے جا رہی ہوں کیا کانوں میں تیل ڈال کر بیٹھی ہو؟" (بہری ہو) وہ خفا سے انداز میں اس کے پاس ٹک گئیں۔

"نانی! میں نے تو کبھی اپنے سر میں تیل نہیں ڈالا تو کانوں میں بھلا کیوں ڈالوں گی؟" تیل سے الرجک ثمرہ نے برا سا منہ بنایا۔ نانی جواب سن کر جل گئیں۔

"ہاں، جانوں، اسی لئے یہ جھاڑی سے بال ہیں تمہارے"۔ انہوں نے ثمرہ کے اچھے خاصے گھنے بالوں کی عزت مٹی میں ملا دی تھی۔

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ ذرا اپنی ماں کو میرے پاس بھیجو"۔ دفعتاً نانی کو یاد آیا کہ وہ ثمرہ کو کیوں بلا رہی تھیں۔

......☆......

سب گھر والے لان میں چائے پی رہے تھے۔ ثمرہ کی پھوپھو کی بیٹی اپنے تین سالہ شرارتی سے بیٹے کے ساتھ آئی ہوئی تھی۔ اس کی نانی کے ساتھ اچھی دوستی تھی اور وہ ان کی زبان کو خوب انجوائے کرتی تھی۔ وہ نانی کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو گئی اور اس کے بیٹے نے لان کی ہیٹھ کی مٹی اوپر کرنا شروع کر دی۔ بچہ منع کرنے کے باوجود باز نہیں آ رہا تھا۔ نانی بات اس کی ماں سے کر رہی تھیں اور دھیان سارا بچے کی کارروائیوں کی طرف تھا۔

"ارے یہ کس کی ماں کا بچہ ہے؟" اچانک نانی بولیں۔

"کمال ہے نانی بچے کی ماں سے پوچھ رہی ہیں کہ اس بچے کی ماں کون ہے؟ یہ باجی اس بچے کی ماں ہیں"۔ ثمرہ نے نانی کی معلومات میں اضافہ کیا۔ نانی نے اس کی بات پر ماتھا پیٹ لیا۔ سب کے مشترکہ قہقہے نے ثمرہ کو احساس دلایا پھر کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔

"نانی کا مطلب ہے کہ یہ بچہ کسی کے کنٹرول میں ہے یا نہیں"۔ باجی لبوں میں مسکراہٹ دبائے اپنے بیٹے کو قابو کرنے چلی گئیں۔

"تو آپ سیدھی طرح کہہ دیں کہ بچے کو روکو۔ اس کے لئے اتنا خطرناک سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" اسے بات کا مطلب معلوم ہوا تو جھنجھلا گئی۔

......☆......

"نانی خالد ماموں کی کال ہے"۔ ثمرہ نے نانی کو موبائل تھمایا اور خود پلٹ کر چلی گئی۔

"ارے خالد بچے شکر کرو، کان پر سے گولی گزر گئی"۔ ثمرہ جو انہیں چائے دینے آئی تھی، ان کی بات سن کر اس کا رنگ فق ہو گیا۔ چائے کے کپ سمیت پلٹ کر کچن کی طرف بھاگی۔

"امی! خالد ماموں کو گولی لگی ہے"۔ اس نے کانپتے ہوئے بات مکمل کی۔ امی کے ہاتھ سے چمچ چھوٹ کر فرش پر جا گرا۔ وہ آناً فاناً نانی کے کمرے میں پہنچیں، ثمرہ بھی پیچھے ہی تھی۔

"اماں! خالد بھائی کو گولی کیسے لگی؟" وہ رو دینے کو ہو رہی تھیں۔

"اے ہے، کیا بولے چلی جا رہی ہو۔ گولی لگے میرے خالد کے دشمنوں کو۔ تو کیا اول فول بکے جا رہی ہے"۔ اطمینان سے موبائل آف کرتی نانی کو امی کی بات سن کر گویا پتنگے لگ گئے۔

"مجھے ثمرہ نے بتایا کہ آپ فون پر......" انہوں نے گھبرا کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ارے وہ مجھے بتا رہا تھا کہ اس کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا ہے تو میں نے اسے کہا شکر کرو، کان پر سے گولی گزر گئی یعنی آفت سے بال بال بچ گئے ہو، کوئی صدقہ وغیرہ کرو۔ بس اتنی سی بات کا فسانہ بنا لیا تم ماں بیٹی نے۔ ارے یہ لڑکی کسی دن وہ کیا نگوڑا دل کا دورہ پڑوائے گی کسی کو۔ اب بات سمجھ نہ آئے تو آدمی پوچھ لے نا کہ الٹی سیدھی ہانک دے"۔ ثمرہ شرمندگی سے لب کچلنے لگی۔ امی اسے گھورتے

ہوئے کچن میں چلی گئیں۔

"سوری نانی!" وہ ڈھیلے ڈھالے قدموں سے آگے بڑھی۔ نانی نے اس کی شرمندہ شکل پر ترس کھا کر اسے خود سے لپٹایا۔ اب اس سارے میں ثمرہ کا اتنا قصور نہیں تھا جتنی اس کی درگت بنتی تھی۔

☆......☆

ثمرہ تیزی سے کچن میں آئی۔ فریج سے کوک کی بوتل نکالی اور بوتل گلاس میں انڈیلنے لگی۔

"ثمرہ کس کے لئے لے کر جارہی ہو؟" وہ مڑیں۔

"امی ابھی آئی"۔ ثمرہ نے گلاس ٹرے میں رکھا اور ٹرے اٹھا کر کچن سے نکل گئی۔ وہ چند لمحوں بعد ہی بھرے ہوئے گلاس کے ساتھ واپس کچن میں موجود تھی۔

"کیا ہوا؟" امی نے اس کے چہرے پر الجھن دیکھی۔

"امی! نانی آنٹی صباحت (ان کی ہمسائی) سے کہہ رہی تھیں کہ مانگ کوک کر ٹھنڈی رہو" اب یہ اچھا تو نہیں لگتا نا کہ مہمان خود کوک مانگے۔ میں نے سنا تو جلدی سے ان کے مانگنے سے پہلے کوک لے گئی۔ مگر انہوں نے منع کر دیا کہ وہ کوک پی چکی ہیں۔ اب اگر وہ کوک پی چکی تھیں تو نانی ان سے ایسا کیوں کہہ رہی تھیں۔ امی نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا۔ چند لمحوں بعد کچھ یاد آنے پر ان کے لب مسکرانے لگے۔ اماں سہاگنوں کو اکثر یہ دعا دیتی تھیں کہ مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے۔ (یعنی شوہر اور بچوں کی طرف سے سکھی رہو)۔ ثمرہ نے اس کو اپنی مرضی سے سمجھ کر اس پر عمل کیا تھا۔

"آپ مسکرا کیوں رہی ہیں؟" ثمرہ نے مشکوک نظروں سے دیکھا تو امی کی مسکراہٹ ہنسی میں بدل گئی۔ اس کے اصرار پر امی نے اصل بات بتائی تو ثمرہ کا دل چاہا کہ وہ دیوار میں سر دے مارے مگر دیوار میں سر مارنے سے نقصان سراسر اپنا تھا سو وہ اس ارادے سے باز رہی۔

"کاش میں نانی کی زبان آسان کر سکتی وہ کہتی کچھ ہیں اور مطلب کچھ اور ہوتا ہے"۔ اس نے حسرت سے سوچا اور شکر کیا اس حماقت کا نانی کو علم نہیں ہوا وہ یہی سمجھی تھیں کہ مہمان کو دیکھ کر کوک لے آئی ہوں۔ ورنہ ان کی ڈانٹ سے بچ نہیں سکتی تھی۔

"ارے آج کل کی نسل نجانے کیوں اتنی سہل پسند ہوگئی ہے۔ ہمارے اماں باوا نے تو ایک ہی بات پڑھائی تھی کہ بیٹا کمر کس کر باندھ لو اور جو چاہو کرلو۔ مگر آج کل کی نسل محنت سے جی چرائے اور چاہے کہ کامیابی ان کے در کی لونڈی بنی رہے۔" نانی نہ جانے کس کے بارے میں بات کر رہی تھیں کہ ثمرہ ایک دم چیخ اٹھی۔

"ہائے نانی! پہلے کیوں نہیں بتایا کہ بس کمر کس کر باندھ لو اور جو کام چاہے کرلو"۔ نانی کی ناگواری پر امی نے ثمرہ کو گھورا تو وہ خاموش ہوگئی۔ ورنہ اس سے کوئی بعید نہیں تھا کہ اپنا کوئی مشکل کام کرنے کے لئے واقعی اپنی کمر کو کس کر باندھ لیتی۔

☆......☆

"امی! کچھ دن اور رک جاتیں"۔ نانی امی نے جانے کا قصد کیا تو ثمرہ کو اپنے اعصاب پر سکون محسوس ہوئے۔

"بس بچی! رسوں جکڑے اب نہیں ٹھہرے"۔

(چاہے کچھ بھی ہو اب تو جانا ہی ہے)۔

"نانی! میں آپ کو بہت یاد کروں گی"۔ جاتے سمے ثمرہ ان سے لپٹ گئی۔

"ارے بچی! تو میرے دل کا چین اور میری نور العین ہے۔ اللہ تجھے ہمیشہ سکھی رکھے"۔ نانی نے اس کا ماتھا چوما۔ اپنی تمام تر حماقتوں کے باوجود اپنی یہ نواسی انہیں جان سے بڑھ کر عزیز تھی۔ ثمرہ نانی کو رخصت کر کے پلٹنے لگی۔

"ارے! آپ لوگ ادھر کیا جھانک رہے ہیں۔ او...... او...... آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ نانی کے جانے کے بعد میں بھنگڑا ڈالوں گی تو یہ آپ کی مس انڈر اسٹینڈنگ (اسے اردو میں پتہ نہیں کیا کہتے ہیں خیر) ہے۔ مجھے نانی کی زبان بے شک سمجھ میں نہیں آتی ہے مگر نانی کی محبت کی زبان، جس کو لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی، کو میں خوب سمجھتی ہوں۔ مجھے اپنی نانی سے بہت محبت ہے، سمجھے آپ"۔ ثمرہ نے ٹھک سے گیٹ بند کرلیا۔

☆......☆

فرح ناز محمد رفیق

افسانہ

پاسِ وفا

"بی بی! یہ نہ کریں آپ کے لئے تو جان حاضر ہے میری"۔ نوردین اپنی بی بی جو کہ اس کی پیر و مرشد کی بیٹی تھیں، آج اس سے التجا کر رہی تھیں، یہ بات اس کے دہل جانے کو کافی تھی۔



"مجھے صرف اس بچے کی زندگی چاہیے میں اس کے ماں باپ کو نہ بچا سکی، اپنے سائبان کو کھو دیا، مگر شاید اسے بچا لوں، اگر تم مدد کرو اسے کہیں چھپا دو، بخت بھائی سے بچا لو وہ نہیں جانتے یہ اس وقت کہاں ہے"۔ عاتکہ باقاعدہ نوردین کے سامنے رو پڑی تھیں۔

"آپ بھروسہ کرو بی بی معراج بابا کو کچھ نہیں ہوگا، یہ میری ذمہ داری ہے"۔ نوردین 15 سالہ لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر اپنی منزل کی جانب بڑھ گیا تھا، بخت گردیزی کے پہنچنے سے قبل معراج کو محفوظ پناہ گاہ مل گئی تھی۔

......☆......

"بخت بھائی"! بریرہ کی طبیعت خراب ہے، وہ اپنے کمرے میں ہیں۔"

عاتکہ نے سر جھکا کر انہیں اطلاع دی تھی بخت گردیزی نے انہیں دیکھنا تک گوارہ نہیں کیا تھا۔ وقت نے ان کے ظلم و رعب و دبدبے پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا، اتنے خاندان اجاڑنے والے کو اپنی بیٹی کی بہت فکر تھی، ڈاکٹر نے ان کے سامنے بریرہ کی رپورٹس رکھیں تھیں یہ ان کے مطابق اسے لیور پرابلم تھا اور بیماری بڑی تو تھی مگر جتنا پیسہ بخت گردیزی کے پاس تھا علاج کوئی مسئلہ نہ تھا، بعد میں بریرہ کی ماں یہ صدمہ نہ سہہ



پائی اور اسی رات ان کا ساتھ چھوڑ گئی، بخت گردیزی کی دولت کی کشش تھی کہ جنازے میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ عاتکہ ان کے سامنے کم ہی آتی تھیں مگر آج سامنا ہونے پر انہوں نے کہا تھا۔

"بخت بھائی! کیا اب بھی آپ کو احساس نہیں ہوا، اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی۔"

"بکواس بند کرواپنی"۔ وہ دھاڑے تھے۔

"اگر تم آج زندہ کھڑی ہو تو صرف بریرہ کی وجہ سے جانے اسے کیا لگاؤ ہے تم سے، آئندہ تمہاری زبان میرے سامنے نہ کھلے"۔ وہ اپنی بڑی بھابھی کو بھی ملازمہ کی طرح ٹریٹ کرتے تھے۔ عاتکہ نے تمام آنسو اس ذات کے سامنے بہادیئے تھے جو خاموشی سے سنتا ہے اور نواز دیتا ہے بریرہ کے خون میں لت پت کپڑے اور نہ رکنے والی کھانسی بخت گردیزی کے دل پر اثر پڑا تھا، خدا کی لاٹھی کی حرکت تھی کہ وہ مفلوج ہو کر رہ گئے تھے۔ عاتکہ نے فوراً بریرہ کو سنبھالا تھا۔

"تائی جان! آپ کے فون کر رہی ہیں"۔ وہ نڈھال سی پوچھ رہی تھی۔

"نور دین میری امانت واپس کرو۔ بخت گردیزی اللہ کی گرفت میں آچکے ہیں، اب جائیداد کا وارث چاہئے بریرہ اور میری بیٹیاں چھوٹی ہیں سمجھ رہے ہونا"۔ عاتکہ نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ رات کو وکیل کے سامنے معراج اس تمام جائیداد کا وارث تھا۔ ہر چیز اس کے نام ٹرانسفر ہو گئی تھی۔

بیگانے رویئے نہ سمجھ سکے۔

"معراج! اس سے نرمی سے بات کیا کرو، جانتے ہو اس کی طبیعت خراب رہتی ہے، اور پھر وہ عادی بھی نہیں ہے نفرتوں کی"۔ عاتکہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

"آنی! عادت تو کسی کی بھی نہیں ہوتی، مگر ڈالنی پڑتی ہے، جیسے میں نے ڈالی آپ اور آپ کے بچوں نے ڈالی۔ ابھی اس کے ساتھ کچھ ہوا بھی نہیں ہے ورنہ جو اس شخص نے ہم سب کے ساتھ کیا اس کے ریٹرن میں تو اسے......" ایک چھناکے سے اس نے گلاس پھینکا تھا، عاتکہ دہل گئی تھیں۔

"معراج! جو انہوں نے کیا، اگر ہم بھی وہی کریں تو کیا فرق ہوگا ہم میں اور ان میں، کیا فائدہ میری تربیت اور قربانی کا، خبردار جو اسے کچھ کہا مجھے وہ بھی اتنی ہی عزیز ہے، جتنے کہ تم آج اگر میں اور میرے بچے زندہ ہیں، تو اسی کی معصوم التجاؤں کے سبب"۔ عاتکہ نے سختی سے کہا تھا۔

"کوئی اس کی وجہ سے نہیں سب اللہ کا کرم ہے ویسے بھی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے اسے کچھ کرنے کی، اس کے چہرے میں مجھے بخت گردیزی بدرجہ اتم دکھتا ہے اور میں ایسے بے ضرر مجبور لوگوں پر اپنی نفرت بھی ضائع نہیں کرتا، جو خود قابل رحم ہوں"۔ سفاکی سے کہتا وہ اٹھ گیا تھا عاتکہ نے آگے بڑھ کر وحشت زدہ کھڑی بریرہ کو گلے لگایا تھا۔

......☆......

"بریرہ! یہ دودھ ختم کرو، دیکھو انابیہ اور عمیرہ نے کب کا پی لیا"۔ عاتکہ نے اسے ڈانٹا تھا، تبھی معراج ڈائننگ ہال میں آیا تھا، بریرہ بھی انابیہ عمیرہ کی طرح بھاگ کر اس تک گئی تھی، مگر اس کی سرد نظروں سے سہم کر رک گئی تھی، جو صرف بریرہ کے لئے تھیں، ان چند ماہ میں معراج کی طرف بڑھنے پر اسے سوائے غصے کے کچھ نہ ملا تھا۔ معراج کے بیٹھتے ہی وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ ایک کالج گرل اتنی ناسمجھ نہیں تھی کہ سرد اور

......☆......

وقت کا کام گزرنا تھا سو گزر گیا۔ بریرہ کا علاج مکمل ہو چکا تھا عاتکہ نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، مگر بخت گردیزی کی نفرت صرف گھر تک محدود نہ تھی، کئی لوگوں سے ان کی دشمنی اب معراج بھگت رہا تھا، اس نے انابیہ عمیرہ اور بریرہ کے لئے گارڈز رکھے تھے کہ بخت گردیزی کو نہیں مگر معراج کو اپنی عزت بہت پیاری تھی، وہ تینوں گریجویشن کے بعد بور ہو رہی تھیں، عاتکہ نے علاقے میں ایک اسکول کھولا تھا، معراج اپنے کاموں

میں بڑی رہتا تھا۔

"بھائی ایک کام ہے آپ سے"۔ عبیرہ نے آفس جاتے اسے روکا تھا۔

"نہیں یار! تمہیں پھر کوئی شاپنگ کرنی ہوگی"۔ معراج عاجز تھا اس کی شاپنگ سے۔

"نہیں ہم بور ہو رہے ہیں امی نے اجازت دے دی ہے بھائی کیا ہم بھی اسکول جوائن کرلیں پلیز"۔ انابیہ عبیرہ نے ریکویسٹ کی تھی۔

"ہم کون؟"

"ہم دونوں اور بریرہ بھی"۔ دروازے کے پیچھے کھڑی بریرہ پر اس کی نظر بہت بھاری تھی، مگر آنی کی وجہ سے وہ اثبات میں سر ہلا گیا تھا۔

"معراج! یہ خادم کو کیوں لے کر جا رہے ہو تم تو گارڈز نہیں رکھتے اپنے ساتھ"۔ آنی کی بات پر وہ رکا تھا۔

"کچھ نہیں میں آج ملک غضنفر کی حویلی جا رہا ہوں"۔

"معراج! دماغ خراب ہے تمہارا جانتے ہو"۔

"سب جانتا ہوں آنی! کچھ لوگوں کے بھگتان مجھے ہی کاٹنا ہیں اور میرا ضمیر نفرت پھیلانا گوارہ نہیں کرتا۔ بھی محبت کا پیغام دینا چاہتا ہوں آپ دعا کریں کچھ نہیں ہوگا کاش لوگ خود کو خدا نہ سمجھتے"۔ عاتکہ نے بریرہ کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھا تھا۔

"بریرہ! تمہاری طبیعت خراب ہے آج نہ جاؤ"۔

"نہیں تائی جان! کچھ نہیں ہوگا مجھے ابھی بہت کچھ سننا اور دیکھنا ہے اللہ حافظ"۔ آنسو صاف کرتی وہ نکل گئی تھی معراج نے کوئی دھیان نہیں دیا تھا نہ اس پر نہ اس کے آنسوؤں پر، ملک غضنفر کے پورچ میں گاڑی لانا آسان نہ تھا، مگر ان کے بیٹے ملک انصر اور معراج کی یہ مشترکہ کوشش تھی۔ جو یونیورسٹی فیلوز تھے ڈرائنگ روم میں ملک غضنفر کے گارڈز کے نشانے پر معراج تھا اس نے اپنا گارڈ باہر چھوڑ دیا تھا۔

"بابا! انہیں تو باہر بھیجیں"۔ انصر نے گارڈز کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"رہنے دو انصر"۔ معراج نے روک دیا تھا۔

"میں بلا تمہید بات کروں گا کہ قتل کے بدلے قتل بہت ہو گئے میں اور انصر اس روایت اور نفرت کو مزید نہیں بڑھا سکتے۔ پہلا قدم میں اٹھاتا ہوں آپ کو اجازت ہے، اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ میرے قتل سے پورا کر لیجیے، میں شیورٹی دیتا ہوں، اس کے بعد انصر کو میرے خاندان سے کوئی قتل نہیں کرے گا اس طرح یہ دشمنی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی"۔ معراج سنجیدگی سے کہتا ان کے سامنے آرکا تھا۔ جو اس کی ہمت پر دنگ تھے۔

"معراج گردیزی! تم سے کیا بدلہ لینا، تم تو خود بخت گردیزی کے ڈسے ہوئے ہو، تم نے پہل کی تو ہمارا ظرف بھی چھوٹا نہیں، ہم تمہاری محبت کا جواب آگے بڑھ کر دیں گے، میں اپنی بیٹی راحمہ کا تم سے اور انصر کا رشتہ بخت گردیزی کی بیٹی سے کرنا چاہتا ہوں۔ اسے کوئی بدلہ نہ سمجھنا ورنہ میں اپنی بیٹی تمہیں کیوں دیتا"۔

"مجھے منظور ہے آپ باقاعدہ آ کر آنی سے بات کریں، ہم انتظار کریں گے آپ کا"۔ معراج اور انصار خوشی سے گلے ملے تھے۔

......☆......

"معراج! اتنا بڑا فیصلہ ایک بار بریرہ سے تو پوچھ لیتے"۔ عاتکہ پریشان تھیں۔

"آنی! انصر بہت اچھا ہے اگر وہ اس کی جگہ انابیہ عبیرہ کا رشتہ مانگتے تو بھی میں مان جاتا"۔

"تمہاری مرضی مگر میں چاہتی ہوں تم یہ بات ابھی اسکول جا کر بریرہ کو بتا کر آؤ، تاکہ وہ کچھ غلط نہ سمجھے اور یہ میرا حکم ہے"۔

"شام میں ملک صاحب آ رہے ہیں تب کروں گا میں بات اوکے"۔ معراج نے انہیں تسلی دی تھی۔ شام میں وہ اسے لان میں ہی مل گئی تھی اور ورطۂ حیرت میں تھی کہ آج معراج گردیزی نے اسے شرف گفتگو بخش دیا تھا۔

"ڈرائنگ روم میں میرا دوست انصر اور اس کے فادر ہیں تمہارا رشتہ انصر سے طے کیا ہے میں نے جا کر انہیں سلام کر آؤ، باقی کام میرا ہے آنی بھی اندر ہیں"۔ معراج کے حکم پر بریرہ سکتے میں تھی اور دیکھ رہی تھی وہ اتنا ظالم کیوں ہے اور صرف اسی کے لئے کیوں اچھی طرح وہ جانتا ہے ہزار اس کی نفرتوں کے باوجود وہ اپنی سانسوں کے ساتھ اس کا نام لیتی ہے مگر پھر بھی۔

"کیا کہا ہے میں نے سمجھ آیا، تمہیں"۔ معراج نے سنجیدگی سے پوچھا تھا، مگر بریرہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اپنے آنسو صاف کرتی اندر گئی تھی جبکہ معراج باہر ہی رہا تھا، 5 منٹ بعد وہ باہر آئی تھی راہداری سے اس کے سامنے سے گزرتی فقط ایک پل کو رکی تھی۔ کیا کچھ نہ تھا اس کی نظروں میں آنسوؤں کے سوا بے چارگی التجا شکوہ اپنی مرضی سے اپنی زندگی اور محبت کسی کو دان کر دینا معراج کو اس کے دل پر گرتے آنسو نظر آرہے تھے، اس پل معراج کی حالت بہت بری تھی، یہ جان کر کہ صرف وہ ہی نہیں بریرہ بھی اس کے دل کے حال سے واقف ہے وہ نظریں چراتا اندر چلا گیا تھا۔

☆......

شادی کے قریب آتے ہی بریرہ کی حالت بری ہو رہی تھی، عاتکہ نے معراج کے آگے سوال اٹھایا تھا۔

"آنی! آپ جانتی ہیں میں زبان دے چکا ہوں، ٹھیک ہے میں مکر جاتا ہوں، مگر ملک حویلی سے آنے والی میرے نام کی کسی گولی پر آپ کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ بات اب بیٹی ذات اور عزت کی ہے"۔ معراج نے سفاکی سے حقیقت بتائی تھی۔

"تائی جان آپ نے مجھے بارات کا سوٹ نہیں دیا، چیک کرنے کو وہ دے دیں"۔ عاتکہ کے کچھ کہنے سے قبل بریرہ نے باہر آ کر بات ختم کر دی تھی۔ اس کے ساتھ نہ سہی مگر جیتا رہے اس کی موت تو بریرہ نے بھی نہیں چاہی تھی۔ رات کو معراج نے موبائل پر راحمہ کی کال ریسیو کی تھی۔

"معراج! میرے پاس وقت کم ہے میرا رشتہ بچپن سے میرے کزن سے تھا مگر آپ کی کوشش پر بابا نے میرا بھی خیال نہ کیا، پلیز کچھ کریں آپ معراج، ورنہ بعد میں بھی آپ کو مجھ سے شکایت رہے گی"۔

"خاموش ہو جاؤ راحمہ جو ہو رہا ہے ہونے دو، مجھے تم سے بھی کوئی شکایت نہیں ہوگی بعد میں بھی کہ ہر انسان کو محبت نہیں مل جاتی، ڈھول ہوتا ہے اس عشق کے پیچھے پھر بھی خالی ہاتھ رہتا ہے۔ بہت رات ہو گئی ہے آرام کرو جا کر"۔ جانے معراج کے لہجے میں کیا ٹوٹ کر بول رہا تھا، رات کے اس پہر شاید دل۔

☆......

دونوں بارات ایک ہی ہال میں آئی تھیں، رات کے 11 بجے تک ملک حویلی سے کوئی نہیں آیا تھا، اب معراج بھی پریشان تھا، بار بار کی کال کے بعد انصر نے کال اٹھائی تھی۔

"کہاں ہو یار! تم؟" معراج بے قرار تھا۔

"سوری معراج! میں بریرہ سے شادی نہیں کر سکتا، میں ایک بیمار لڑکی کے ساتھ"۔

"انصر! وہ اب بالکل ٹھیک ہے تم جانتے ہو اور تمہاری سوچ کب سے؟" معراج کی بات سے قبل ہی انصر نے موبائل آف کر دیا تھا۔ عاتکہ سر تھام کر رہ گئی تھیں۔ مہمان بھرے پڑے تھے، بریرہ کی خاموشی اس خبر کے بعد بھی نہیں ٹوٹی تھی، لیکن عاتکہ کے اعلان کے بعد بریرہ کے ساتھ معراج بھی ہل گیا تھا۔

"آنی! میں نہیں کر سکتا یہ"۔

"معراج! رتی برابر میری عزت کرتے ہو تو بریرہ سے نکاح کر لو، مان جاؤ"۔

"تائی جان! میں ہاتھ جوڑتی ہوں پلیز میں خوشی خوشی مر جاتی ہوں، مگر یہ نہ کریں میرے ساتھ"۔ بریرہ تڑپ اٹھی تھی۔

"ٹھیک ہے جو تم دونوں کی مرضی بڑے ہو گئے ہو اب میری ضرورت نہیں رہی"۔ عاتکہ کے روم سے جانے سے پہلے بریرہ نے انہیں روک لیا تھا، پھر وہی ہوا جو قسمت تھی نکاح کے بعد معراج تو ہال سے ہی چلا گیا

اور بریرہ عاتکہ کے گلے لگ کران کی باہوں میں جھول گئی، اسے ہاسپٹل میں ٹریٹمنٹ دی گئی معراج سب کو لے کر گھر پہنچا تو غضنفر صاحب اور انصر کو دیکھ کر سب چونک پڑے معراج انصر کی طرف بڑھا تھا مگر ملک غضنفر نے روک لیا۔

"میری بات سنو بیٹا! انصر نے جو کیا وہ سب جھوٹ تھا، غلطی میری تھی مجھ سے راحمہ کی حالت نہیں دیکھی جاتی تھی، مگر زبان سے بھی پھر نہیں سکتا تھا، جب میں نے غور کیا تو حالت تو تمہاری بھی راحمہ سے بدتر تھی تب میں نے معلوم کروایا تو پتہ چلا کہ تم بھی تو اسیر عشق ہوا ور تم جیسے پیارے بیٹے کے ساتھ میں ناانصافی نہیں کر سکتا تھا۔ وقتی پریشانی ہوئی مگر 5 زندگیاں برباد ہونے سے بچ گئیں جس کے عوض مجھے معاف کر دو بیٹا"۔

"انکل پلیز! یہ نہ کریں، جو ہونا تھا ہو گیا"۔ معراج خود کو کافی ہلکا محسوس کر رہا تھا کئی دنوں کا تناؤ ختم ہوا تھا۔ انصر نے اس کی خبر لی تھی۔

"مگر انکل! آپ کو یہ سب بتایا کس نے؟" معراج کو تجسس تھا۔

"نہیں بھئی ہمارے جاسوس کو خطرہ ہے، ہم نام نہیں بتا سکتے مگر انعام کے طور پر انصر اسے دیتے ہیں۔ عاتکہ بہن میں عبیرہ کے لئے انصر کا رشتہ دیتا ہوں، آپ کو قبول ہے؟"

"جی مجھے منظور ہے راحمہ جائے گی تو عبیرہ کی صورت مجھے بیٹی مل جائے گی"۔ ملک غضنفر نے کہا تھا اور اس منظر میں عبیرہ کا غائب رہنا اور انصر کا مسلسل میسج پر رہنا اب معراج کو سمجھ آیا تھا، تبھی اس کے گھورنے پر انصر کے ہاتھ سے موبائل گر گیا تھا، سب ہنس پڑے تھے۔

"معراج بھائی! اب شرافت سے ہمیں تنگ دیں اور کمرے میں جائیں، بریرہ بھابھی کی طبیعت بھی خراب ہے، آپ کو پتا ہے"۔

"اور دماغ بھی"۔ انابیہ کی بات کاٹ کر آخری جملہ کہا تھا اور اپنا والٹ اس کے ہاتھ پر رکھ کر کمرے میں گیا تھا، وہ بغیر جیولری کے برائیڈل ڈریس میں تھی، شاید معراج کو ایکسپیٹ نہیں کر رہی تھی تبھی فوراً دوپٹہ سنبھالا۔ وہ آرام سے اس کے مقابل بیٹھا تھا اور کمرے میں غزل گونجی تھی۔

"شب وصل بھی ہے حجاب اس قدر کیوں
رخ سے آنچل اٹھا کر تو دیکھو"

غزل کا گلا بریرہ نے گھونٹ دیا تھا اور تمام سی ڈیز اٹھا کر پھینک دی تھیں، کمرے کا حشر بگاڑ دیا تھا تب جا کر معراج نے اسے تھاما تھا۔

"نکال لیا اپنا غصہ، اپنے دل پر کوئی بوجھ نہ رہنے دینا"۔

"میں بھر پائی آپ کی محبت اور وفا سے، بہت عظیم ہیں نا آپ معراج گردیزی جو مجھے بھیک میں محبت دے دی اور دعویٰ ہے پاس وفا کا"۔ وہ بری طرح چیخ گئی تھی، معراج اس کے قریب آیا تھا۔

"محبت بھیک میں نہیں دی جاتی، اگر ایسا ہوتا تو تم یہاں نہیں انصر کے پاس ہوتیں۔ میں نے تو دان کرنا چاہی تھی مگر اللہ کو پسند نہیں ہے، عشق خیرات کی طرح بانٹا جائے عشق تو عطا ہے اس رب کی اس عشق کا ثبوت یہ دنیا ہے جو ہوا اور جن حالات میں تم جانتی مگر اب جو ہوگا وہ میں جانتا ہوں کسی مفتوح علاقے کی رعایا کی طرح ہو تم میرے لئے فتح کیا ہے میں نے تمہیں اور مفتوحین کے ساتھ کیا ہوتا ہے، اگر تم نہیں جانتی ہو تو میں بتاؤں گا تمہیں"۔ معراج کی غراہٹ اور اچانک بدلنے والے انداز پر بریرہ سہم کر پیچھے ہوئی تو سر دیوار سے جا ٹکرایا اور معراج اس کی شکل دیکھ کر ہنس پڑا۔ اس کی شرارت سمجھ کر بریرہ نے کشن کھینچ کر مارا تھا، جسے معراج نے بخوشی قبول کیا اور دونوں مل کر ہنس پڑے تھے۔ باہر نیو ایئر کی خوشی میں فائر ورک ہوا تھا۔

"میں نے کبھی نیو ایئر نہیں منایا، مگر آج دل کہہ رہا ہے واقعی یہ خوشی کا سال ہے، ہیپی نیو ایئر"۔ معراج کی سرگوشی پر وہ مسکرائی تھی اس کی مسکراہٹ پر فضا بھی رنگین تھی۔

......☆......

افسانہ

راز کی بات

رات بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ نیناں کی آنکھوں سے نیند بہت دور تھی۔ بہت دیر وہ بکس پڑھتی رہی۔ پھر بھی ناکام رہی تو اٹھ کر اپنی دادو کے پاس آ گئی۔

''دادو! مجھے نیند نہیں آ رہی مجھے کوئی اچھی سی کہانی سنا دیں۔''

''تو ابھی تک تم کیا پڑھ رہی تھیں؟''

''دادو! وہی ہانیہ اور حریم کا قصہ، بہت دلچسپ ہے دادو، کاش میرے ساتھ بھی کوئی ایسا واقعہ ہو جائے۔ دادو کیا آپ کے زمانے میں کچھ ایسا ہوا جیسا ہانیہ کے افسانے میں ہوا میں نے آپ کو پڑھ کر سنایا تھا ناں؟'' وہ بولی۔

''ہاں بیٹا! ہانیہ اور حریم کی کہانی بالکل سچی ہے ایسا ہی ہوتا ہے کبھی کبھی۔''

''تو دادو! پھر آپ بھی مجھے سنائیں کوئی ایسی ہی کہانی۔''

''دیکھو نیناں! تم سو جاؤ تمہیں نیند آ رہی ہے۔''

''نہیں دادو!'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''چلو اچھا میں سناتی ہوں لیکن تم فوراً لحاف میں لیٹ جاؤ سردی بہت ہے جنوری کا پہلا ویک ہے اور تم بنا سویٹر کے سو رہی ہو۔''

''دادو! آپ یقین کریں مجھے نیند نہیں آ رہی۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ گھوڑے پر بیٹھ کر کہیں دور چلی جاؤں۔''

''کیوں بھئی تمہارے دماغ میں ایسی سوچ کیوں آئی؟''

''بس دادو! دل چاہ رہا ہے۔ میں گھوڑے پر سوار دوڑتی چلی جاؤں اور میرے بال لہراتے جائیں۔''

''کیوں بھئی ایسا کیوں؟'' دادو کو ہنسی آ گئی۔

''واہ بھئی واہ تم لیٹو میں تمہیں کہانی سناتی ہوں۔ تو سنو! یہ کہانی بہت پرانی ہے مجھے بھی میری دادی نے سنائی تھی ہم ڈھیر سارے کزنز نانی کے لحاف میں گھس جاتے تھے اور پھر جو کہانی سننے کا مزہ آتا تھا پوچھو مت یہی ایک تفریح تھی۔''

''تو جلدی سنائیں ناں۔'' دادو سے وہ مچل کر بولی۔

''اچھا بابا اچھا، بہت دنوں کی بات ہے کسی ملک کی شہزادی تھی وہ بہت حسین و خوب صورت تھی اسے تیراکی کا بہت شوق تھا۔''

''دادو! سوئمنگ ناں۔'' وہ بیچ میں پھر بول پڑی۔

''دیکھو نیناں! چپ ہو جاؤ ورنہ میں بھول جاؤں گی۔''

''اوکے دادو، اوکے سوری۔''

''سونے جیسے بالوں والی شہزادی ایک دن دریا کے کنارے تیراکی کے لیے چلی گئی۔ ساتھ میں اس کی کنیزیں بھی تھیں۔ شہزادی اپنے بالوں کی بڑی حفاظت کرتی تھی۔ کنگھا وہ اس طرح کرتی کہ اوپر

یسے شروع کرتی اور آخر تک دھیرے دھیرے جاتی تھی یوں نہیں کہ بالوں کو ہوا میں اڑا اڑا کر نوچ رہی ہو۔ ایک خادمہ نے دیکھا کہ شہزادی کا ایک بال پانی میں گر گیا ہے۔ دیکھو میرا بال اٹھاؤ اور اسے کسی پتے میں اٹھا کر ڈال دو تا کہ یہ زمین میں نہ گرے۔ خادمہ نے ایسا ہی کیا اور شہزادی واپس گھر لوٹ گئی۔

اب اتفاق کہیے کہ شہزادہ گھڑسواری کے لیے اسی دریا کے کنارے سے گزرا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی رفتار آہستہ کی اور اتر کر کھڑا ہو گیا۔

''جاؤ دیکھو یہ پتے کے اندر کیا چمک رہا ہے۔'' اس نے اپنے خادم سے کہا۔

خادم دوڑ کر گیا اور پتے کو اٹھا کر لے آیا۔

''حضور یہ تو کسی کا بال ہے۔'' خادم بولا۔

''بال ہے؟'' شہزادے نے چونک کر دیکھا۔

''وہ خود کتنی خوب صورت ہو گی جس کا یہ بال ہے'' شہزادے نے دل میں سوچا۔

شہزادہ بال کو دیکھتا رہا۔ پھر بڑی حفاظت سے اسے اپنے ساتھ لے آیا اور ایک ہنگامی اجلاس میں اس نے یہ بات بتائی کہ وہ اسی شہزادی سے شادی کرے گا جس کا یہ بال ہے۔ پورے شہر میں منادی کرا دی گئی کہ جس کا یہ بال ہے وہ محل آ جائے۔ شہزادہ اس لڑکی سے شادی کرے گا۔ بڑی مشکل ہو گئی شہزادہ بیمار پڑ گیا شہزادی آج ملی نہ کل۔ شہزادے کی ماں کو بھی اس بات کی خبر ہو گئی ماں نے بھی اس بال کو دیکھا تو وہ دھک سے رہ گئی۔

''او خدایا یہ تو میری بیٹی کا بال ہے۔ شہزادہ بہت ضدی ہے وہ کسی حال میں نہیں مانے گا۔''

ہندوؤں کے رسم و رواج کے مطابق بہنیں بھائیوں کے سامنے نہیں آتی تھیں اس لیے شہزادہ نہیں جانتا تھا کہ میری بہن اتنی خوب صورت ہے۔ یہ خبر شہزادی تک پہنچی وہ بھی سن کر حیران ہوئی کہ ہر حالت میں اس کا بھائی اس سے شادی کرے گا۔

ان کے رسم و رواج کے مطابق بھی بہن بھائی کی شادی نہیں ہو سکتی تھی لیکن شہزادہ آتش پرست تھا اس کے نزدیک اس رشتے کی کوئی اہمیت بھی نہیں تھی۔ ماں نے بہت سمجھایا کہ ایسا ممکن نہیں۔ شہزادے نے اپنی جان دینے کی دھمکی دے دی تو ماں مجبور ہو گئی اور سبھی لوگ مان گئے مگر شہزادی نہ مانی جب سارے شگن کی تیاریاں ہو گئیں، پھول اور مٹھائی کے ٹوکرے گھر کے اندر آ گئے تو سونا شہزادی صحن میں لگے ہوئے چندن کے پیڑ پر جا کر بیٹھ گئی۔ رسم کرنے کا وقت آیا تو ماں ڈھونڈتی ہوئی چندن کے پیڑ کے پاس پہنچی تو دیکھا کہ سونا اوپر بیٹھی ہوئی تھی۔ سارے پھول اور مٹھائیاں چندن کے پیڑ کے نیچے رکھ دیئے گئے۔ ماں نے بڑے پیار سے سونا کو آواز دی۔

سوناری سونا اتر کیوں نہ آ
دیکھ ڈلین دھرے پھول کملائے

تو سونا نے وہیں سے پلٹ کر ماں کو جواب دیا۔

اماں پہلے تھیں تم میری ماں
اب بن جاؤ گی ساسو ماں
چندن پیڑ وا بڑھ کیوں نہ جائے

تو پیڑ اور اوپر چلا گیا۔ دراصل یہ پیڑ سونا نے خود لگایا تھا وہ اس کے سائے میں کھیلتی تھی۔ اسی طرح سے بہن آئی اس نے بھی گا کر کہا۔

سوناری سونا اتر کیوں نہ آ
ڈلین پھول دھرے کملائے

سونا نے بھی اس کو وہیں سے وہی جواب دیا

سن میری بہنا
پہلے تھی تو بہنا میری
اب بنے گی نند میری
چندن پیڑ وا تو بڑھ کیوں نہ جائے

ایسے میں چندن پیڑ اور اوپر چلا گیا۔ اسی طرح

سے ہر رشتے دار آتا گیا اور وہ انکار کرتی گئی۔ آخر کار شہزادہ خود اٹھ کر آیا کہ میں دیکھتا ہوں وہ کیسے نہیں نیچے اترتی۔ شہزادہ تلوار کھینچ کر بولا۔

سوناری سونا اتر کیوں نہ آئے
دیکھو سارے پھول دھرے کملائے

تبھی سونا بولی۔

بھیارے میری بھیا
پہلے تھے تم میرے بھیا
اور اب بن گئے سیاں میرے
چندن پیڑ وا پھٹ کیوں نہ جائے

پھر درخت کے دو ٹکڑے ہو گئے اور شہزادی اس کے اندر چلی گئی۔

''نیناں ......نیناں سنی تم نے کہانی لیکن نیناں گہری نیند سو چکی تھی۔

تیز سمندر کے پانی میں نیناں شہزادے کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھی تھی اور اس کے لمبے لمبے بال ہوا میں اڑ رہے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ سارے گولڈن ہو گئے۔ نیناں اڑتے اڑتے ایک جزیرے پر اتر گئی۔ نیناں سے شہزادہ وعدہ کر کے گیا کہ میں تمہارے لیے ایک اچھا سا گفٹ لے کر آتا ہوں۔ شہزادہ نیناں کے لیے بہت خوب صورت سا ڈبہ لے کر آیا تھا۔

''کھول کر تو دیکھو تمہارے لیے سرپرائز ہے۔'' شہزادہ بولا۔

نیناں نے کھول کر دیکھا بہت خوب صورت سچے موتیوں کا سیٹ تھا۔ نیناں نے اسے اٹھا کر دور پھینک دیا۔

''مجھے یہ نہیں چاہیے۔ میں تم سے دوستی نہیں کر سکتی۔''

شہزادہ اسی وقت پھر دوڑ کر گیا اور پھر ایک گفٹ لے آیا کہ یہ تو تمہیں پسند آئے گا۔ نیناں نے اس کو کھول کر دیکھا تو اس میں بہت سے پرفیوم تھے۔ نیناں نے وہ بھی اٹھا کر پھینک دیئے۔

''تم اپنی محبت کی آزمائش پر پورے اترو گے تو میں تمہارے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ کر جاؤں گی ورنہ میں اسی ٹیلے پر بیٹھی رہوں گی۔'' شہزادہ پھر مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔ پھر وہ تھوڑی دیر بعد واپس آیا اور نیناں سے بولا۔

''اس بکس کو بھی تم کھول کر دیکھ لو۔'' جونہی اس نے کھول کر دیکھا۔

''واؤ......'' نیناں کی چیخیں نکل گئیں۔ شہزادہ دونوں گھٹنوں پر نیناں کے آگے جھک گیا۔ نیناں نے ''لائف بوائے شیمپو'' کی بوتل دیکھی تو وہ ہوا میں اڑنے لگی۔ شہزادہ اس کے پیچھے پیچھے بھاگا مگر اسے یوں لگ رہا تھا کہ وہ اڑ کر گھر چلی جائے گی۔

''جس کی مجھے تلاش تھی مجھے وہ خزانہ مل گیا۔ اب میں یہ تمہیں نہیں دوں گی۔ نہیں دوں گی۔'' وہ نیند میں دادو کو دھکے دینے لگی۔

''کیا ہوا نیناں! چھوڑو میرا ہاتھ۔'' دادو گھبرا کر بیٹھ گئیں۔

''تم ٹھیک تو ہو نیناں۔'' دادو نے پوچھا۔

''جی دادو! میں خواب میں شہزادے کے ساتھ گھوم رہی تھی اور اس نے مجھے بہت خوب صورت گفٹ بھی دیا، دکھاؤں دادو؟'' اس نے پلٹ کر دیکھا مگر وہاں کچھ نہ تھا۔

☆......☆

صبح ہوئی تو نیناں بہت اداس اداس اور تھکن سے چور تھی۔ ہر وقت اس کو ہوا میں اڑتا ہوا شہزادہ نظر آتا اور پھر ایک پل میں غائب ہو جاتا۔ اس نے ملازم کو آواز دی اور پرچے میں کچھ لکھ کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

ملازم تھوڑی ہی دیر میں شاپر میں مطلوبہ چیز لے کر حاضر ہوا۔

''امی! مجھے بہت دیر ہو گئی دو بجے مجھے کالج کی

ڈبیٹ میں شامل ہونا ہے اگر میں نہ پہنچی تو اچھا نہیں ہوگا۔" وہ جلدی سے شاور لے کر باہر آئی اور اپنے گیلے بالوں کو کنگھا کرتے سوچ رہی تھی میں کیوں دادو سے کہانی سننے بیٹھ گئی اب کیا ہوگا۔ ایشل اور حریم تو آج کی ڈبیٹ جیت جائیں گی میں نے تو کوئی تیاری بھی نہیں کی۔ خیر اللہ مالک ہے جو ہوگا دیکھا جائے گا مجھے انعام کا لالچ نہیں۔" جب وہ اپنے کالج پہنچی تو وہاں بہت گہما گہمی تھی۔ سب اپنی اپنی اسپیچ پر آخری نظر ڈال رہے تھے۔ وہ ڈرتے ڈرتے ان لوگوں میں شامل تو ہوگئی مگر اسے معلوم تھا کہ وہ آج ون نہیں کر سکے گی۔ اس کو دیکھ کر حلقہ احباب نے تالیاں بجائیں۔ جب وہ لڑکے اور لڑکیوں سے بات کر رہی تھی تو وہ خود کو خود اعتماد محسوس کر رہی تھی۔ جب وہ اسٹیج پر آئی تو دونوں لڑکیاں اپنی باری پر بول نہ سکیں اور نیناں کا دل چاہ رہا تھا کہ آج وہ بولتی رہے لیکچر دیتی رہے پھر اچانک نیناں نے اسٹیج پر آکر بڑی دھواں دھار تقریر کی صحت صفائی اور تندرستی پر بڑے اچھے پوائنٹ دیئے۔ مجمع میں سے مسلسل آوازیں آرہی تھیں۔

"آپ کے بال بہت خوب صورت ہیں اس پر کچھ کمنٹ دیں۔" مجمع سے پھر آواز آئی۔

"آپ کے بالوں کا راز کیا ہے؟" مجمع میں بڑی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔

کالج کی ٹیچر نیناں کے قریب آگئی۔

"کیا کر رہی ہو نیناں! تمہارا ٹاپک صحت و صفائی پر تھا اور یہاں مسلسل آوازیں آرہی ہیں سب لوگ تمہارے بالوں کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔"

"میم! میں کیا کہہ سکتی ہوں دوسری گرلز ناراض ہو کر اسٹیج سے اتر کر چلی گئی ہیں اور تمام سوالات مجھ سے کیے جا رہے ہیں۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا میں سنبھال لوں گی۔" نیناں مجمع سے پھر مخاطب ہوئی۔

"آپ لوگ شور نہ کریں خاموش بیٹھیں تو میں یقیناً آپ کو اپنے بالوں کا راز بتا دوں گی۔ دیکھیں جب ہم کسی بھی شیمپو کو استعمال کرتے ہیں تو اس کے معیار کو ذہن میں رکھتے ہیں۔ خاص طور پر میں تو برانڈڈ لائٹ خوشبو والا شیمپو استعمال کرتی ہوں۔ میرے بال جگہ جگہ سے ٹوٹے اور رف تھے میں بہت نروس رہتی تھی۔ کئی پروڈکٹ کو میں نے آزمایا پر سب ناکام اور میں اداس رہتی تھی۔ ہانیہ بھابی نے مجھے بتایا کہ اچھا برانڈڈ شیمپو لینا ہے تو یہ والا لو تو میں لے آئی مگر دل بجھا بجھا سا تھا۔ میں نے اسے بالکل استعمال نہیں کیا۔ پھر کچھ دن پہلے ہی میں نے اس کو آزمانے کے لیے استعمال کیا۔ پھر اس کا جادو چل گیا بال میرے کچھ سے کچھ ہوگئے۔ ہر شخص مجھ سے اس کا راز پوچھ رہا ہے۔"

پھر تھوڑی دیر بعد جب پرائز ٹرافی اناؤنس ہوئی تو نیناں کو پہلا انعام ملا تھا بالوں کی صحت و صفائی پر۔

پھر چند فوٹو گرافر اس کی جانب بڑھے جو اس کی کامیابی کا راز پوچھ رہے تھے۔

نیناں نے اپنی کامیابی کا راز لائف بوائے شیمپو کو بتایا۔

"میں جب سے لائف بوائے شیمپو استعمال کر رہی ہوں میں نے محسوس کیا ہے کہ میں پہلے سے زیادہ خود اعتماد ہوگئی ہوں اور میرے بالوں کی خوب صورتی دلکشی بڑھ گئی ہے اور میرا ماننا ہے کہ تمام لوگوں کو اسے استعمال کرنا چاہیے کہ یہ سب کی لائف بدل دے گا۔" یہ کہتی ہوئی وہ تیزی سے باہر کی جانب بڑھ گئی اسے گھر جانے کی جلدی تھی تاکہ وہ اپنی ٹرافی اپنی دادو کو دکھا سکے۔

......☆......

دانیہ آفرین

افسانہ

روشنی کا ایک نیا سفر

اس نے الجھن سے آنکھیں کھولیں قریب پڑا موبائل مسلسل وائبریٹ ہو رہا تھا، منال نے فون اٹھایا اور مندی مندی آنکھوں سے میسج پڑھنے لگی، میسج پڑھ کر اس نے موبائل سائیلنٹ پر لگایا اور ایک ناگوار نگاہ اس پر



ڈالتی ہوئی خود سے دور رکھ کر منہ پر چادر اوڑھ کے دوبارہ سوگئی۔

"منال سات بج گئے ہیں بیٹا! جلدی سے اٹھ جائیے"۔امی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے اٹھایا۔

"جی امی! اٹھ رہی ہوں۔" منال نے آنکھیں کھول کر ماں کو جواب دیا۔ نعیمہ اسے اٹھا کر کچن میں ناشتے کی تیاری کے لئے چلی گئیں، امی کے جانے کے بعد اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور رات ساڑھے تین بجے حرا آپی کے آئے ہوئے میسج پڑھنے لگی۔ رات میں اس نے پہلا میسج پڑھتے ہی غصے سے موبائل رکھ دیا تھا، منال نے حرا کے میسجز اور Whatsupp پر بھیجی گئیں تصویریں ایک نظر دیکھیں پھر سر جھٹکتے ہوئے بیڈ سے اٹھ گئی۔ صبح کی تازگی کو اپنے اندر اتارتی آسمان پر چھائے بادلوں کو دیکھتی وہ کسی گہری سوچ میں تھی، جب بابا نے اسے مخاطب کیا۔

"بیٹا! آپ کی چھٹیاں کب سے ہیں؟"

بابا نے گاڑی چلاتے ہوئے اس سے پوچھا۔



''پرسوں سے ہیں بابا!'' منال نے ان کی طرف مڑ کے جواب دیا۔ اس کے جواب پر بابا نے سر ہلایا اور پھر سے گاڑی چلانے میں مصروف ہوگئے، پھر منال بھی اپنا من پسند کام کرنے خاموشی سے کبھی آسمان کو تکنے اور کبھی سڑک پر بھاگتی گاڑیوں کو دیکھنے میں مصروف ہوگئی۔ صبح کا منظر اور اس کی خوبصورتی کو اپنے اندر اتارنے سے اسے خاصی طمانیت ملتی تھی۔

منال بیگ، نعیمہ اور وحید بیگ کی اکلوتی اولاد تھی دونوں نے اسے بہت لاڈ سے پالا تھا۔ ان دونوں کے آنگن کا یہ خوبصورت پھول ان کی کل متاع تھا۔

''اف ایک تو ڈاکٹر عمیر پتہ نہیں کیا پڑھاتے ہیں کچھ سمجھ نہیں آتا۔'' اس نے دل میں سوچتے ہوئے لیکچر ہال پر نظر دوڑائی اپنے اردگرد بیٹھے سبھی اسٹوڈنٹس اسے ضبط سے لیکچر سننے کی کوشش کرتے نظر آئے۔ کلاس کا جائزہ لینے کے بعد اس نے بھی اپنی توجہ ڈاکٹر عمیر کی طرف مرکوز کی اور خود بھی لیکچر سننے کی کوشش کرنے لگی۔

کلاس کے بعد منال کیفے چلی آئی، تاکہ چائے کے ذریعے نیند کو بھگا سکے ابھی 3 لیکچرز مزید باقی تھے اور ان میں جاگتے رہنے کے لئے چائے پینا بہت ضروری تھا۔

چائے پیتے ہوئے اس نے اپنا موبائل چیک کیا تو حرا آپی کے پھر میسجز آئے ہوئے تھے جن میں یہ دریافت کیا گیا تھا کہ اس نے نعیمہ خالہ کو تصویریں دکھادیں؟ منال کا میسج پڑھ کے خون کھول گیا ایک تو اللہ اللہ کر کے ڈاکٹر عمیر کی کلاس ختم ہوئی تھی، اوپر سے حرا آپی میسجز پر میسجز کر رہی تھیں۔ اس نے جھنجلا کر تیز تیز انگلیاں چلاتے ہوئے اپنے اسمارٹ فون پر میسج ٹائپ کیا اور حرا کو بھیج دیا جس میں لکھا تھا۔

''میں اس وقت یونیورسٹی میں ہوں اور اب کوئی بھی مجھے میسج یا کال کر کے ڈسٹرب نہ کرے۔''

جلدی جلدی چائے ختم کر کے وہ اپنا بیگ، نوٹ بک اور موبائل اٹھا کر کیفے سے نکلنے لگی کہ ایک بار پھر اس کا موبائل وائبریٹ ہوا اس نے میسج کھول کر دیکھا تو اس میں حرا نے ٹیڑھے منہ والے Smiley فیس کے ساتھ ''اوکے'' لکھا ہوا تھا اس نے میسج ڈیلیٹ کیا اور سر جھٹک کر اگلی کلاس لینے چلی گئی۔

......☆......

''منال بیٹا! چائے لے لیجئے۔'' نعیمہ چائے ٹیبل پر رکھ کے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''منال سموسے ٹھنڈے ہو رہے ہیں بیٹا۔''

نعیمہ نے جب اسے ہنوز اپنے کام میں مصروف دیکھا تو ہلکی سی خفگی سے کہا۔

''امی! بس ایک منٹ یہ فائل کمپلیٹ ہوجائے تو آتی ہوں۔''

امی کو کہہ کر وہ جلدی جلدی لیپ ٹاپ پر انگلیاں چلانے لگی، دو منٹ بعد بکھرے ہوئے پیپرز سمیٹ کر لیپ ٹاپ بند کر کے وہ امی کے پاس صوفے پر آکے بیٹھ گئی۔

''منال! آج حرا کا فون آیا تھا۔''

نعیمہ نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اس کی طرف کھوجتی نظروں سے دیکھا۔

''حرا بتا رہی تھی اس نے تمہیں کچھ پکچرز بھیجی ہیں مجھے دکھانے کے لئے۔'' نعیمہ کچھ توقف سے گویا ہوئیں۔

''حرا آپی سے صبر نہیں ہوا، پتہ نہیں ان لوگوں کو آخر اتنی بے چینی کیوں ہے، مجھے سمجھ نہیں آرہا شادی فہد بھائی نے کی ہے، پریشان حنا خالہ کو ہونا چاہئے، مگر یہاں ان سے زیادہ پورا خاندان دکھ و رنج میں مبتلا ہے۔'' منال غصے سے کہتی ہوئی اٹھی بیڈ سے موبائل اٹھا کر پکچرز کھول کر اس نے موبائل نعیمہ کو دے دیا۔

''امی! آپ پلیز اسمارٹ فون لے لیں نا سب خاندانی تقریبات و حادثات کی اپ ڈیٹس بمعہ تصاویر مجھے بھیجتے ہیں۔'' منال نے ٹھنڈا سموسہ کھاتے ہوئے جھنجلا کر کہا۔

''بیٹا مجھے ان سب چیزوں اور باتوں کا شوق نہیں،

وہ تو آج حرا نے تصویریں دیکھنے پر بہت اصرار کیا تو میں نے آپ سے پوچھ لیا، میں نے تو آپ کو خود کہا ہوا ہے کہ آپ اگنور کیا کرو، اچھا بیٹا اب میں نماز پڑھ لوں ٹائم ہوگیا ہے، آپ بھی ٹرے کچن میں رکھ کر نماز پڑھ لیجئے گا۔'' امی نے پیار سے اس کا گال تھپتھپایا اور نماز کے لئے اٹھ گئیں۔ منال نے خاموشی سے کمرے سے نکلتے ہوئے امی کو دیکھا اور پھر سوچوں میں گم ہوگئی، وہ اپنے تھوڑی دیر پہلے کہے گئے لفظوں میں خود ہی الجھ گئی تھی آخر کیوں حنا خالہ سے زیادہ باقی خاندان والوں کو اتنا دکھ تھا فہد کی شادی پر؟ اذان کی آواز پر وہ تمام سوچوں کو جھٹکتی ٹرے اٹھا کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

......☆......

''یار علینہ! اور موٹی نہیں ہوگئی؟'' یہ سارہ تھی جس نے پاس سے گزرتی علینہ پر تبصرہ کیا۔

''ہاں بہت موٹی ہوگئی ہے یہ یار۔'' جیا نے بھی اپنا تبصرہ کرنا فرض سمجھا۔

''علینہ کو چھوڑو یار رانیہ خان کو دیکھو کیسے کپڑے پہن کر آئی ہے۔'' فائزہ نے ان لوگوں کی توجہ بینچ پر بیٹھی رانیہ کی طرف دلوائی جو ہاتھ میں ٹیبلیٹ پی سی لئے کچھ کام کررہی تھی۔

''لگ رہا ہے بچاری نے بڑی مشکل سے چڑھائے ہیں یہ کپڑے۔'' سارہ نے طنزیہ کہا جس پر ان تینوں نے جاندار قہقہہ لگایا تھا۔

''منال تم کیوں خاموش ہو؟ تم بھی اپنی رائے دو نا۔''

فائزہ نے خاموش بیٹھی منال کو گفتگو میں شریک کرنا چاہا۔ منال نے لیپ ٹاپ کی کیز پر اپنے چلتے ہاتھ روکے اور ایک تاسف بھری نگاہ ان تینوں پر ڈالی۔

''اوہ......ہو منال تم تو اتنی بور ہو۔'' جیا نے منال کی جانب سے کوئی کمنٹ نہ پاکر بدمزہ ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں بہت بور ہوں، مگر اللہ کا شکر منافق نہیں، مجھے پیٹھ پیچھے برائیاں کرنا، مذاق اڑانا اور سامنے جا کر تعریفیں کرنا نہیں آتا سوری میں یہ دوغلہ پن نہیں کرسکتی اس لئے بور ہی صحیح۔'' منال کی غصے سے ناک سرخ ہوگئی تھی وہ دل ہی دل میں میم سمعیہ سے ناراض ہوئی جنہوں نے اس کا اسائنمنٹ گروپ ان لوگوں کے ساتھ بنادیا تھا، اٹھی اور اپنی نوٹ بک اور لیپ ٹاپ اٹھا کر وہاں سے چلی گئی۔

''کیا بات ہے منال! آپ آج اداس لگ رہی ہو بیٹا؟'' امی نے فکرمندی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا، وہ لوگ اس وقت سمندر کے کنارے بیٹھے تھے، منال کو سمندر سے عشق تھا وہ یہاں آکر خود کو قدرت سے بہت قریب محسوس کرتی، سمندر کی موجوں کا شور اسے بہت بھاتا تھا، رات میں چاند کی روشنی میں سمندر کے کنارے چلنا اسے بے انتہا خوشی دیتا تھا۔

''کیا بات ہے بیٹا! کسی نے کچھ کہا ہے آپ کو کیا؟''

منال کے ہنوز خاموش رہنے پر ابو نے اس کا ہاتھ پیار سے اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں ابو! ایسی کوئی بات نہیں بس میں یہ سوچ رہی ہوں دنیا اور اس کے لوگ کتنے عجیب ہیں نا، بہت مشکل ہوجاتا ہے اکثر لوگوں کے ساتھ جینا۔'' اس نے لہروں کو تکتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''ہوں دنیا بہت عجیب ہے اور اصل کامیابی انہی عجیب لوگوں کے ساتھ جینے میں ہے۔'' ابو نے مسکرا کر کہا۔

''کامیابی حاصل کرنے کے چکر میں ہم کبھی کبھی بہت تھک بھی تو جاتے ہیں، لوگ اتنا تھکا دیتے ہیں کہ آگے مزید چلنا دشوار ہوجاتا ہے، لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے وحید صاحب کو دیکھا۔

''ہمارا اصل امتحان تو یہی ہے جب ہم لوگوں کی باتوں اور رویوں سے تھک جائیں تب بھی آگے بڑھنا نہ رکیں، لوگ تھکا دیتے ہیں اور تھکاتے رہیں

گے مگر ہر بار تھکنے پر ایک نئے عزم کے ساتھ سفر کا آغاز کرنے والا ہی فاتح ہے، انسان تب تک نہیں ہار سکتا، جب تک وہ خود نہ ہارنا چاہے، بس صحیح راہ پر چلتے رہو اور ہمت نہ ہارو۔" امی نے پیار سے اسے سمجھایا۔

منال نے امی کی بات سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور مسکرا دی پھر وہ تینوں گھر لوٹ گئے۔

......☆......

"اف پھر اتنی جلدی بیٹری ختم ہوگئی۔" اس نے غصے سے موبائل کی اسکرین کو دیکھا جہاں بیٹری لو لکھا آرہا تھا۔ وہ بیڈ سے اٹھی اور موبائل چارجنگ پر لگا کر پلٹنے لگی مگر پھر کچھ سوچ کر وہ چارجنگ پر لگے موبائل کو ہاتھ میں اٹھا کر واٹس اپ پر پرانے میسیجز پڑھنے لگی۔ میسیجز پڑھتے اور تصویریں دیکھتے اسے کچھ حیرانی سی ہوئی تھی منال نے کچھ غور سے دیکھا اور فوراً حرا کو میسیج کیا، ایک منٹ بعد ہی حرا آپی کا ریپلائی آ گیا تھا میسیج پڑھ کر اسے اب حیرانی کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہو رہی تھی، وہ مطمئن سے انداز میں موبائل ٹیبل پر رکھ کر بیڈ پر آ گئی اور خوشگوار موڈ میں کتاب پڑھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں امید کی کرن اور لبوں پر خوبصورت مسکان پھیلی تھی، جو یہ پتہ دے رہی تھی کہ وہ آج دل سے خوش ہے۔

"منال کپڑے استری کروادیے ہیں میں نے شام میں جلدی تیار ہو جانا بیٹا۔" امی نے کپڑے الماری میں لٹکاتے ہوئے تنبیہ کی۔

"امی! کیا میرا جانا ضروری ہے؟" اس نے بے چارگی سے نعیمہ بیگم سے پوچھا۔

"جی آپ کا جانا ضروری ہے، آپ کی چھٹیاں ہیں باہر نکلیں گی تو تھوڑا فریش ہو جائیں گی۔"

نعیمہ اس کے سامنے بیڈ پر آ کے بیٹھ گئیں۔

"امی! آپ کو تو پتہ ہے مجھے ملنا جلنا پسند نہیں پلیز آپ اور بابا چلے جائیں۔" اس نے لاڈ سے ماں کے گلے لگتے ہوئے کہا۔

"آپ ہمارے ساتھ چل رہی ہیں، کب تک یوں لوگوں سے چھپتی پھرو گی خدانخواستہ آپ میں کوئی خامی نہیں ہے، پھر کیوں بھاگتی ہو لوگوں سے؟"

امی نے ہلکی سی ناراضی سے پوچھا۔

"امی میں لوگوں سے بہت مختلف سوچتی ہوں یا شاید میں ہوں ہی بہت مختلف، میں سب کے بیچ ہو کر بھی تنہا ہوتی ہوں۔" منال نے دکھ سے کہا اس کی آنکھوں میں نمی واضح تھی۔

نعیمہ نے ایک نظر بیٹی کو دیکھا پھر گویا ہوئیں۔

"آپ تنہا یوں ہو بچے کیونکہ آپ میں منافقت نہیں، آپ میں لوگوں کے راز جان لینے کا تجسس نہیں، آپ جو اندر سے ہو وہی باہر سے ہو۔ منال یہ آپ کی خوبیاں ہیں خامیاں نہیں انہیں اپنی کمزوری نہ بناؤ، طاقت بنا کر زندگی کو فتح کرو یوں چھپ کر بیٹھ جانے سے کچھ نہیں ہوگا، آپ اچھی سوچ رکھنے والی لڑکی ہو اور اچھائی پھیلانا چاہتی ہو تو بیٹا اٹھو اور بدل ڈالو لوگوں کی سوچ کو معاشرے کو تبدیل کرنے کی کوشش کرو حق و سچ کا ساتھ دو اپنی آواز اٹھاؤ تبدیلی صرف حکمرانوں کے بدل جانے سے نہیں آتی، خود کو صحیح راہ پر گامزن کر کے لوگوں کی سوچ بدلنے سے آتی ہے، ہاں پلک جھپکتے کچھ نہیں ہوتا بہت محنت کرنی پڑتی ہے، دل پر زخم کھانے پڑتے ہیں، انسان بعض دفعہ تھک کر اتنا چور ہو جاتا ہے کہ آگے قدم بڑھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ مگر حوصلہ و عزم دل میں زندہ ہو تو سب کچھ فتح کیا جا سکتا ہے آپ بھی ہمت کر کے آگے بڑھو۔"

نعیمہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے سمجھا رہی تھیں۔

منال کو ایسا محسوس ہوا جیسا امی کی باتوں نے اس کے اندر ایک نیا حوصلہ پیدا کر دیا ہو۔

"منال! تم تیار نہیں ہوئیں؟" ارحا (اس کی کزن) نے حیرت سے پوچھا آج روبینہ خالہ کے ہاں دعوت تھی، تقریباً پورا خاندان ہی مدعو تھا، سب ایسے تیار ہوئے تھے، جیسے دعوت میں نہ آئے ہوں کسی کی بارات

ہو خاص کر لڑکیاں فیشن ایبل کپڑے پہنے، بال کھولے ادائیں دکھاتیں ادھر سے ادھر ایسے گھوم رہی تھیں خالہ روبینہ کا ٹائٹنگ فلور ریمپ لگ رہا تھا۔ منال کو اس سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ کون کیا پہنے ہوئے ہے، اسے صرف خود سے سروکار تھا۔ منال نے ڈیسنٹ سا سی گرین رنگ کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا، میک اپ سے مبرا اپنی تمام تر سادگی لئے وہ پوری محفل میں سب سے منفرد لگ رہی تھی۔

منال نے ارحا کو کوئی جواب نہیں دیا ہلکا سا مسکرا کر وہاں سے ہٹ گئی، نعیمہ نے اسے اپنے پاس بلا لیا تھا۔

خالہ روبینہ نے کھانے کا اچھا انتظام کیا تھا، کھانا بس لگنے کو ہی تھا وہ موبائل میں کینڈی کرش کھیلنے میں مصروف تھی کہ اچانک ساجدہ خالہ کی آواز پر اس کے ہاتھ رک گئے تھے۔ وہ کسی سے فریال (فہد) کی بیوی کے بارے میں بات کر رہی تھیں۔ فہد چونکہ فریال کے ہمراہ پاکستان آ گیا تھا، اس لئے ہر جگہ وہی دونوں موضوع گفتگو بنے ہوئے تھے۔

''ہاں ساجدہ باجی بھلا بتاؤ کیا سوجھی فہد کو جو اس عجیب بھیانک شکل کی لڑکی سے شادی کر لی، کیا خاندان کی ساری لڑکیاں مر گئی تھیں ہونہہ۔''

زینت مامی نے نخوت سے کہا۔ منال یہ نہیں سمجھ پائی کہ انہیں دکھ فہد کا عجیب شکل کی لڑکی سے شادی کرنے پر ہے یا ان کی بیٹی سے شادی نہ کرنے پر۔

''پتہ نہیں زینت کیا پھونکا تھا، اس بدہیبت لڑکی نے ہمارے بچے پر۔'' راشدہ مامی نے رنج سے کہا۔

''ارے کالا جادو کروایا ہوگا اس نے، جو فہد کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے، بیچاری حنا کی مت ماری گئی کتنے ارمان تھے اس کے پیاری سی بہو لانے کے مگر یہاں تو برخوردار عجیب شے اٹھا لائے۔'' ساجدہ خالہ نے دہائی دی۔

''آپ سب کو اس بات کا دکھ زیادہ ہے کہ فہد بھائی نے فریال سے شادی کر لی یا اس بات کا ہے کہ انہوں نے شادی کرتے وقت خاندان کی پریوں کا نہیں سوچا؟''

منال نے ڈرائنگ روم میں کھڑے ہو کر طنزاً پوچھا، پہلے تو سب منال کی اس حرکت پر ہکابکا رہ گئے، پھر جیسے راشدہ مامی کو ہوش آیا تھا۔

''آج دو چھٹانک کی لڑکی بڑوں سے اس طرح بدتمیزی سے بات کرے گی وہ بھی غیر کے لئے قیامت ہو گئی بھئی۔'' انہوں نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

''مامی! پہلی بات تو یہ کہ میرے امی ابو نے مجھے بڑوں سے بدتمیزی کرنا نہیں سکھایا، دوسرا یہ کہ فریال بھابھی غیر نہیں ہیں اب وہ اس خاندان کا حصہ ہیں۔''

منال بہت اعتماد سے کمرے کے وسط میں ہاتھ باندھے کھڑی تھی، سب اس کی اس جرات پر حیران تھے سب ہی اس کی فطرت کو جانتے تھے، پہلے بھی بھی وہ غلط خاندانی سرگرمیوں، رواج اور گفتگو کا حصہ نہیں بنی تھی، مگر پہلے بھی اس طرح دوٹوک انداز میں اس نے مخالفت بھی نہیں کی تھی۔ آج کچھ امی کی باتوں کا اثر تھا اور وہ ان سب لوگوں کی باتوں سے بہت دکھی بھی ہوئی تھی، جبھی اس طرح سب کے سامنے ڈٹ گئی تھی۔

''ہم مسلمان نہیں؟'' منال نے سامنے بیٹھی ساجدہ خالہ سے پوچھا تو وہ اس سوال پر گڑبڑا گئیں۔

''بتائیے ہم مسلمان ہیں؟'' اب وہ راشدہ مامی کی طرف مڑی انہوں نے گھبرا کر منال کو دیکھا پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ہم مسلمان ہونے کا صرف دعویٰ کرتے ہیں۔'' اس نے تلخی سے کہا۔

''امت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو یہ پیغام واضح دیا گیا ہے کہ کوئی عربی عجمی پر فوقیت نہیں رکھتا، یہ پیغام ہم سب کو اچھی طرح یاد ہے، مگر پھر بھی ہم بھولے ہوئے ہیں۔'' وہ بولتے بولتے رکی۔

''ہم اس عظیم ہستی کے امتی ہیں جن کا درس انسانیت تھا ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے گئے اصولوں کو بھلائے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بہت عقیدت سے مناتے ہیں میلاد بہت احترام سے اٹینڈ کرتے ہیں، مگر ہم سب بھول چکے ہیں کہ اللہ اور ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کیا پیغام دیا، غیبت، چغلی، ریاکاری، منافقت سب ہی تو ہے ہم میں مگر پھر بھی ہم خود کو بہت فخر سے مسلمان بتاتے ہیں۔" وہ دھیمے لہجے میں گویا تھی کمرے میں اس وقت مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی سب ٹکٹکی باندھے اسے سن رہے تھے۔

"فہد بھائی نے گھر والوں کو بغیر بتائے شادی کی، میں مانتی ہوں یہ غلط اقدام ہے مگر ساتھ ہی انہوں نے ایک عظیم کام بھی کیا ہے، انہوں نے شادی کے لئے اس لڑکی کو چنا جسے ہم جیسے کئی لوگ ٹھکرا چکے تھے۔ ہم لوگ یہ کیسے بھول گئے کہ فریال کو بنانے والی وہ ذات ہے جسے اپنے بندوں سے بے انتہا محبت ہے، اگر کسی مصور کی تخلیق کی اس طرح تذلیل کی جائے تو وہ ہمارے منہ پر دو تھپڑ رسید کرے گا مگر، ہمارا اللہ کتنا غفور ورحیم ہے، ہم اس کے بنائے گئے انسان میں نقص نکال رہے ہیں، پھر بھی وہ ہم پر عذاب مسلط نہیں کر رہا۔ جو اللہ کو محبوب ہو، ہم اسے کیسے برا بھلا کہہ سکتے ہیں۔ فریال بھابھی کو اللہ کا خاص انعام واکرام حاصل ہے، جو ہمیں حاصل نہیں اس بات کو فہد بھائی سمجھ گئے مگر افسوس ہم نہ سمجھ سکے، فہد بھائی نے یہ جانتے ہوئے فریال کو اپنا شریک سفر چنا کہ ان کے ساتھ یہ سفر دشوار ہوگا چونکہ فریال اللہ کی خاص بندی ہے، اس لئے اللہ کی رحمت ہمیشہ فہد بھائی کے ساتھ رہے گی، اور وہ اپنی منزل حاصل کرلیں گے جانتے ہیں وہ منزل کیا ہے؟" اس نے وہاں موجود لوگوں سے پوچھا جس پر سب نے اسے ناسمجھی سے دیکھا۔

"وہ منزل اللہ کی قربت ہے۔" اس نے مسکرا کر آہستگی سے کہا۔

اے سی کی ٹھنڈک حد سے بڑھ گئی تھی یا منال کی باتوں کا اثر تھا، وہاں بیٹھا ہر شخص جیسے برف کا بن گیا تھا، ہر طرف سکوت سا طاری تھا، بس ایک چیز شور مچا رہی تھی اور وہ تھا سب کا دل جہاں ملامت تھی، شرمندگی تھی، افسردگی تھی۔

منال کوئی اسکالر نہیں تھی وہ ایک عام سی لڑکی تھی اس کے پاس بس شفاف دل تھا، سچے جذبے اور دلوں کو چھو جانے والے الفاظ تھے، جن میں سچائی تھی اور سچ بہت طاقتور ہوتا ہے، بہت تاثیر رکھتا ہے اسے صرف اپنانا اور اس پر قائم رہنا ہوتا ہے۔

"ہم سب کو تو فہد بھائی کو سلام پیش کرنا چاہئے انہوں نے اس لڑکی کو چنا، جس کے نقش عام لڑکیوں کی طرح نہیں ایسا کر کے فہد بھائی نے انسانیت کا درجہ پالیا، آج کل ہم انسان بس پیسے اور ظاہری خوبصورتی کے پیچھے بھاگتے ہیں، مجھے فخر ہے فہد بھائی ان لوگوں میں سے نہیں ہیں"۔ منال کی آنکھوں میں امید کی کرنیں پھیلی تھیں اس دن جب اس نے فریال کی تصویریں دیکھنے کے بعد حرا سے پوچھا تھا کہ کیا فریال کا تعلق ویل آف فیملی ہے، تب حرا کے "ناں" کے جواب نے اسے بے حد خوشی دی تھی، اس دن منال کو یقین ہو گیا تھا کہ آج بھی دنیا میں اچھے لوگ موجود ہیں۔

"ہم سب کو خود کو بدلنا ہے اپنے رویوں، اپنی سوچ کو بدلنا ہے جب تک ہم اپنے اندر کی برائیوں کو ختم نہیں کریں گے، تب تک نہ ہمارا معاشرہ ٹھیک ہوگا، نہ حالات بہتر ہوں گے"۔ اس نے مسکرا کر کہا جس کی تائید وہاں بیٹھے ہر شخص نے کی تھی، پھر وہ صوفے پر بیٹھ کے پانی پینے لگی، مستقل بولنے سے اس کا گلا خشک ہو گیا تھا مگر اس کا دل آج بہت شاد تھا، اس نے آج پہلا قدم اٹھایا تھا اور اس میں وہ کامیاب بھی ہو گئی تھی۔ کمرے کے باہر کب سے خاموش کھڑی فریال اندر آئی اور منال کے گلے لگ گئی، اس کے لئے منال وہ جگنو تھی جس نے اس کی زندگی میں روشنی بکھیر دی تھی، روشنی کا یہ نیا سفر سب کے لئے تھوڑا مشکل ضرور مگر خوبصورت تھا۔

☆☆☆

نظرِ بد کی حقیقت

نظرِ بد کے بارے میں فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

آپؐ نے فرمایا : اَلْعَیْنُ حَقٌّ

ترجمہ : نظر کا لگ جانا برحق ہے (صحیح بخاری)

- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نظرِ بد سے بچنے کیلئے تعویذ استعمال کیا کریں۔ (بخاری، مسلم)
- حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر ایک لڑکی کو دیکھا جس کا چہرہ زرد تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا اس کے لئے دعا تعویذ کراؤ اسے نظرِ بد لگی ہے۔ (بخاری، مسلم)
- حضرت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ زمانۂ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کرتے تھے (اسلام لانے کے بعد) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے تعویذات مجھے پیش کرو، اگر ان میں شرک نہ ہو تو ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ (مسلم)

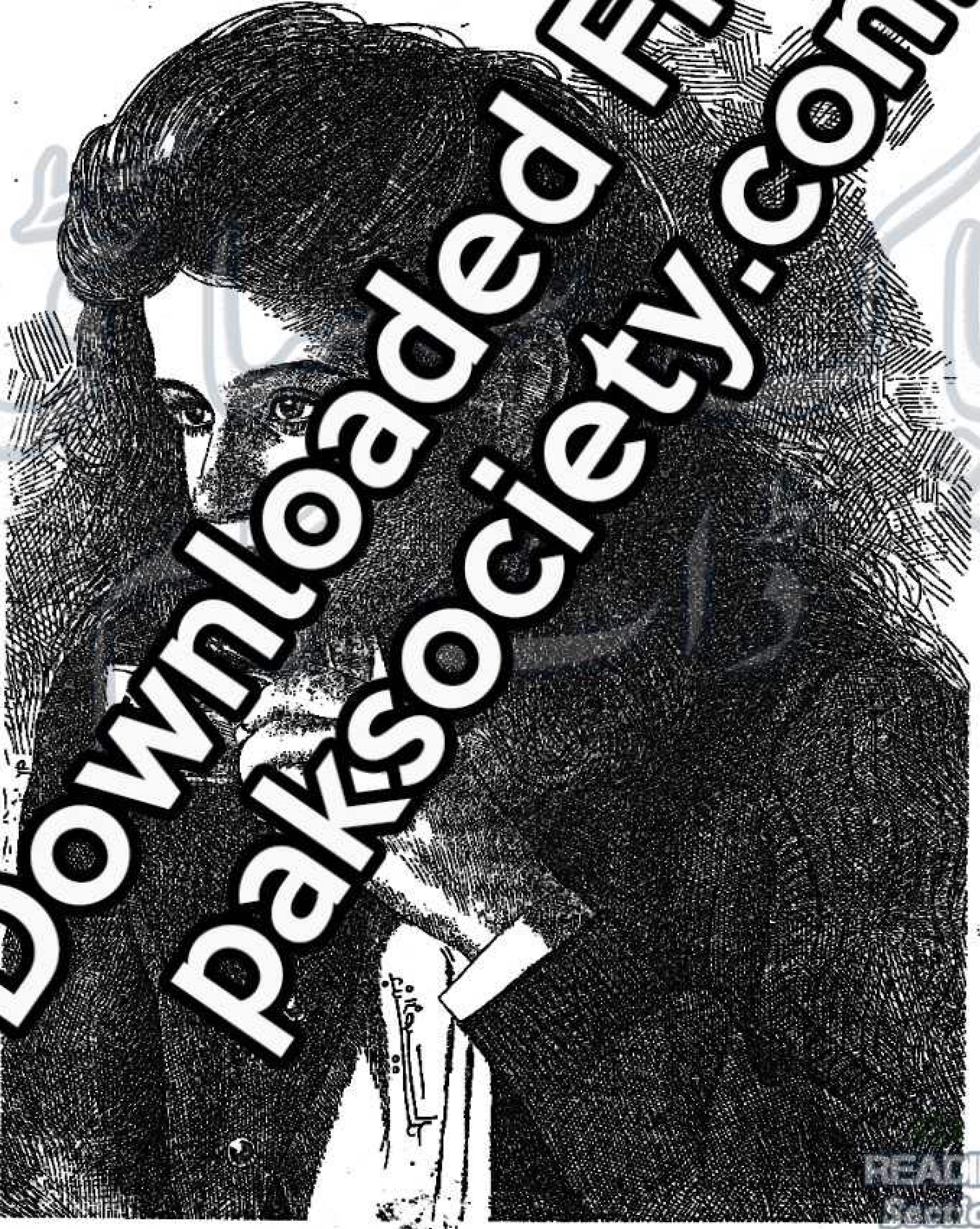
علاج

- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظرِ بد سے بچنے کے لئے دعائیہ کلمات بھی اپنی امت کو بتلائے۔ مثلاً فرمایا کہ جب تمہیں کوئی چیز اچھی لگے تو بَارَکَ اللّٰہُ کہو۔ (مشکوٰۃ)
- جس کی نظر لگے، اس کو کہا جائے کہ غسل کرے اور اس کے غسل کا پانی اس شخص کے سر اور جسم پر ڈالا جائے جس کو نظر لگی ہو۔ (مشکوٰۃ)
- مَاشَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (سورۃ کہف) پڑھنا قرآن سے ثابت ہے۔
- سورۃ الفلق اور سورۃ الناس بھی نظر کے لئے بطور دم پڑھنا چاہیئے۔ (صحیح ترمذی)

ثناء کنول

افسانہ

تربیت



کانپتے ہاتھوں سے اس نے اپنی فائلوں کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا تھا اور ڈور بیل پر ہاتھ رکھ دیا۔ حسب معمول نوکر نے ہی دروازہ کھولا تھا، ڈرتے ڈرتے اس نے اندر قدم رکھا تھا، سامنے روحی یاسر سینے پر دونوں ہاتھ باندھے شاید نہیں یقیناً اس کی ہی منتظر تھیں، اسے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح ان کے چہرے پر ناراضی غصے اور ناگواری کے تاثر ایک ساتھ پھیلے تھے ان کے پاس ہی ملک یاسر کوئی نیوز چینل دیکھنے میں مصروف تھے۔ تبھی روحی یاسر کی غصے سے بھری آواز لاؤنج میں گونجی تھی۔

"اتنی دیر کیوں کر دی تم نے وجہ پوچھ سکتی ہوں بابا کی لاڈلی سے"۔ ان کے لہجے میں غصہ نمایاں تھا۔ ملک یاسر نے بے اختیار ناگواری سے پہلو بدلا تھا لیکن کہا کچھ نہیں، اگر کچھ کہہ بھی دیتے تو کون سا وہ ان کی سن لیتیں اسی لئے وہ چپ بیٹھے اس کے بدحواس چہرے کو دیکھتے رہے جو ہکلا کر بمشکل بولی تھی۔

"وہ مما میری بس لیٹ آئی تھی"۔

"تو مجھے فون نہیں کر سکتی تھیں تم آخر یہ اتنا بڑا موبائل تمہارے پاس صرف دکھانے کے لئے تو نہیں ہے نا"۔

"وہ اس میں بیلنس نہیں تھا تو......"

"کس سے باتیں کرتی رہتی ہو تم شینا! جو تمہارا بیلنس ختم ہو جاتا ہے سچ بتاؤ مجھے"۔ یہ کہنے کے ساتھ ہی انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں سے موبائل اور فائلیں دونوں چھین لیں تھیں اور ہمیشہ کی طرح انہیں چیک کرنے لگیں تھیں۔ بے اعتباری ان کے ہر ہر انداز سے چھلک رہی تھی، جسے انہوں نے چھپانا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا، پھر اطمینان کر کے غصے سے بولیں تھیں۔

"اب کھڑی کھڑی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو دفع ہو جاؤ اپنے کمرے میں"۔ ان کے کہتے ہی وہ بھاگ کر سیڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔ اپنے بیڈ پر گری وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے بے اعتباری انسان کو جینے نہیں دیتی جبکہ اگلا غلط بھی نہ ہو وہ بھی پل پل مر رہی تھی۔

☆......☆......

"کیسی ہو یار؟" وہ تیز تیز چلتی ہوئی اپنے فلور پر جا رہی تھی جب راحیل ایک دم اس کے سامنے آ کر بولا تو ایک پل کے لئے وہ ڈر گئی اور اگلے ہی پل اس کے ڈر پر غصے نے حملہ کیا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے مسٹر راحیل! ہٹو میرے راستے سے"۔ مما کی بے اعتباری نے اسے حد سے زیادہ محتاط رہنے پر مجبور کر دیا تھا، اسی لئے اگر کوئی اس کی طرف دیکھ بھی لیتا تھا وہ اس کی اچھی خاصی بے عزتی کر دیتی تھی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ مما اس کے بارے میں جو کچھ سوچتی ہیں وہ سب کچھ سچ ثابت ہو، اسی لئے وہ پورے کالج میں ہری مرچ مشہور تھی، جس کی اسے کوئی پروا نہیں تھی، کالج کا کوئی بھی لڑکا اس سے بات کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا، سوائے راحیل کے جو نجانے کب سے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا کہ وہ اس کے ساتھ دوستی کر لے۔

"میں کوئی بدتمیزی نہیں کر رہا شینا! صرف تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں"۔

"بٹ وائے، کیا پورے کالج میں کوئی لڑکا تمہیں دوستی کرنے کے لئے نہیں ملا بٹ تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں یہاں پر پڑھنے کے لئے آتی ہوں، تم سے دوستی کرنے کے لئے نہیں، اب اگر تم نے مزید مجھے پریشان کیا تو میں پروفیسر سے تمہاری شکایت کر دوں گی سمجھے"۔ وہ غصے سے بولتی ہوئی آگے بڑھ گئی، جبکہ وہ پرسوچ انداز میں اس کی پشت کو گھورتا ہوا رہ گیا، جب تک کہ وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔

"یہ کیا ہے شینا! جواب دو مجھے"۔ ان کی غصے سے بھری آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی اور وہ تھر تھر کانپتی بمشکل بولی۔

"مجھے نہیں پتہ کہ یہ کہاں سے......"

"میں نے تمہارے بابا کو پہلے ہی کہا تھا کہ اسے کالج میں مت داخل کروائیں پر وہ میری ایک نہیں سنتے۔ کس لڑکے نے لکھی ہے تمہاری کتاب میں یہ غزل"۔

”مجھے نہیں پتہ“۔

”چٹاخ“۔اس سے پہلے کہ وہ اپنا جواب دہراتی روجی یاسر کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور اس کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔

”یہ کیا کر رہی ہو تم روجی! جوان اولاد پر کوئی ہاتھ اٹھاتا ہے بھلا“۔

یاسر نے انہیں ایک دم ٹوکا تھا اور شینا کو کمرے میں جانے کے لیئے کہا جو منہ پر ہاتھ رکھے اپنی چیخوں کا گلا گھونٹ رہی تھی۔

......☆......

وہ کالج کے پچھلے گراؤنڈ میں بیٹھی بری طرح رو رہی تھی جب اس کی دوست شیزا نے اسے چپ کراتے ہوئے اس کے رونے کی وجہ پوچھی، تو اس نے اسے کل والا سارا واقعہ سنا دیا جسے سن کر وہ دکھ سے بولی۔

”تمہاری امی تو بہت بری ہیں، اس قدر کوئی بھلا شک کرتا ہے اپنی اولاد پر۔ تم ایک کام کرو آج رات میرے گھر پر رک جاؤ جب ایک رات گھر نہیں جاؤ گی تو انہیں احساس ہو گا تمہارا“۔

”ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو شیزا! میں گھر نہیں جاؤں گی آخر انہیں بھی اپنی غلطی کا احساس ہو“۔اور پھر وہ اس کے ساتھ اس کے گھر چلی آئی، شیزا اسے اپنے بیڈروم میں بیٹھا کر چائے لینے کے لیئے گئی، تو کچھ سوچ کر شینا نے مما کو فون کیا اور روتے ہوئے بولتی چلی گئی۔

”مما! آپ نے مجھ پر کبھی اعتبار نہیں کیا، صرف ایک بار تو آپ مجھ پر اعتبار کر کے دیکھتیں، کیا آپ نے کبھی مجھے کسی لڑکے کے ساتھ دیکھا تھا، ماں باپ کا اولاد پر کیئے جانے والا اعتبار ہی تو اسے ہر غلط کام سے روکتا ہے اولاد جب بھی کچھ غلط کرنے لگتی ہے تو ماں باپ کا اعتبار اس کے پاؤں کی زنجیر بن جاتا ہے اور بے اعتباری اولاد کو نہ چاہتے ہوئے بھی غلط راستوں پر ڈال دیتی ہے۔ میں آج کے بعد گھر نہیں آؤں گی میں شیزا کے گھر پر ہوں اور کل ہوسٹل چلی جاؤں گی، آپ کو آپ کی بے اعتباری مبارک ہو“۔

”آخر تم وہاں آ ہی گئیں شینا! جہاں میں تمہیں لانا چاہتا تھا، بہت غرور ہے نا تمہاری ماں کو اپنی دولت پر دیکھو کیا کرتا ہوں میں ان کے ساتھ تمہاری ویڈیو بنا کر ان سے ان کی ساری دولت نہ لے لی تو پھر کہنا۔ میرے بابا ملک نواز نے صرف دو لاکھ روپے ان کے چوری کیئے تھے اور تمہاری مما نے انہیں جیل بھیج دیا“۔

”راحیل تم......“

”ہاں میں شیزا میری گرل فرینڈ ہے اور میرے ہی کہنے پر یہ تمہیں یہاں پر لے کر آئی ہے، اب میں دیکھتا ہوں کون بچاتا ہے تمہیں“۔

”دیکھو راحیل! میرے پاس مت آنا، میرے قریب مت آنا راحیل“۔وہ بری طرح روتے ہوئے بولی تھی اور راحیل کا قہقہہ کمرے میں گونجا تھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتا ایک جھٹکے سے دروازہ کھلا اور روجی یاسر کا چہرہ دیکھ کر وہ بھاگ کر ان کے گلے سے لگ گئی، وہ اس کی کمر سہلاتی ہوئیں بولیں۔

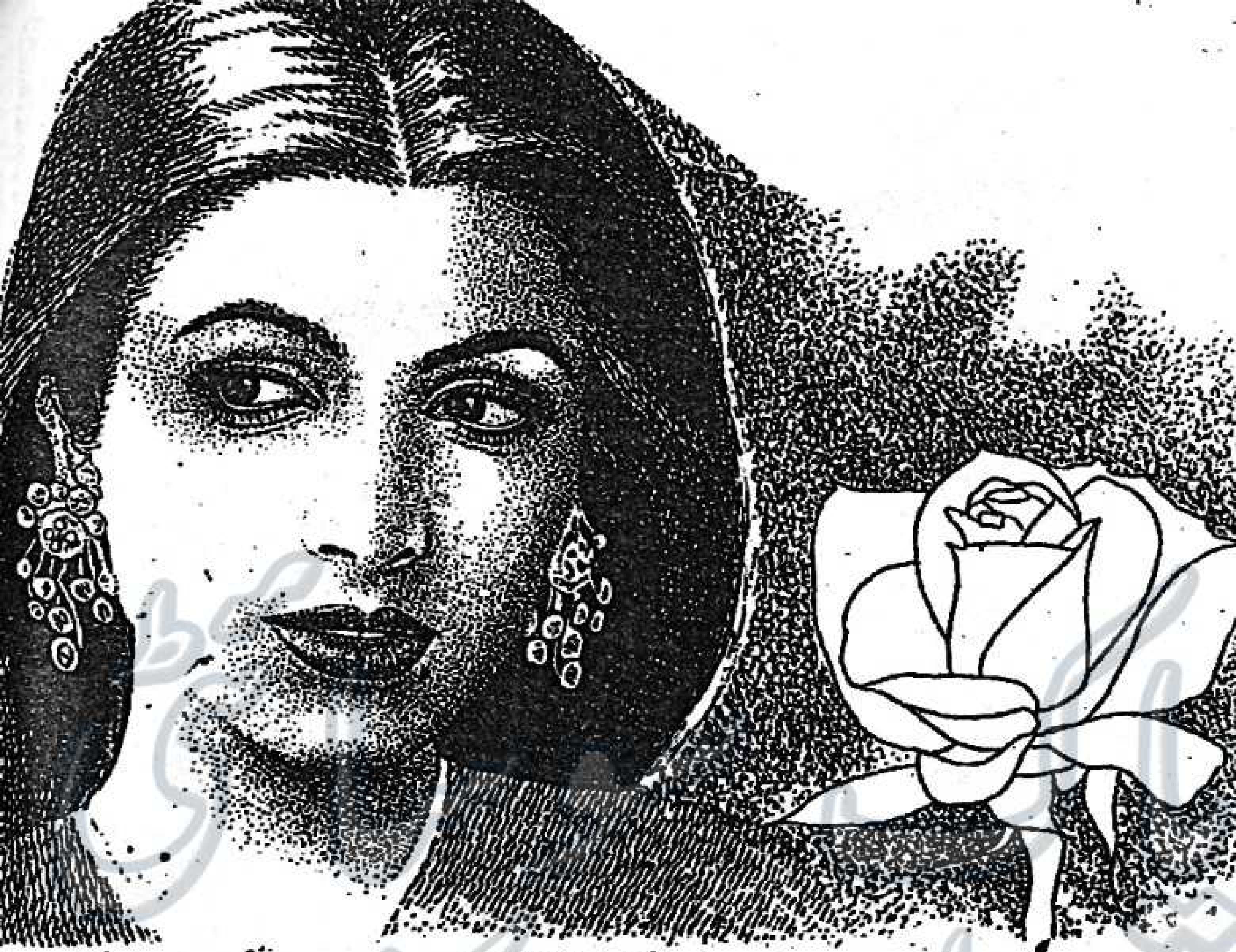
”سوری بیٹا! مجھے معاف کر دو میں نے تم پر اعتبار نہیں کیا اور تم راحیل تمہیں تو میں نہیں چھوڑوں گی دیکھ لینا تم“۔

وہ اسے وارن کرتیں شینا کو اپنی بانہوں میں لیئے گاڑی میں آ بیٹھیں جبکہ شینا بری طرح ان سے چپکی رو رہی تھی، پھر سر اٹھا کر حیرت سے بولی۔

”مما! آپ کو شیزا کے گھر کا ایڈریس کیسے پتہ چلا؟“

”میں جانتی تھی کیونکہ اس کی مما میرے آفس میں کام کرتیں ہیں، ایگین سوری بیٹا! جب تم نے مجھے فون کیا تبھی مجھے احساس ہوا کہ ماں باپ کی بے جا سختی بچوں کو باغی کر دیتی ہے، جس کی وجہ سے وہ غلط راستوں کا انتخاب کر کے خود اپنی زندگی اپنے ہی ہاتھوں خراب کر لیتے ہیں، شکر ہے میرے اللہ کا کہ میری تربیت کچھ ایسی تھی کہ تم نے خود ہی مجھے فون کر کے کہہ دیا کہ تم شیزا کے گھر ہو“۔اب کے انہوں نے اطمینان سے شینا کو گلے سے لگا لیا تھا اور سوچ لیا تھا کہ آئندہ وہ ایسا کبھی نہیں کریں گی کہ ان کی تربیت پر کوئی بات آئے۔

......☆......



عائشہ ذوالفقار

سلسلے وار ناولٹ

اُڑ جا رے تیری باری ہے

علیزہ نے واقعی ان دونوں سے ناطہ توڑ لیا۔ حارث کا بازو بری طرح فریکچر ہوا اور عمیر کو شدید بخار ہو گیا۔ حارث مانتا تھا کہ اس نے غلط کیا مگر دور کہیں ایک ذرا سی تسکین بھی تھی۔ بدلہ لے لینے کی خوشی بھی تھی مگر ساتھ ہی علیزہ جیسی لڑکی کی نظروں میں گر جانے کا غم بھی تھا۔ عمیر کی حد سے زیادہ بری حالت کا افسوس بھی تھا۔

''ایک بار مل تو لے اس سے، دس سال کا ساتھ ہے۔ اچھا نہ سہی برا سہی۔'' سلمان کے بار بار اصرار پر وہ عمیر سے ملا تھا۔

''آج آخری بار کہہ رہا ہوں۔ دوبارہ نہیں کہوں گا۔ مجھے اپنی شکل مت دکھایا کرو۔ شدید نفرت ہے مجھے تم سے اور یہ بات میں جتنی دفعہ کہوں کم ہے۔'' نفرت عمیر کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔

''میں بھی کوئی محبت نہیں کرتا تم سے مگر میں یہاں تم سے......'' عمیر نے اس کی بات کاٹی تھی۔



"معافی مانگنے آئے ہو؟ تو مانگو معافی کہو عمیر مجھے معاف کردے۔" حارث بول نہ سکا۔ عمیر کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ رو رو کر سو دفعہ بھی معافی مانگ لیتا مگر عمیر سے نہیں۔ کبھی نہیں۔ وہ بغیر کچھ کہے واپس آگیا۔

ان دونوں کے درمیان نفرت کی دیوار آسمانوں جتنی بلند ہوگئی چھ ماہ بعد ماسٹرز مکمل ہوگیا۔ یادوں کا ایک بڑا خزانہ لے کر وہ تینوں واپس آگئے۔ حمزہ دو دن پہلے ہی آچکا تھا۔

☆......☆

دی اسٹار اکیڈمی کے تین شیئر ہولڈرز تھے۔ سر شوکت راؤ جو کہ فزکس کے لیکچرار تھے۔ سر ناصر مرزا جو کہ بائیو کے ٹیچر تھے اور سر جمیل زیدی جو صرف مینجمنٹ میں تھے۔ عمیر جیسے ہی واپس لوٹا اسے آکسفورڈ کالج سے آفر ہو گئی سو اس نے وہ جوائن کرلیا۔ شوکت راؤ کا ٹرانسفر ہوگیا تو اکیڈمی بھی ٹوٹ گئی۔ شوکت راؤ نے رائل کے نام سے اپنی خود کی اکیڈمی بنالی۔ حمزہ ناصر ان کا رشتہ دار تھا۔ سو انہوں نے اسے ساتھ ملا کر وزڈم کے نام سے اکیڈمی الگ کرلی۔ جمیل زیدی کو زیادہ مسئلہ ہوا۔ دی اسٹار اکیڈمی صرف شوکت راؤ اور ناصر مرزا کی وجہ سے برقرار تھی۔ ان دونوں کے بعد جمیل صاحب اسے برقرار نہ رکھ سکے اور جب وہ زیادہ ہی ڈوبنے کے قریب ہوگئی تب حارث کی طرف پلٹ گئے۔ حارث اور سلمان نے خوب محنت اور کوشش سے اسے دوبارہ اس کے قدموں

قسط نمبر 2

پرکھڑا تو کر دیا مگر اس کی شہرت کو زندہ نہ کر سکے۔ عمیر نے چھ ماہ آکسفورڈ میں پڑھایا اور بڑی شان سے پڑھایا۔ اس کا لہجہ، اس کا طریقہ اور نالج۔ تقریباً شوکت راؤ جیسا تھا سو وہ کافی مشہور ہو گیا۔ شوکت راؤ جاتے ہوئے رائل اکیڈمی بھی اسے سونپ گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ حارث بذات خود ایک بہت اچھا استاد تھا مگر وہ عمیر نہیں تھا۔ اس نے چھ ماہ آکسفورڈ میں نہیں پڑھایا تھا۔ وہ شوکت راؤ کا بھتیجا نہیں تھا۔ اس کی اکیڈمی میں کوئی کالج لیکچرار نہیں تھا سو وہ کوشش کے باوجود دی اسٹار اکیڈمی کو اس کا حق نہ دلا سکا۔ عمیر کے اسٹوڈنٹس کی تعداد بڑھتی چلی گئی اور تبھی گورنمنٹ جاب اناؤنس ہو گئیں۔

☆......☆

میرا بی ایس سی کا اور عارش کا 9th کا رزلٹ ایک ساتھ ہی آیا۔ عارش کا رزلٹ اتنا شاندار تھا۔ میں اپنے 72 فیصد کا دکھ بھول ہی گئی۔ 95 فیصد مارکس تھے اس کے۔ تب میں نے تہیہ کیا۔ مجھے بہت محنت سے ایم ایس سی کرنا تھی۔ پھر جاب ڈھیر سارے پیسے اور عارش کر ڈاکٹر بنانا تھا۔

''عارش تو نے صرف ڈاکٹر بننا ہے۔ صرف ڈاکٹر۔'' میں نے اچھے طریقے سے اس کے دماغ میں یہ بات ڈال دی۔

''نہ اس سے ایسے وعدے کر جو بعد میں پورے نہ ہوں۔ کہاں سے لائیں گے ہم تین لاکھ روپے۔'' اماں نے ٹوکا۔

''ایسے ہی پورے نہ ہوں۔ میں کروں گی پورے، انشاء اللہ۔'' یہ تو کلیئر تھا کہ مجھے ایم ایس سی فزکس کرنا تھی پر کہاں سے، اس کا کوئی آئیڈیا نہیں تھا۔ تبھی میرے ذہن میں نمرہ کا خیال آیا۔ اس کا بھائی ابھی ابھی ایم ایس سی کر کے آیا تھا سو میں نے سوچا کہ اس سے مشورہ کر لیا جائے۔

''بس نیک سا مشورہ دے دیں کہ کہاں ایڈمیشن لوں، لاہور یا فیصل آباد؟'' حارث ہولے سے مسکرایا۔

''دیکھیں یونیورسٹی، یونیورسٹی ہوتی ہے۔ نہ تو اچھی ہوتی ہے اور نہ بری۔ نہ آسانی سے آنے دیتی ہے۔ نہ آسانی سے پڑھنے دیتی ہے۔ نہ جینے دیتی ہے۔ نہ آسانی سے ڈگری دیتی ہے اور نہ ہی آسانی سے باہر آنے دیتی ہے۔ وہاں آپ اکیلے ہوتے ہیں۔ کوئی ہمدرد نہیں ہوتا کوئی دوست نہیں ہوتا۔ مضبوطی سے جینا پڑتا ہے۔ یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اس سے کتنا لے سکتے ہیں۔'' تب تو کچھ پلے نہ پڑا مگر یونیورسٹی جا کر وہ ساری باتیں سمجھ آئیں۔ فیصل آباد ہی ایڈمیشن لے لیا تھا میں نے۔ نمرہ نے مزید آگے نہیں پڑھا۔ میں اکیلی رہ گئی اور ہوا یہ کہ ادھر میں فیصل آباد آئی ادھر گورنمنٹ جابز اناؤنس ہو گئیں۔ کیا نمرہ اور کیا ردا موٹی۔ کیا ناعمہ اور کیا اس کی چچیاں...... عالیہ اور اس کا بھائی وغیرہ...... کوئی بندہ ایسا نہیں بچا جس کی جاب نہ ہوئی ہو۔ ابو جی نے بڑا زور لگایا۔

''حاری! واپس آجا بی ایس سی کی بیس پر جاب مل جائے گی۔ ایسے موقع روز روز نہیں آتے۔'' اور صرف ابو ہی نہیں ہر بندے نے مجھے واپس آنے کو کہا مگر میں نہ گئی۔ مجھے پتا تھا کہ ایک بار واپس چلی گئی تو پھر کبھی یہاں نہیں آسکوں گی۔ ایم ایس سی خواب نہیں تھا۔ شوق بھی نہیں تھا۔ ایم ایس سی میرا جنون تھا۔ ابھی تو کچھ لیا ہی نہیں تھا میں نے یونیورسٹی سے۔ ساری باتیں ایک کان سے سن کے دوسرے سے نکال دیں ابو شدید غصہ ہوئے۔

''پھر کہتی ہے میں پڑھاؤں گی عارش کو، دیکھ لیں اب نہیں ملے گی تجھے نوکری۔ گھر آئی نوکری کو ٹانگ مار دی تو نے۔'' مگر میں مطمئن تھی۔

☆......☆

اس بار قسمت عمیر کے ساتھ داؤ کھیل گئی، اسے فزکس کی سیٹ نہ مل سکی، 14 اسکیل پر میتھ ٹیچر کے طور پر اپائنٹ ہوگیا۔ سیٹ ایک ہی تھی اور وہ حمزہ نے مار لی۔ بقول سلمان کے۔

''یہ حمزہ تھا اس لیے عمیر برداشت کر گیا، اس کی جگہ حارث ہوتا تو عمیر پورے شہر کو خون سے دھو دیتا۔ پر حارث اسے سیٹ پھر بھی نہ دیتا۔'' عمیر کی پوسٹنگ گورنمنٹ ہائی اسکول میں ہوئی تھی۔ اس دن بھی وہ کاپیاں چیک کر رہا تھا۔ جب ایک دم ٹھٹھک گیا۔ اس نے ہوم ورک میں صرف دس سوال دیے تھے مگر اس کاپی پر پوری مشق حل تھی۔ ہو از عارش ارشد؟'' اسے غصہ آیا۔ عارش کھڑا ہوگیا۔ میں نے صرف دس سوال دیے تھے۔ باقی کا چھاپہ کہاں سے مارا؟''

''سر چھاپہ نہیں مارا، ان فیکٹ میرے پاس کسی ایک بھی سبجیکٹ کی ہیلپنگ بک نہیں ہے۔ مجھے یاد نہیں رہا تھا۔ آپ نے دس سوال دیے ہیں سو ایک دو اپنی سسٹر سے سمجھ کے باقی میں نے خود کر لیے۔'' عمیر نے سر ہلایا۔ بات معمولی نہیں تھی۔

''کتنے مارکس ہیں 9th میں؟'' اس نے پوچھا۔

''95 فیصد۔''

عمیر حیرت سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اس کے اپنے بمشکل 80 فیصد تھے۔

''سر! عارش نے 9th میں تحصیل میں ٹاپ کیا ہے۔'' نہ جانے کس نے کہا تھا عمیر نے سر ہلایا۔

''سسٹر کیا کر رہی ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''سر! وہ ایم ایس سی کر رہی ہیں فزکس میں۔'' عمیر چونکا۔

''فیصل آباد سے؟''

عارش نے اثبات میں سر ہلایا۔ عمیر ہلکے سے مسکرایا تھا۔

☆......☆

کبھی محسوس کیجیے گا۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ اپنی پڑھائی، اپنے سبجیکٹ اور اپنا ادارہ، ان سے انسیت سی ہو جاتی ہے۔ محبت ہو جاتی ہے، کسی کے منہ سے ان کے متعلق تعریف سن کے جتنی خوشی ہوتی ہے برائی سن کے اتنا ہی دکھ ہوتا ہے، برا لگتا ہے اور اگر کبھی آپ کے سامنے کسی ایسے فرد کا ذکر ہو جو آپ والے سبجیکٹ میں آپ کے ادارے سے وہی پڑھ رہا ہو جو آپ نے پڑھا تو جہاں ایک عجیب سی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ وہیں ایک ہلکی سی رقابت بھی ابھرتی ہے۔ اس فرد کے بارے میں مزید جاننے کا شوق بھی ابھرتا ہے۔ اسے نیچا دکھانے کی خواہش بھی جنم لیتی ہے۔ اس کے منہ سے اپنی تعریف سننے کی تمنا بھی پیدا ہوتی ہے۔ کبھی نہ کبھی اس سے ملنے کا اشتیاق بھی ہوتا ہے اور...... وہ فرد لاشعور میں کہیں ایسے رہ جاتا ہے کہ کبھی نہیں بھولتا۔

عمیر کے ذہن میں بھی اس ایم ایس سی فزکس لڑکی کا ذکر کہیں نہ کہیں محفوظ ہو گیا۔ حمزہ کو وہ شروع سے جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اگر حمزہ اس سے بہتر نہیں ہے تو وہ بھی حمزہ سے کوئی اوپر کی چیز نہیں تھا۔ حساب برابر تھا۔

☆......☆

اور واقعی حارث کے الفاظ حرف بہ حرف درست تھے۔ ذلیل ہوگئی میں یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیتے لیتے۔ مفت میں تو ایک ٹکا بھی نہ دیا اس نے۔ بہت بار گری میں بہت دفعہ رونا آیا مگر اس نے کبھی رحم نہ کھایا۔ کبھی سہارا

نہ دیا۔ بہت بار جی چاہا کہ ہر چیز کو ٹھوکر مار کر واپس چلی جاؤں مگر اس نے کبھی روکنے کی کوشش نہیں کی اور پھر میں رفتہ رفتہ سیکھ گئی۔ واقعی یونیورسٹی کے پاس بہت کچھ تھا۔ آہستہ آہستہ میں اس سے لینا سیکھ گئی۔ آسانی سے کچھ بھی نہیں دیتی تھی۔ بے تحاشا محنت، ریسرچ کمپیوٹر سے مارا ماری اور آنسوؤں کے ساتھ ڈھیر ساری دعائیں۔ تب کہیں جا کر خوش ہوتی تھی میں نے دو سالوں میں بہت کچھ لیا اس سے۔ میرا خون نچوڑ لیا اس نے تب کہیں جا کر ایم ایس سی کی ڈگری دی۔ تھرڈ سیمسٹر کے دوران عارش کا میٹرک کا رزلٹ آ گیا۔ 96 فیصد مارکس۔ میرے اس سے کیے وعدے اور مضبوط ہو گئے۔ اماں اور ابو جی دونوں اسے میتھ پڑھانے کے درپے تھے۔ میں نے زبردستی اسے بائیو رکھوائی۔

''عارش! صرف ڈاکٹر صرف MBBS......''

میں نے کسی کی نہ سنی اب اس کی ٹیوشن کا مسئلہ بنا۔ میں نے سنا تھا سر شوکت کا بھتیجا بالکل ان جیسا تھا۔ سو پہلی ترجیح رائل اکیڈمی ہی تھی مگر عارش کا دو دن بعد ہی فون آ گیا۔

''میں نے نہیں پڑھنا وہاں۔ بائیو کی بھی سمجھ نہیں آتی اور فزکس تو سر کے اوپر سے گزرتی ہے۔ اتنی ہائی فائی فزکس ہے سر عمیر کی۔''

وہ میں ہی تھی جو سر شوکت کی طرح مشکل پسند بن گئی۔ خود کو ان جیسا بنا لیا مگر عارش مجھ سے زیادہ اسٹرونگ تھا۔ وہ خود کو عمیر کی طرح نہ ڈھال سکا۔ تبھی عارش نے بتایا کہ ان کے کالج میں بائیو کے کوئی نئے لیکچرار آئے ہیں جو کہ وزڈم میں پڑھاتے ہیں۔ دوسرے وزڈم کی شہرت کی ایک بڑی وجہ حمزہ مغل تھا۔ سو عارش نے وزڈم جوائن کر لی۔ یونیورسٹی بہت زیادہ ہی خوش ہو گئی۔ سو نہ صرف ایم ایس سی کی ڈگری دی بلکہ سلور میڈل بھی دیا اور جس دن میں واپس آئی اس سے اگلے دن ڈگری کالج میں انٹرن شپ کے انٹرویوز تھے۔ یونہی دے دیا۔ تین دن بعد سلیکٹ ہو گئی۔ ایک دن بعد اپائنٹمنٹ لیٹر مل گیا۔ یکم اکتوبر سے جوائننگ تھی۔ میں اللہ پاک کا جتنا شکر ادا کرتی کم تھا۔ کون کہتا ہے کہ خدا صلہ نہیں دیتا، جب اپنا سب کچھ اسے دے کر اس پر بھروسا کرو تو وہ یونہی دیتا ہے بے حدو بے حساب، جیسے مجھے دیا۔

☆......☆

کبھی محسوس کیجیے گا۔ جس جگہ سے آپ نے خود پڑھا ہو۔ اس جگہ پڑھانا کیسا لگتا ہے؟ انسان صرف محسوس کر سکتا ہے۔ دل دھڑکنا جیسے بند سا ہو جاتا ہے۔ آنکھیں خوامخواہ بھر آتی ہیں اور زبان...... ایک لفظ بھی نہیں بول پاتی۔ یہ ہی حالت تھی میری جب میں اپنی پہلی کلاس لینے فزکس لیب میں گئی۔ ڈائس پر کھڑے ہو کے چند لمحے تو بولا ہی نہ گیا۔ پوری لیب اورنج دوپٹوں سے بھری ہوئی تھی۔ مجھے یکدم اپنا وقت یاد آ گیا۔ ان چار سو اسٹوڈنٹس کے درمیان ہی مجھے میں بھی بیٹھی نظر آئی۔ ایک طرف نمرہ ڈراؤنی اور دوسری طرف ردا موٹی۔ میں ہولے سے مسکرائی تھی۔

''مائی نیم از حائقہ ارشد۔'' میں نے تعارف کروایا تھا۔ میں جانتی تھی کہ میں سر شوکت نہیں بن سکتی تھی۔ صرف ان جیسی بن سکتی تھی۔ ان کی خوبیوں کو اپنایا، خامیوں کو دور کیا۔ اسپیڈ بہتر کی۔ ایم ایس سی کی بجائے ایف ایس سی لیول پر آئی۔ میں نے کبھی اپنی کلاس سے یہ نہیں کہا کہ فزکس کو یاد کریں۔ بلکہ صرف سمجھیں یاد کیا ہوا بھول جاتا ہے۔ سمجھا ہوا کبھی نہیں بھولتا۔ انہیں خود سے لکھنے کی ترغیب دی۔ اس دن بھی میں اسٹاف روم میں تھی جب ایک انجان نمبر سے کال آئی۔

”حاری......آپ کا فون......!“ تہمینہ میری بہت اچھی کولیگ تھی۔
”جی کون؟“ میں نے پوچھا۔
”میڈم میں آکسفورڈ کالج کا پرنسپل بات کر رہا ہوں۔“
میں حیران ہوئی۔ ”جی فرمائیے۔“
”میڈم دراصل ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے کالج کو تھوڑا ٹائم دیں۔ زیادہ نہیں جسٹ دو کلاسز، بوائز کیمپس میں۔“
میرے پاس واقعی ٹائم نہیں تھا۔ سو منع کر دیا مگر ان کا اصرار بڑھ گیا۔ ”میڈم پلیز! آٹھ ماہ سے ہمارے ہاں فزکس کا لیکچرر نہیں ہے۔ عمیر راؤ نے جب سے چھوڑا ہے تب سے کوئی نہیں آیا۔“
بہت سنا تھا میں نے عمیر راؤ کے بارے میں۔ سر شوکت کا بھتیجا۔ اس کی اکیڈمی میں چار سو سے زائد اسٹوڈنٹس تھے۔
”چلیں میں دیکھتی ہوں۔“
آکسفورڈ میں میرا ٹائم دو سے چار بجے تک کا سیٹ ہوا اور کچھ ہو نہ ہو مجھے وہاں اپنی فوٹو کاپی مل گئی، سورج خان۔

☆......☆

کبھی محسوس کیجیے گا۔ پروفیشنل لائف میں آنے کے بعد آپ کو کوئی ایسا اسٹوڈنٹ ملے جو بالکل ویسا ہو جیسے آپ اپنی اکیڈمک لائف میں تھے تو کیسا لگتا ہے۔ بات پھر وہیں آجاتی ہے۔ ورڈز کانٹ ایکسپریس دیٹ فیلنگز (الفاظ ان محسوسات کو بیان کر ہی نہیں سکتے۔ سورج بھی ایسا ہی تھا۔ بالکل میرے جیسا۔ آرڈنری بٹ پھر بھی ایکسٹرا آرڈنری۔ اس دن بھی میں فرسٹ ایئر کو نمریکلیز کروا کے باہر آئی تو میری تمام کولیگز باہر بیٹھی تھیں۔ میں بھی وہیں بیٹھ گئی۔
”حاری، پی سی ایس کی جابز آرہی ہیں اور شاید اگلے مہینے گورنمنٹ جابز بھی آجائیں۔“ تہمینہ بولی تھی۔
”اللہ کرے جی ہمیں بھی اپنی جاب ملے۔“ میں نے کہا۔
”حاری تم تو فکر نہ کیا کرو۔ اے ٹو زیڈ اے گریڈ بی ایس سی میں ٹاپر اور ایم ایس سی میں سلور میڈلسٹ......چٹکی بجاتے ہی جاب ہو جانی ہے تمہاری۔“ شمائلہ بولی تھی۔
میں مسکرا دی۔ یہ بات سارا جونیئر اور سینئر اسٹاف کہتا تھا۔ حاری کو پلک جھپکتے میں ہی جاب مل جانی ہے۔ میم شمع نے تو باقاعدہ کہہ دیا۔ ”دو تین سال تک میں ریٹائر ہو جاؤں گی۔ تب تک ایم فل کر لو۔ اے پی بن کے میری سیٹ پر ہی آجانا۔“ ان کی باتوں سے میرا خود پر یقین اور عارش کو ڈاکٹر بنانے کا عہد مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔

☆......☆

وہ اس دن فرسٹ ایئر کو فلوئیڈ ڈائنامکس کے نمریکلیز کروا رہا تھا۔ آخری نمریکل کا طریقہ تھوڑا لمبا ہو گیا۔ ابھی وہ جواب ہی لکھ رہا تھا جب اس نے اپنے پیچھے آواز سنی۔
”سر......!“
وہ مڑا۔ ”جی۔“
سورج نے اپنا رجسٹر اس کی طرف بڑھایا تھا۔ ”سر یہ نمریکل ایسے بھی ہو سکتا ہے ناں؟“

عمیر نے رجسٹر پر نظر دوڑائی۔ وہی نمریکل نسبتاً آسان طریقے سے حل کیا ہوا تھا۔
"یہ کس نے حل کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔
"فزکس کی نیو میم آئی ہیں۔ میم حائقہ۔ انہوں نے کروایا ہے۔"
عمیر چونک گیا۔ یعنی آکسفورڈ کالج میں اس کی خالی جگہ آخر فل ہو ہی گئی تھی۔ وہ ہولے سے مسکرایا تھا اور یہ بس شروعات تھی۔ سیکنڈ ایئر کا ماہانہ اکیڈمی ٹیسٹ ہوا تو آدھی سے زیادہ لڑکیوں نے آر ایل سی کو مختلف طریقے سے لکھا ہوا تھا پوچھنے پر ایک ہی جواب میم حائقہ ارشد۔
"سر ہماری میم ایم ایس سی میں سلور میڈلسٹ ہیں۔"
"میم فزکس کو اتنا آسان کر کے پڑھاتی ہیں کہ حد نہیں۔"
"ان کا پیریڈ ختم ہونے کا پتا ہی نہیں چلتا۔" وغیرہ وغیرہ۔ سورج کی زبانی ہی اسے پتا چلا کہ حائقہ ارشد اس سال کے میٹرک ٹاپر حارث ارشد کی بڑی بہن تھی۔
"تو فائنلی تم آ ہی گئیں؟" رقابت کی ہلکی سی آگ جلی تو تھی۔

☆......☆

"حارث۔" اپنے نام کی پکار سن کے وہ ہولے سے مڑا تھا۔ سلمان تیزی سے اس کے قریب آیا۔
"کوئی بندوبست ہوا فزکس کے لیے؟ عامر کل سے نہیں آئے گا۔"
حارث نے نفی میں سر ہلایا تھا۔
"فی الحال تو نہیں۔ فزکس کے لوگ ملتے ہی نہیں ہیں۔ کہاں سے لاؤں میں۔" حارث جیسے تنگ آ گیا۔
"سن، فرسٹ ایئر کی بچیاں بتا رہی ہیں کہ ان کی کوئی نئی فزکس ٹیچر آئی ہے۔ حائقہ ارشد۔ نمرہ سے پوچھنا شاید اس کے بیچ کی ہو۔" حارث نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
شام کو نمرہ کی شکل دیکھ کے اسے سلمان کی بات یاد آئی۔ "نمرہ تمہاری کوئی دوست ہے جو ڈگری کالج میں پڑھاتی ہے؟" نمرہ سوچ میں پڑ گئی۔
"حائقہ ارشد......! نام ہے اس کا۔"
نمرہ ایکدم اچھلی۔ "ہاں بھائی حاری ہی پڑھاتی ہے وہاں۔ آپ کو پتا تو ہے اس کا۔ انکل ارشد کی بیٹی۔"
حارث سر پر ہاتھ مار کے رہ گیا۔ "اس کا نام تو کچھ اور نہیں تھا۔"
نمرہ ہنسی۔ "نہیں بھائی، حائقہ ہی ہے اس کا نام شروع سے۔"
حارث مسکرا کر رہ گیا۔
"نمبر دو اس کا۔" نمرہ نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے نمبر دیا تھا۔
"فضول سوچیں نہ سوچو، اکیڈمی کی بات کرنی ہے۔" حارث نے اسے فوراً جواب دیا اور پھر چھت پر آ گیا۔
دوسری بیل پر اس نے کال ریسیو کی تھی۔
"جی کون؟"
ایک لمحے کو حارث گڑبڑا گیا۔ "میں حارث بات کر رہا ہوں نمرہ کا بھائی۔" اسے حوالہ دینا پڑا۔
حائقہ پہچان گئی۔ "جی فرمائیے۔"
حارث نے چند الفاظ میں اسے ساری بات سمجھائی تھی۔ حائقہ حیران رہ گئی ایک اور آفر، ایک اور موقع......

اپنی اکیڈمی کی محبت اس کے دل میں اب بھی کہیں، زندہ تھی۔ کیا تھا جو اب وہ ویسی اکیڈمی نہیں رہی تھی مگر تھی تو سہی، اس کا وجود تو تھا، اپنی بقا کے لیے لڑ تو رہی تھی۔ اب اس نے اسے بلایا تھا تو وہ کیسے منع کر دیتی اور وہ صرف اکیڈمی نہیں، سر شوکت راؤ کی سیٹ تھی جو اسے بلا رہی تھی۔

''یہ سیشن ختم ہونے میں دو تین ماہ رہ گئے ہیں۔ نئے سیشن سے میں جوائن کرلوں گی۔''

حارث مطمئن ہو گیا۔

☆......☆

''یہ کس طریقے سے کیا ہے؟'' آج اس نے فرسٹ ایئر کو ٹیسٹ واپس کیے تھے۔

''میم سر نے کروایا ہے۔'' سامنے کھڑی نائلہ کی آواز دھیمی ہوئی۔

''پر میں نے کہا تھا کہ ایسے آپ کو مارکس نہیں ملیں گے۔ تھوڑی تفصیل دینا ہوگی۔'' اس نے سمجھایا۔

''مگر میم! سر نے تو ایسے نہیں کروایا۔'' نائلہ کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''میں نے تو ایسے کروایا ہے ناں۔ تو آپ ایسے ہی کرو۔'' اسے تھوڑا غصہ آیا۔

''مگر میم......'' حائقہ کا پارہ چڑھ گیا۔

''جسٹ شٹ اپ ناؤ۔ ایک ہی گردان شروع کی ہوئی ہے۔ کوئی بے وقوف ہی ہے جس نے اس طریقے سے کروایا ہے۔ لمبا ہی لمبا، کس نے کروایا ہے ایسے؟'' وہ غصے سے بولی تھی۔

''سر حمزہ نے۔''

وہ ایکدم ٹھنڈی ہوئی۔

عارش بڑی تعریفیں کیا کرتا تھا اس کی۔ لمبا سانس بھرتے ہوئے اس نے نائلہ کو ٹیسٹ واپس کیا تھا اور اسٹوڈنٹس چاہے نرسری کے ہوں، میٹرک کے یا ایف ایس سی کے۔ ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ نائلہ نے ساری بات من وعن با قاعدہ مرچ مصالحہ لگا کر حمزہ کے کانوں تک پہنچا دیں۔

''سر! میم کہتی ہیں کس بے وقوف نے کروایا ہے یہ......'' حمزہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

''ویسے میم بہت اچھی ہیں۔ بہت انٹیلی جنٹ۔ ایم ایس سی میں سلور میڈلسٹ ہیں۔ بہت اچھا پڑھاتی ہیں۔ بہت نائس ہیں۔'' نائلہ کی ٹرین راستہ پکڑ چکی تھی۔ حمزہ صرف سنتا رہا اور مسکراتا رہا لیکن وہ بھی انسان تھا، فرشتہ نہیں تھا کہ اسے کوئی سروکار ہی نہ ہوتا۔ اس دن عارش ایک ہفتے بعد آیا تو وہ پوچھے بغیر رہ نہ سکا۔

''کیا بات ہے عارش! کہیں اور جوائن کرلیا ہے کیا؟'' حمزہ مسکرایا تھا۔

''نہیں سر! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل جب میں آپ کے پاس آیا تھا تو پہلے دو چیپٹرز ہو چکے تھے۔ ایک ہفتے لگا کر وہی پڑھے ہیں سسٹر سے۔''

حمزہ چونکا۔ ''آپ کی سسٹر وہی ہیں جو ڈگری کالج میں پڑھاتی ہیں۔''

عارش نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''میم حائقہ ارشد......رائٹ؟'' حمزہ نے جیسے یقین دہانی چاہی۔

''جی سر! وہ میری بڑی بہن ہیں۔'' عارش نے کہا۔

☆......☆

میں جیسے ہی الماری میں رجسٹر رکھ کے پلٹی تہمینہ نے زور سے آ کر میرے گلے میں باز و ڈال دیئے۔

''مبارک ہو حاری۔'' خوشی سے اس کی آواز پھٹ رہی تھی۔
''کیا ہو گیا؟'' میں حیران ہوئی تھی۔
''جابز اناؤنس ہو گئی ہیں۔'' تہمینہ بہت خوش تھی۔ مجھے بھی بہت خوشی ہوئی۔ اللہ میرے لیے راستے واضح کرتا جا رہا تھا۔ مجھ سمیت میری سبھی کولیگز نے اپلائی کیا۔ اللہ مجھ پر بہت مہربان تھا۔ فزکس کی دو جابز تھیں اور سب کا مجموعی یقین تھا کہ ان میں سے ایک میری تھی۔ دو دن بعد لیکچرار شپ کی سیٹ بھی اناؤنس ہو گئیں۔ اس پر بھی اپلائی کیا۔ میم شمع اور میم رخسانہ نے مجھے بہت زور لگایا کہ میں گورنمنٹ جاب کے لیے ٹیسٹ نہ دوں۔''
''حائقہ! یہ اسکول کی جاب آپ کے شایان شان نہیں ہے۔ آپ کا مقام تو ماشاء اللہ بہت اونچا ہے۔ بہت بلند۔ آرام سے ایف سی ایس کا ٹیسٹ دے کر یہاں آنا۔ یہی منزل ہے آپ کی۔'' میم رخسانہ نے تو باقاعدہ مجھے ڈانٹ دیا۔
''حائقہ یہ اسکول کی جاب کا ٹیسٹ دے کر آپ باقیوں کے حق پر ڈاکہ ڈال رہی ہیں۔ اللہ آپ سے اتنا پیار کرتا ہے اتنا اچھا اکیڈمک ریکارڈ دیا ہے اس نے آپ کو یوں رلنا یقیناً آپ کا مقدر نہیں ہے۔ آپ کا مقدر یہ ہی ہے جو اب آپ کے پاس ہے۔ میم حائقہ ارشد۔''
واقعی اللہ مجھ سے بہت پیار کرتا تھا بھی تو سب کو اتنا مان تھا مجھ پر اتنا یقین تھا مجھ پر مگر میں نے پھر بھی ٹیسٹ اور انٹرویو دے دیا۔ نہ دیتی تو ابو جی نے قتل کر دینا تھا۔ میرٹ لسٹ لگی تو ایک بار پھر میں خدا کا شکر ادا کرنے کے قابل نہیں تھی۔ پہلا نام میرا تھا اور دوسرا عمیر راؤ کا تھا۔
نہ جانے کس کی قسمت چمکی تھی۔ عمیر کی کہ اس بار فزکس کی دو سیٹیں تھیں یا حائقہ کی۔ عمیر کے ہوتے ہوئے بھی اس کا پہلا نمبر تھا۔ اس کا نام خود سے اوپر دیکھ کے عمیر ٹھیک طرح سے خوش بھی نہ ہو سکا۔ نامحسوس سی جلن ہونے لگی تھی اسے حائقہ سے۔ اس کی اکیڈمی میں اس سے زیادہ حائقہ کا ذکر ہوتا تھا۔ پورے شہر میں پھیل گیا تھا اس کا نام، ڈگری کالج ہو یا آکسفورڈ کالج، لڑکے ہوں یا لڑکیاں، فرسٹ ایئر ہو یا سیکنڈ ایئر۔ رائل اکیڈمی ہو یا وزڈم...... اس کے اسٹوڈنٹس ہوں یا حمزہ کے۔ ہر جگہ، ہر زبان پر صرف ایک نام، حائقہ ارشد۔'' وہ حیران تھا کہ اس نے ابھی تک کوئی اکیڈمی کیوں نہیں کھولی تھی۔ عمیر کو لگا وہ ڈھیرے ڈھیرے اس پر چھا رہی تھی۔ اس کے نام کو رفتہ رفتہ مٹا رہی تھی۔ نئے سیشن کے آغاز سے پہلے ہی پوسٹنگ ہو گئیں۔ عمیر کا اسکول بھی تبدیل ہو گیا تھا۔
''امی اب تو بھائی گزیٹڈ ہو گئے ہیں، ان کے لیے لڑکی ڈھونڈنا شروع کر دیں۔'' اس دن کھانے کی میز پر عالیہ نے اس کی شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ مسکرا کر رہ گیا۔
''ابھی ٹھہرو میں اپنے اسکول کے پنگوں سے ذرا فارغ ہو جاؤں پھر دیکھوں گی۔'' عمیر راؤ نے ایکدم ہی عالیہ کا منہ بند کر دیا تھا۔
''اب کیا پنگے رہ گئے ہیں آپ کے مڈل سے ہائی ہو تو گیا ہے آپ کا اسکول اور حاری جیسی ذہین اور مشہور ٹیچر بھی مل گئی ہے اور کیا چاہیے؟'' عالیہ کی بات پر عمیر ایک دم چونکا تھا۔
''کون حاری؟'' عالیہ نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔
''اوفو، حائقہ ارشد۔ میری ایف ایس سی فرینڈ، اِدھر ڈگری کالج میں پڑھاتی رہی ہے۔'' عمیر کے جیسے چھکے چھوٹ گئے۔ حائقہ ارشد کی اپائٹمنٹ اس کی اپنی والدہ کے اسکول میں ہی ہوئی تھی۔ مطلب باہر تو باہر۔ اب گھر

میں بھی اس کا ذکر ہوا کرے گا۔ اسے چڑ ہو گئی حائقہ سے وہ ثمینہ راؤ کے چہرے کو دیکھ کر رہ گیا۔

☆......☆

اس دن میں کالج سے ریزائن کرنے گئی تو مٹھائی لے کر گئی۔ میرے علاوہ اور کسی کی بھی جاب نہیں ہوئی تھی۔ بھاڑ میں جائے یہ اسکول کی نوکری۔ ہم تو ڈائریکٹ کالج میں آئیں گے۔ شمائلہ کو زیادہ ہی دکھ تھا۔

''اب کب ملنے آؤ گی دوبارہ؟'' تہمینہ نے پوچھا تھا۔

''اب ایسے ہی نہیں آنا یہاں اب تو بس پکے ہو کر آنا ہے، انشاءاللہ۔'' میں نے ہنس کر کہا تھا۔ میم شمع نے باقاعدہ گلے لگا کر دعا دی۔

''حائقہ اللہ پہلے ہی آپ پر اتنا مہربان ہے۔ میرے جیسے بندے کی دعاؤں کی کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔ بہت آگے جانا ہے آپ کو ابھی۔ بس جلدی سے ایم فل کرو اور یہاں واپس آؤ۔ فزکس لیب میں آپ سے زیادہ اور کوئی کھڑا اچھا نہیں لگتا۔''

ڈھیر ساری دعاؤں، امیدوں اور وعدوں کو اپنے ساتھ لے کر میں وہاں سے واپس آئی تھی۔ نئے سیشن کے آغاز سے جوائننگ ہو گئی۔ آکسفورڈ کو خیر باد کہا اور دی اسٹار جوائن کر لی۔ اب تک صرف ایف ایس سی کو پڑھایا تھا۔ یہاں 10th,9th کو پڑھانے کا بھی موقع ملا۔ میں نے سر شوکت کی طرح آسان چیز کو مشکل کر کے نہ پڑھایا بلکہ اسے آسان ہی رہنے دیا اور نہ ہی مشکل کو آسان بنایا۔ جو چیز مشکل ہے وہ آپ کسی صورت آسان نہیں بنا سکتے۔ صرف آسان دکھا سکتے ہیں۔ فزکس پڑھانے کا اصل مزہ مجھے تب آیا۔ اے سی جنریٹر اور ڈی سی موٹر کی ڈایا گرام دیکھ کر بچوں کے چہرے پر پیدا ہونے والی پریشانی جب میں چٹکیوں میں ختم کرتی تو مزہ آجاتا صرف ایک جملہ۔ ''میم یہ تو بہت آسان ہے۔'' صرف ایک فقرہ۔

''میم اتنی اچھی سمجھ کبھی نہیں آئی۔'' صرف ایک تعریف۔

''میم حائقہ جیسی فزکس کوئی نہیں پڑھا سکتا۔'' یہ فقرہ سن کے جو خوشی ہوتی ہے جو احساس ہوتا ہے ساری کائنات کی دولت بھی اس کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔

''میم! اب آپ نے کہیں نہیں جانا، صرف ہمیں پڑھانا ہے۔'' ان بچوں کا یقین ہر چیز سے بڑھ کر تھا میرے لیے۔

کون کہتا ہے کہ استاد کی عزت کم ہو گئی ہے۔ پذیرائی کم ہو گئی ہے۔ کون کہتا ہے آج کل کے بچے عزت نہیں دیتے۔ اگر ایسا ہے تو کیوں کہتے ہیں کہ میم بہت اچھی ہیں۔ کیوں اگلے ٹاپک کی فکر پہلے سے ہی ہو جاتی ہے۔ کیوں ٹیچر کے چھٹی کرنے سے اداس ہو جاتے ہیں۔ کیوں ٹیچر کے جانے کا سن کر چپ ہو جاتے ہیں جو غلط کہتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے لڑکیوں کی آنکھوں سے چھلکتا ہوا پیار۔ لڑکوں کی آنکھوں سے چھلکتی ہوئی عزت اور اگر یہ سب ہی بھی ہے اگر عزت کم ہوئی بھی ہے۔ پذیرائی کم ہوئی بھی ہے تو کیا ہوا۔

گلابوں کے ساتھ کانٹے ہر جگہ ہوتے ہیں۔

گندم کے ساتھ جڑی بوٹیاں ہر جگہ اُگتی ہیں۔

کیا ہوا جو چند بچے عزت کرنا بھول گئے ہیں۔ باقی کے بے شمار تو ابھی بھی جانتے ہیں ناں۔

کیا ہوا جو 100 میں سے 10,12 فیل ہو جاتے ہیں۔ باقی کے 88,90 تو پاس ہوتے ہیں ناں۔

کیا ہوا جو ایک دو کو سمجھ نہیں آتی۔ باقی سب تو کہتے ہیں ناں کہ ''میم حائقہ دی بیسٹ۔''

”کوئی بات نہیں میم! کبھی کبھی سیدھی چیز دیکھنے اور سننے کا بڑا مزہ آتا ہے۔“ اسے عمیر کی بات اچھی نہیں لگی مگر وہ برداشت کر گئی۔ A سے شروع ہو کے وہ Z تک آئی تھی۔
”اب جاب کر رہی ہوں اور ساتھ میں دی اسٹار سائنس اکیڈمی میں پڑھاتی ہوں۔ بس اب اگلی سیڑھی PCS ہے۔ اسکول میں مزہ نہیں آتا۔ دوبارہ کالج جانا ہے۔ لائف میں ایک چھوٹی سی کسک رہ گئی ہے۔ ڈاکٹر نہ بننے کی اور یہ کسک مجھے اپنے چھوٹے بھائی کو ڈاکٹر بنا کر مٹانی ہے۔ بہت زیادہ ذہین ہے وہ، بہت زبردست ڈاکٹر بنے گا، انشاءاللہ۔“
عمیر کی نظریں مسلسل اس کے چہرے پر تھیں۔ حائقہ نے دی اسٹار کب جوائن کی، بس یہ خبر اس کے لیے نئی تھی۔ اجازت لے کر وہ اپنی سیٹ پر کھڑا ہوا تھا۔
”میم! اگر برا نہ مانیں تو میں کچھ کہوں۔“
حائقہ مسکرائی۔ ”برا ماننے والی بات ہوئی تو ضرور مانوں گی۔“
عمیر ہولے سے مسکرایا۔ ”دراصل سر! نو ڈاؤٹ یہ بہت ذہین ہیں۔ بہت تھوڑے سے عرصے میں ہی بہت زیادہ نام کما لیا ہے انہوں نے مگر ان کی اسپیڈ بہت تیز ہے اور عمر بہت کم۔ 21 سال چھ ماہ۔ میرا نہیں خیال کہ انہیں ابھی سے اپنے اوپر اتنا بوجھ ڈالنا چاہیے۔ میری تو ایک ہی تجویز ہے انہیں کہ اپنی رفتار کچھ کم کریں۔ اتنا تیز بھاگیں گی تو بہت جلد تھک جائیں گی۔“ حائقہ کو واقعی اس کی بات اچھی نہ لگی۔
”ایک بات بتائیں مسٹر عمیر! جب آپ پر یہ والا دور آیا تھا تو کیا آپ کی رفتار کم ہوئی تھی؟“ عمیر چپ رہ گیا۔
”نہیں ناں کیونکہ اس دور میں رفتار کم ہو ہی نہیں پاتی، جب آپ کچھ بن جائیں اور آپ کا اپنا کالج آپ کو آواز دے تو لبیک کہنا ہی پڑتا ہے۔ آپ بھی تو دوڑے دوڑے گئے تھے ناں۔ آپ نے بھی تو کھلے دل سے استقبال کیا تھا ناں جب رائل آپ کو ملی تھی۔ نہیں کر سکے تھے نہ آپ بھی انکار۔ کیونکہ ہو ہی نہیں پاتا۔ کامیابی اور شہرت جب مل کر بلاتی ہیں تو کسی سے بھی انکار نہیں ہوتا۔“ عمیر کو لگا اس کے سامنے حائقہ نہیں حارث کھڑا ہے۔
”لیکن گلے لگانے والی کامیابی اور شہرت آپ کی اپنی ہونی چاہیے۔ دوسروں سے چھینی ہوئی نہیں۔“ حائقہ کو پتنگے لگ گئے۔
”تو آپ کا کیا خیال ہے کہ اس وقت جو شہرت اور کامیابیاں آپ کی جھولی میں ہیں وہ آپ کی اپنی ہیں۔“ وہ کہتے ہوئے ہنسی تھی۔
”تو تو عمیر صاحب! میں انہی رستوں اور گلیوں سے ہوتی ہوئی یہاں تک آئی ہوں جہاں سے آپ گزرے تھے۔ سب پتا ہے کہ اس شہرت اور کامیابی میں سر شوکت راؤ کا کتنا حصہ ہے۔“
عمیر کے کچھ کہنے سے پہلے ہی سر عمران نے اسے خاموش کروا دیا۔ غصے سے اس کی آنکھیں سرخ اور چہرہ تمتمانے لگا تھا۔ اس نے قہر بار نظروں سے حائقہ کو دیکھا۔ اسے حائقہ کی آنکھوں میں دوسرا حارث نظر آیا۔ رقابت کی اس ہلکی سی چنگاری نے آگ پکڑ لی تھی۔

☆......☆

”واہ سحر! آپ کا ٹیسٹ تو بڑا زبردست ہے۔“ اس دن اس نے اکیڈمی میں 10th کلاس کا ٹیسٹ

اگر چند ایک 50 فیصد سے کم مارکس لیتے ہیں تو وہ بھی تو ہیں جو 95 سے زیادہ لیتے ہیں۔
اور اگر چند ایک عزت دینا چھوڑ دیں، پڑھنا چھوڑ دیں، محنت کرنا چھوڑ دیں تو کیا ہم انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔
نہیں، بالکل نہیں ماں اپنے نالائق بچے کو گھر سے تو نہیں نکالتی۔ سینے سے لگا کے رکھتی ہے اور استاد......! وہ تو روحانی باپ ہوتا ہے۔ انتہائی شفیق...... انتہائی مہربان...... استاد بھی ہار نہیں مانتا۔ اپنے کمزور بچوں کا ہاتھ کبھی نہیں چھوڑتا اور قدرت۔
کون کہتا ہے کہ قدرت صلہ نہیں دیتی۔ یونہی نہیں دے دیتی سب کچھ، محنت کرنا پڑتی ہے، جان مارنا پڑتی ہے۔ خون پسینہ ایک کرنا پڑتا ہے۔ اپنا سب کچھ اسے دینا پڑتا ہے تبھی وہ صلہ دیتی ہے۔ لیکن...... ضرور دیتی ہے۔
ایک سال میں جتنا صلہ مجھے دیا تھا اس نے وہ میری محنت سے کہیں زیادہ تھا۔

☆......☆

وہ اس دن اسٹاف روم میں تھا۔ جب کلرک نے اس کے سامنے ایک لیٹر رکھا۔
"یہ کیا ہے؟" عمیر حیران ہوا۔
"ٹریننگ ہو رہی ہے آپ کی ڈسٹرکٹ کالج میں، چوبیس دن کے لیے۔"
عمیر نے اپنا سر ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ "او جی پریشان نہ ہوں۔ اسکیل بڑھا ہے تو پنگے بھی تو بڑھیں گے ناں۔" کلرک نے دلاسہ دیا تھا۔ دو دن بعد سے ٹریننگ شروع تھی۔ اسے یقین تھا اس کی کلاس میں موجود 16 لڑکیوں میں سے ایک حائقہ ارشد بھی مگر کون؟ یہ تو انٹروڈکشن کے دوران ہی پتا چلنا تھا۔ ایک ایک کر کے سارا انٹرو مکمل ہو گیا۔ وہ کوئی بھی نہ نکلی۔
"مے کم اِن سر۔" کھنکناتی آواز پر سب دروازے کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔
"یہ Phy-Math کی کلاس ہے؟" ٹیوٹر نے ہاں میں سر ہلایا۔ تو وہ اندر آئی۔
"مس آپ ہی رہ گئی ہیں، تعارف کروا دیں۔" مسکراتے ہوئے وہ بولنا شروع ہوئی۔
"مائی نیم از حائقہ ارشد۔" عمیر نے چونک کے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پرپل فراک، گرین ٹراؤزر، فلیٹ سینڈل اور وائٹ اسکارف کے ساتھ چوڑے فریم کا چشمہ لگائے وہ عمیر کا ہر امیج توڑتی چلی گئی۔ وہ بمشکل ہی تسلیم کر سکا کہ اس نے ایم ایس سی کی ہوئی تھی۔ چاہتے ہوئے بھی وہ خود کو اسے گھورنے سے باز نہ رکھ سکا۔ بریک میں وہ اس کی طرف آیا تھا۔
"ہائے۔ ایم عمیر راؤ۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ حائقہ چونکی۔
"اوہ تو آپ ہیں دی ون اینڈ اونلی عمیر راؤ۔ نائس ٹو میٹ یو۔" وہ مسکرائی تھی۔
"ون اینڈ اونلی تو آپ بھی ہو گئی ہیں۔" عمیر کی بات پر وہ ہنسی۔ عمیر بہت دیر تک اس کے چہرے پر سے نظریں نہ ہٹا سکا۔

☆......☆

اس دن سر عمران نے ان سب کو اپنی اپنی ٹائم لائن بتانے کو کہا تھا۔ عمیر اپنے بارے میں بتا کے فارغ ہوا تو سر عمران نے حائقہ کو بلا لیا۔
"سر! میری ٹائم لائن تو بڑی سیدھی سادھی ہے، مزہ نہیں آئے گا۔" وہ بولی۔

لیا تھا۔
''میم! سحر کو فزکس بہت اچھی لگتی ہے۔'' اس کے ساتھ بیٹھی ثنا فوراً بولی۔ وہ صرف مسکرا دی۔
''میم، سحر کے بھائی بھی فزکس میں ایم ایس سی ہیں۔'' ثناء مسلسل بول رہی تھی۔
''وزڈم میں پڑھاتے ہیں۔ آپ کا بھائی بھی انہی سے پڑھتا ہے میم۔'' ثناء کو اس کے بارے میں اس سے زیادہ پتا تھا۔ وہ ایک دم چونکی۔
''کیا نام ہے سحر آپ کے بھائی کا؟''
''حمزہ مغل۔'' وہ مسکرا کے رہ گئی۔ واقعی دنیا گول ہے۔ حائقہ کا بھائی حمزہ کے پاس اور حمزہ کی بہن حائقہ کے پاس۔
''سحر کو آپ بھی بہت اچھی لگتی ہیں میم۔'' وہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔
''بھائی! آج میں نے میم حائقہ کو بتایا کہ میں آپ کی بہن ہوں۔'' سحر نے شام کو اسے بتایا۔
''اچھا، پھر کیا گفٹ دیا انہوں نے؟'' حمزہ کی بات اسے سلگا گئی۔
''اماں، ہم نے بھائی کی شادی کرنی ہی ہے ناں، میم سے کر دیتے ہیں وہ بہت اچھی ہیں۔'' سحر نے یہ رٹ کئی دنوں سے لگائی ہوئی تھی اور اس کی ضد سے ہی تنگ آ کر ایک دن حمزہ کی والدہ اور خالہ حائقہ کے گھر چلی گئیں۔ حائقہ ابھی ابھی اکیڈمی سے واپس آئی تھی۔ ان کا مدعا سن کے اس کے تو ہوش ہی اڑ گئے۔ بہرحال اس کی اماں نے سبھاؤ سے ٹال دیا۔
''مشورہ کر کے بتا دیں گے۔'' بے شک کچھ بھی بہترین نہیں تھا، نہ گھر، نہ بار، نہ لڑکی...... مگر پھر بھی حمزہ کی والدہ مطمئن ہو کر لوٹ گئیں۔
رومینٹک ٹریک شروع ہو گیا تھا۔

☆......☆

وہ اس دن لیب میں میتھ کی کلاس لے رہی تھی۔ پتہ ہی نہ چلا کہ کب میڈم ثمینہ دروازے میں آ کر کھڑی ہو گئیں۔ سوال مکمل کر کے وہ جیسے ہی مڑی، ایک دم انہیں دیکھ کے ٹھٹھک گئی۔
''آئیں میڈم!'' وہ ان کے چہرے کی مسکراہٹ سمجھ نہ سکی۔
''پرفیکٹ ٹیچنگ۔'' انہوں نے کہتے ہوئے اسے باہر آنے کا اشارہ کیا۔
''تھینکس۔'' وہ 'ان' کے پیچھے باہر آتے ہوئے بولی۔
''ویسے آج اچھی بھی بہت لگ رہی ہو۔'' وہ ان کی تعریف پر شرمندہ سی ہو گئی۔ ثمینہ راؤ کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں پھر ہولے سے بولیں۔ ''حائقہ! کہیں انگیجڈ تو نہیں ہو ناں؟'' وہ چونکی۔
''نہیں، فی الحال تو کہیں نہیں۔'' وہ جھینپ سی گئی۔ ثمینہ راؤ مسکرا کے سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ گئیں۔ حائقہ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔ ثمینہ راؤ کا لہجہ اسے سب سمجھا گیا۔ ایک پڑھے لکھے غیر شادی شدہ بیٹے کی ماں کا لہجہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ شام کو کھانے کی میز پر انہوں نے بات چھیڑی۔
''عالیہ! آج حائقہ کافی زبردست لگ رہی تھی۔ امپریسنگ۔'' عمیر کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔
''میں تو کہتی ہوں کہ لڑکی ہو تو حائقہ جیسی با اخلاق، با کردار، مضبوط، ذہین۔'' عمیر سے کھانا کھانا دوبھر ہو گیا۔

''عمیر کے لیے نہ اسے لے آئیں، بہت اچھی......'' عمیر نے بھڑک کے ان کی بات کاٹ دی۔
''خدا کا واسطہ ہے آپ کو، کوئی ان پڑھ جاہل، گنوار، دیہاتی لڑکی سے بیاہ دیں بے شک مجھے۔ میں خوش رہ لوں گا مگر وہ نہیں۔''
چیخ چیخ کے وہ اوپر چلا گیا۔ ثمینہ راؤ اور عالیہ حیرانی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

☆......☆

سلمان کی شادی ہوئی تو اس نے پوری اکیڈمی کو ٹریٹ دی۔ حارث اور وہ کھانے کا انتظام کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ جب 10th کلاس کی اسٹوڈنٹس اس کے پاس آئیں۔
''سر! یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔'' ثناء غصے سے بولی۔
''کیا ہو گیا بھئی؟'' واقعی، حارث کی مشہور زمانہ قوت برداشت صرف عمیر کے لیے نہیں تھی۔ باقی پوری دنیا کے لیے تھی۔
''میم حائقہ! تو آئیں ہی نہیں۔''
لاتعداد شکایات اور ان کے بعد ایک ہی ڈیمانڈ......میم حائقہ۔ اس نے حائقہ کا نمبر ملایا تھا۔
''اگر آپ چاہتی ہیں ناں کہ میں آج کے دن زندہ سلامت بچ جاؤں تو پلیز آجائیں۔ تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی۔'' حائقہ نے اچھی خاصی منتیں کروائیں۔ دس منٹ بعد جب وہ واپس گرلز سائیڈ پر آیا تو حائقہ کی انٹری ہو گئی مگر......کیا انٹری تھی؟ حارث کا پورا وجود ہلا گئی۔ وائٹ کلر کی فراک میں چوڑی دار پاجامے کے ساتھ ڈھیلی سی چٹیا کیے وہ ایک دم اس سے ٹکرائی تھی۔ حارث سن رہ گیا۔ بہت حسن دیکھا تھا اس نے اپنے 24 سالوں میں مگر ایسا......اتنا معصوم......اتنا پاکیزہ......ایسا نہیں دیکھا تھا۔
''سوری آج گلاسز نہیں ہیں میرے پاس، ٹوٹ گئے۔ اسی لیے نہیں آرہی تھی میں سوری۔''
اور حارث......اٹس اوکے بھی نہ کہہ سکا۔ اب بندہ عمر کے 25 ویں سال میں بھی پیار نہ کرے۔ تو پھر کب کرے۔

☆......☆

''اماں! میں بتا نہیں سکتی کہ میم آج کتنی پیاری لگ رہی تھیں۔ بالکل گڑیا لگ رہی تھیں۔ باربی ڈول۔''
سحر جب سے اکیڈمی سے آئی تھی یہ بات ہزاروں دفعہ دہرا چکی تھی۔ نیوز دیکھتا حمزہ اس کی باتیں سن کے تنگ آ گیا۔
''سحر! کب تھکو گی یہ سب کہہ کہہ کے؟''
سحر تیر کی طرح اس کی طرف آئی تھی۔ ''آپ کا خیال ہے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ یہ دیکھیں ان کی تصویر، میں نے چوری چوری بڑی مشکل سے کھینچی ہے، دیکھیں۔'' سحر نے موبائل اسکرین اس کی نظروں کے سامنے کی تھی۔
''نہیں دیکھنا، رکو......نو......نو......'' اس کے لاکھ روکنے کے باوجود نگاہیں اسکرین پر گڑھ سی گئیں۔ جس شخص کے بارے میں آپ رات دن بس اچھا ہی اچھا سنو وہ جیسا بھی ہو۔ اچھا لگ ہی جاتا ہے۔ کیا تھا اس چہرے میں۔ کچھ بھی نہیں۔ نہ پری جیسا، نہ حور جیسا، نہ چاند جیسا۔ مگر پھر بھی اچھا تھا اور حمزہ مغل اس نے تو کبھی معیار بنائے ہی نہ تھے۔ آنکھوں کو کبھی خواب دیکھنا سکھایا ہی نہیں۔
(جاری ہے)

ردا کی ڈائری

شائستہ جواد کی ڈائری سے

ارم فیاض کی غزل

نئے سال تم جب بھی آنا
سب کے لیے بس خوشیاں لانا
ہر چہرے پر ہنسی سجانا
ہر آنگن میں پھول کھلانا
نئے سال تم جب بھی آنا
جو بچھڑے ہیں انہیں ملانا
جو روتے ہیں انہیں ہنسانا
جو سوئے ہیں انہیں جگانا
جو روٹھے ہیں انہیں منانا
نئے سال تم جب بھی آنا
سب کی دعائیں پوری کرنا
نئے سال تم جب بھی آنا

مہرین کنول مینا کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

اسے کہنا
کتابوں میں رکھے سوکھے پھول
اس کے لوٹ آنے کا یقین اب تک دلاتے ہیں
اسے کہنا کہ اس کی جھیل سی آنکھیں
کسی منظر پر چھا جائیں
تو سب منظر یونہی پھر بھیگ جاتے ہیں
اسے کہنا کہ
ٹھنڈی برف پر کوئی کسی کے ساتھ چلتا ہے
تو قدموں کے نشان پھر سے
اسی کے لوٹ آنے کے ساتھ
نشاں دل پر بناتے ہیں
اسے کہنا کہ اس کی بھیگی آنکھوں کا وہ آنسو
ستارے کی طرح اب بھی ہمیں شب بھر جگاتا ہے
اسے کہنا کہ
بارش کھڑکیوں پر اس کے آنسو پینٹ کرتی ہے
اسی کا نام لکھتی ہے
اسے ہی گنگناتی ہے
اسے کہنا کہ
خوشبو، چاندنی، تارے، صبا، راستے، گھٹا، کاجل
محبت، چاندنی، شبنم، ہوائیں، رات، دن بادل
سبھی ناراض ہیں ہم سے
اسے کہنا
جدائی کے درختوں پر جو سوکھی ٹہنیاں ہیں
وہ ساری برف کی چادر میں کب کی ڈھک چکی ہیں
اور ان شاخوں پر یادوں کے
جو پتے تھے سنہرے ہو گئے ہیں
اسے کہنا
دسمبر سو گیا ہے
اور یخ بستہ وہ بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے
اسے کہنا کہ
لوٹ آئے

افشاں علی کی ڈائری سے

نا معلوم شاعر کی غزل

سفر وفا کی راہ سے منزل جفا کی تھی
کاغذ کا گھر بنا کر بھی خواہش ہوا کی تھی
تھی جگنوؤں کے شہر میں تاروں سے دشمنی
معشوق چاند تھا اور تمنا صبح کی تھی
تم نے تو عبادت کا تماشا بنا دیا
چاہت نماز کی تھی پر عادت قضا کی تھی
میں نے تو زندگی کو تیرے نام لکھا تھا
شاید مگر کچھ اور ہی مرضی خدا کی تھی
درد ہی دینا تھا تو پہلے بتا دیتے
ہم کو بھی بھی ازل سے ہی تمنا سزا کی تھی

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

نہ جانے اس شخص کو کیسا یہ ہنر آتا ہے
شام ہوتی ہے تو آنکھوں میں اتر آتا ہے
اس کی چاہت کا انداز تو جدا ہے سب سے
خوشبو کی مانند وہ میرے دل میں اتر آتا ہے
اک تیرا دھیان ہی تو مجھے سفر میں رکنے نہیں دیتا
یوں تو ہر موڑ پر سایہ دار شجر آتا ہے
وہ بھی آتا ہے میرے شہر تو ملاقات بھی نہیں کرتا
بس چپ چاپ سا میری گلی سے گزر جاتا ہے

شمائلہ دلعباد کی ڈائری سے

خوبصورت نظم

میں گیا تھا اس گلی میں کئی خواہشیں پہن کر
وہ جو تھیں بہت شناسا انہی کھڑکیوں سے اب کہ
کسی رخ کی روشنی سے نہ چراغ کوئی لرزا
نہ ستارا کوئی چمکا نہ پھول کوئی آیا
دل منتظر کی جانب
نہ اٹھائی کوئی چلمن کسی دست پر حنا نے
نہ صبا کی دستکوں سے کوئی پردہ سرسرایا
کسی خواب سے الجھ کر نہ چوڑیاں کھنکیں
کسی آنکھ میں سمٹ کر
نہ چاند مسکرایا
میں گیا تھا اس گلی میں کئی خواہشیں پہن کر

شہلا گل سحر کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

مجھ سے ملنے سے گریزاں رہو
ہم دم میرے
کہ بعد وصل جدائی کی گھڑیاں
دل پر گراں ہوتی ہیں
میں یاد کے کچھ دیپ
جلا لیتی ہوں
پھر تصور میں تجھے پاس بلا لیتی ہوں
جب چاہوں کوئی بات کہہ لیتی ہوں
جب چاہوں تجھے پیار سے چھو لیتی ہوں
پر! ملاقات کے بعد جو گھڑیاں آتی ہیں
چند لمحوں کی رفاقت یہ فنا ہوتی ہیں
پھر! یہ آنکھیں تجھے تکنے کی
ہوس کرتی ہیں
دل کی دھڑکن تجھے
پانے کی طلب کرتی ہے
ایسے لمحات میں خود کو سنبھالنا بہت مشکل ہے
اس سے بہتر ہے
کہ تم
ملنے ہی نہ آیا کرو

......☆......

اشعار

شمائلہ جاوید ــــــ عمان
ستارۂ وصال یار برج میں کب آئے گا
نجومیوں سے ہم سارا سال پوچھتے رہے

ریمل آرزو ــــــ اوکاڑہ
میں علیل عشق ذات ہوں
ترا قرب ہی میرا علاج ہے

سباس گل ــــــ رحیم یار خان
لوگ عشق محبت پیار وفا کی باتیں کرتے ہیں
ہاں عشق محبت پیار وفا کی "صرف" باتیں کرتے ہیں

مریم ماہ منیر ــــــ لاہور
ہم نے سنا ہے پوچھتا پھرتا ہے وہ ہمارا راستہ
خود ہی بے وفائی کے فاصلے پیدا کیے اب حاصل کیا

ریما نور رضوان ــــــ کراچی
دل میں غم یار کا قصہ لیے ہوئے
جاگ رہے ہو تو پاگل ہو سو رہے ہو تو جھوٹے ہو

فرزانہ شوکت ــــــ کراچی
آسان راستے کو بھی مشکل سمجھ لیا
تم نے یہ کس پڑاؤ کو منزل سمجھ لیا
میری رگوں میں مشرقی تہذیب تھی رواں
اُس نے نہ جانے کیوں مجھے بزدل سمجھ لیا

سدرہ شاہین ــــــ خانیوال
سن لے اے دوست صدائیں میری
تیرے ساتھ ہیں ساری دعائیں میری

تم پہ کبھی نہ آئے غم کی دھوپ شاہین
دور ہوں ساری بلائیں تیری

حنا علی ــــــ ملتان
اب کے برس کچھ ایسی تدبیریں کرتے ہیں
مل کے اک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
کچھ خواب یقین کی سرحد پر آ پہنچے
آنکھ کھلنے سے پہلے ان کی تعمیر کرتے ہیں

نوشین مدثر ــــــ لاہور
نئی رتیں، نئے خواب ہیں اور چاہتوں کے سلسلے
سالِ نو کے سنگ ہیں تیری گلاب رفاقتوں کے سلسلے
کبھی دن بھر تجھے سوچنا کبھی رات بھر ہے جاگنا
تیری یاد ہے میں ہوں اور جنوری کی شاموں کے سلسلے

امبرین حیدر ــــــ اسلام آباد
منظر بدل گئے پس منظر بدل گئے
حالات اپنے شہر کے یکسر بدل گئے
موسموں کے بدلنے پر بھی حیران نہ ہوئے تھے ہم
اب سوچتے ہیں کتنے کیلنڈر بدل گئے

نور بانو ــــــ کوئٹہ
پہلے سے خدوخال نہ پہلے سے ہیں خیال
ہم کتنا ایک سال کے اندر بدل گئے

عانیہ نیازی ــــــ ربوہ
اب کے برس کچھ ایسی تدبیر کرتے ہیں
چلو اک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں

خزاں کی اجاڑ شام میں نہ آئیں اگلے سال
آؤ اس بہار رُت کو زنجیر کرتے ہیں
اریشہ __________ کمالیہ
پھول کھلنے کا جو موسم میرے دل میں اترا
تیرے بخشے ہوئے کچھ زخم عجب یاد آئے
یہ خنک رت یہ نئے سال کا پہلا لمحہ
دل کی خواہش ہے کہ محسن کوئی اب یاد آئے
رابعہ منیر __________ سرگودھا
یوں ہی ختم ہجر کا باب ہو نئے سال میں
کوئی خواب ہی تیرا خواب ہو نئے سال میں
کبھی یوں بھی ہو کسی شب تو مجھ سے آملے
گئے رتجگوں کا حساب ہو نئے سال میں
عاصمہ رشید __________ فیصل آباد
سال نو میں گلاب ڈھیروں کھلانے ہیں
روٹھے ہوئے دوست سارے منانے ہیں
بند آنکھوں میں جو چھپ رہے ہیں ریت کی طرح
پلکوں کو کھول کر آنسو سارے گرانے ہیں
مریم نواز __________ ملتان
وہی گلیاں وہی کوچے وہی سردی کا موسم ہے
اسی انداز سے اپنا نظام زیست برہم ہے
وہ جس کے ہونے سے زندگی نغمہ سرائی ہے
اسے کہنا بھیگی جنوری لوٹ آئی ہے
نگہت توقیر __________ چیچہ وطنی
ہمیں تو عمر کرنی ہے بسر رنج و ملال میں
خدا کرے وہ خوش و آباد رہے نئے سال میں
دھنک ناز __________ کراچی
اے کاش یہ نیا سال خوشیوں کی نوید لائے
اس ملک کے ہر شہری کو یہ سال راس آئے

نہ ہو سانحہ کوئی، اب نہ اجڑے کوئی گھر
نئے سال کا ہر لمحہ پیغام امن لائے
اسماء جمشید __________ ڈی آئی خان
کیا رکھا ہے اپنی زندگی کے اس افسانے میں
کچھ گزری ہے اسے چاہنے میں کچھ گزر جائے گی اسے بھلانے میں
ساجدہ جمشید __________ ڈی آئی خان
رابطے میں ذرا اضافہ کیجیے
یادوں سے گزارا اب نہیں ہوتا
سیما ناصر __________ ڈی آئی خان
جن کی نظروں میں ہم نہیں اچھے محسن
کچھ تو وہ لوگ بھی برے ہوں گے
ثنا سجاد __________ ڈی آئی خان
گونجتے رہتے ہیں الفاظ میرے کانوں میں
تم تو آرام سے کہہ دیتے ہو اللہ حافظ
مہوش اویس __________ ڈی آئی خان
مجبوریوں کے نام پر دامن چھڑا گئے
وہ لوگ جن کی باتوں میں دعوے ہزار تھے
صبا سحر __________ ہارون آباد
تھا ہر دن کی طرح دن، رات کی طرح رات
اک شور سنا نیا سال مبارک نیا سال مبارک
شمائلہ ملک __________ کراچی
نئے سال تو کتنے آتے ہیں چلے جاتے ہیں
جس سال تو قریب ہو گا وہی تو نیا ہو گا
ثناء حیات __________ کراچی
جنوری کی سردیوں میں ایک آتش داں کے پاس
گھنٹوں تنہا بیٹھنا بجھتے شرارے دیکھنا
جب بھی فرصت ملے تو گوشہ تنہائی میں
یاد ماضی کے پرانے گوشوارے دیکھنا

......☆......

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباس

اس ماہ وفا کے موتی

چڑیا نے فاختہ سے پوچھا: ”آپا یہاں جو لوگ ہوتے ہیں، انسان۔ جن کے ساتھ میں رہتی ہوں یہ اتنے بے چین کیوں ہوتے ہیں؟ یہ بھاگتے کیوں پھرتے ہیں؟ دروازے کیوں بند کرتے اور کھولتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟“

فاختہ نے کہا: ”میرا خیال ہے جس طرح ہم جانوروں کا ایک اللہ ہوتا ہے۔ ان کا کوئی اللہ نہیں اور ہمیں چاہیے کہ ہم سب مل کر دعا کریں کہ ان کو بھی ایک اللہ مل جائے اس طرح انہیں بھی آسانی ہو جائے گی۔ کیونکہ اگر انہیں اللہ نہ مل سکا تو مشکل میں زندگی بسر کریں گے۔

اقتباس: اشفاق احمد زاویہ

ریما نور رضوان۔ کراچی

اس ماہ عمل

انسان ہمیشہ دو چیزوں کے درمیان ہوتا ہے۔ ایک طرف مسائل ہوتے ہیں اور دوسری طرف مواقع۔ یہ قدرت کا اٹل اصول ہے اور دنیا میں کوئی دوسرا قانون ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسی حالت میں عقل مندی یہ ہے کہ مسائل کو نظر انداز کیا جائے اور مواقع استعمال کیے جائیں، کیونکہ مسائل کو نظر انداز کرنے سے ہمیں عمل کے لیے وقت ملتا ہے اور مسائل سے الجھنے کا مطلب ہے وقت ضائع کرنا۔

مولانا وحید الدین خان کا نظریہ

روشنی فاطمہ فیصل۔ کراچی

اس ماہ کے اقوال

☆ لوگوں سے قدر کرنے کا شکوہ نہ کرو کیونکہ جو انسان خدا کو بھول جائے وہ سب کو بھول سکتا ہے۔

☆ تمہاری نیت کی پیمائش اس وقت ہوتی ہے جب تم کسی ایسے شخص کے ساتھ بھلائی کرو جو تم کو کچھ بھی نہ دے سکے۔

☆ حضرت علیؓ سے کسی نے سوال کیا۔ ”اگر انسان کی قیمت کا پتا کرنا ہو تو اس کا کیا معیار ہوگا؟“

حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ ”جس انسان میں جتنا زیادہ احساس ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ قیمتی ہے۔

☆ خواہش پرستی ہلاک کر دینے والا اور بری عادت ایک زور آور دشمن ہے۔

☆ ذلت اٹھانے سے بہتر ہے کہ تکلیف اٹھاؤ۔

☆ سزا دینے میں دیر کرو یہاں تک کہ تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔

☆ کسی کو نیک بات بتانا، خاموش رہنے سے بہتر ہے اور کسی کو بری بات بتانے سے خاموش رہنا بہتر ہے۔

☆ نادانوں کی بات پر تحمل، عقل کی زکوۃ ہے۔

روشنی فاطمہ فیصل۔ کراچی

اس ماہ کی نظم

نیا سال

آیا ہے نیا سال دل میں آئے کئی خیال
جو گزر چکے ہیں انہیں بھول جا
دل میں بسا نئی ترنگ
کاش یہ سال لائے تیرے لیے
میرے ملنے کی نوید
ہر بات ہوگی وہی
مگر یہ بات ہوگی نئی

فرزانہ شوکت۔ کراچی

اس ماہ میں

ش سے شوہر

جی ہاں! "ش سے شیر" پڑھاتے ہوئے نصف صدی گزر چکی ہے۔ جدید تدریسی ماہرین کی متفقہ رائے ہے کہ بچوں کو زبان سکھانے کے لیے ان کے اپنے ماحول سے متعلق چیزوں کی مثالیں دی جائیں۔ آپ خود سوچیں پچاس سال سے ہم بچوں کو اس چیز کی مثال دے رہے ہیں، جو ہر جگہ موجود نہیں ہوتی۔ یہ ٹھیک ہے کہ شہر کے بچے چڑیا گھر میں شیر کو دیکھ سکتے ہیں مگر وہ بھی مریل سا قیدی شیر جو شیر ہوتے ہوئے بھی شیر نہیں ہوتا۔ اس لیے شیر کے بجائے ش سے شوہر کے متعلق بتایا جائے جو شیر نہ ہوتے ہوئے بھی شیر ہوتا ہے اور ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح "س" سے سیاستدان پڑھایا جائے۔

جس طرح دونوں حروف میں مماثلت اور مطابقت ہے، اسی طرح ان سے بننے والے دونوں الفاظ سیاستداں اور شوہر میں سو فیصد مماثلت ہے۔ سیاستداں الیکشن سے پہلے اپنے حلقے کا دورہ کرتا ہے۔ بیمار پرسی اور تعزیت اور خیر خواہی کا علمبردار بن جاتا ہے۔ اسی طرح "شوہر" بھی شادی سے پہلے سسرال کے چکر لگاتا ہے۔ محبت، وفاداری اور خاکساری کا پرچار کرتا ہے۔ سیاستدان الیکشن کے دن جلوس کی صورت میں نعرے لگاتے حمایتیوں کے درمیان نمودار ہوتا ہے اور شوہر شادی کے دن بینڈ باجے اور براتیوں کے جلوس کے ساتھ نمودار ہوتا ہے۔ سیاستدان کو بھی اس کے دیوانے پھول پہناتے ہیں۔ شوہر کو بھی "عبداللہ دیوانے" پھول پہناتے ہیں۔

سیاستدان کو الیکشن کے بعد وزارت ملتی ہے، شوہر کو بیوی ملتی ہے۔ سیاستدان وزارت ملتے ہی حلقے کے ساتھ حمایتوں کو بھول جاتا ہے۔ شوہر بھی بیوی ملتے ہی سسرال کے ساتھ براتیوں کو بھول جاتا ہے۔ سیاستدان وزارت کو اور شوہر بیوی کو گھر کی لونڈی سمجھتا ہے۔ ہر سیاستدان کو اپنی وزارت سے زیادہ اچھی دوسری وزارت لگتی ہے۔ ہر شوہر کو اپنی بیوی سے زیادہ دوسرے کی بیوی خوب صورت لگتی ہے۔ ہر سیاستدان آزادی نہیں ہوتا۔ اوپر (ماں باپ) سے ڈکٹیشن لیتا ہے۔ سیاستدان وزارت کے بعد ملک سے باہر رہتا ہے اور شوہر شادی کے بعد گھر سے باہر رہتا ہے۔ سیاستدان کے بچے بڑے ہو کر سیاستدان بنتے ہیں اور شوہر کے بچے بھی بڑے ہو کر شوہر بنتے ہیں۔ اب اتنے ثبوت ملنے کے بعد یقیناً آپ بھی گنگنا رہے ہوں گے "س" سے سیاستدان "ش" سے شوہر۔

ایس۔ امتیاز احمد۔ کراچی

بے ہنگم ہجوم

تخلیق انسان اور بابا آدم اور اماں حوا کی زمین پر آبادکاری کے بعد سے شروع ہونے والا سلسلہ انسان جاری و ساری ہے۔ بستیوں کی آبادی بھی جاری ہے اور کثرت سے فنا بھی جاری ہے مگر جب تک خالق چاہے گا اپنی تخلیق کا یہ سفر جاری رہے گا پھر ایک دن تمام مخلوق کو اپنے ہاں بلائے گا اور میدان حشر میں سب سے حساب کتاب ہوگا۔ دنیا کے کونے کونے میں بسنے والے ہر انسان کو اللہ کے حضور پیش ہو کر سزا اور جزا کا فیصلہ اس کی دنیاوی زندگی کے مطابق ہوگا۔ ہر ایک وقت میں دنیا کے ہر خطے میں مختلف رنگ و نسل کے انسان آباد رہے ہیں، دور جہالت میں روشنی کی کرن پھوٹی اور حضرت محمدؐ کی آمد باعث زمانہ جہالت کی تاریکی کا خاتمہ اور ہر طرف اجالا ہو گیا۔ آپؐ بحیثیت کل کائنات ہیں، آپؐ محبوب خدا ہیں۔ ہمیں اپنے اندر کا جائزہ لینا ہوگا کہ کیا ہم آج وارث اسلام ہیں؟ خود کو مسلمان کہلانے کا تو بہت شوق رکھتے ہیں مگر کیا اس دین کے پیروکار بھی ہیں جو سلامتی کا درس دیتا ہے۔

دنیا کے نقشے پر دو سو سے زائد ممالک اپنا وجود رکھتے ہیں، ہر ملک کے عوام کا اپنا طرز رہن سہن ہے مگر ایک چیز جو کثرت سے دیکھنے میں آتی ہے وہ ان کا بحیثیت قوم یکجا ہونا ہے، دور بھی نہ جائیں اپنے آس پاس کے ممالک پر نظر دوڑائیں تو آپ کو اس بات کے ثبوت مل جائیں گے مگر آپ کو دنیا بھر میں ایک بھی ملک ایسا نہیں ملے گا جہاں قوم کی بجائے ''بے ہنگم ہجوم'' بستا ہو، اس ''بے ہنگم ہجوم'' کا مذہب جس قدر سچا ہے اتنا ہی یہ لوگ اس سچائی سے دور بھاگنے کی سر توڑ کوشش میں ہمہ وقت مصروف عمل ہیں۔ اس بات میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ آٹے میں نمک کی مانند ایسے چند صاحب کردار لوگ بھی موجود ہیں جو بلاشبہ قابل ستائش ہیں مگر اللہ کے یہ فرمانبردار لوگ آج اس سر پھرے ہجوم میں بے بس کٹی پتنگ کی مانند ڈولتے نظر آتے ہیں۔

آج تو مسلمان کی حالت یہ ہے کہ جب تک جھوٹ نہ بولے، جھوٹی قسم کھا کر تجارت نہ کرے، دوران نماز دن بھر کے کاروبار کی پڑتال نہ کرے، لوگوں کا جائز حق غصب نہ کرے اس کی مسلمانیت پوری ہی نہیں ہوتی۔

آج ہم نے بحیثیت قوم دیگر اقوام کی نسبت اخلاقی گراوٹ کی تمام حدوں کو عبور کر لیا ہے۔ ہم تہذیب و تمدن، معاشرتی اقدار، رواداری، اخلاقیات اور احکام الٰہی سے اس قدر دور جا چکے ہیں جتنا مشرق سے مغرب دور ہے، آج وطن عزیز میں ذات پات، برادری ازم، لسانیت، فرقہ پرستی تو عام ہے مگر ایسا کوئی نہیں ملے گا جو خود کو بحیثیت پاکستانی کہلانے میں فخر محسوس کرے حالانکہ وہ لوگ جو خود کو بحیثیت قوم متحد رکھنے میں کامیاب ہیں۔ آج دنیا پر حکمرانی کر رہے ہیں، سب سے بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ آج ہم میں سے کوئی بھی صراط مستقیم پر چلنے کو تیار نہیں ہے۔ ہم دوسروں پر تو انگلی اٹھانے کو اپنا حق اور اپنے اوپر اٹھی انگلی کو فوراً توڑ دینے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، ہم میں سے ہر شخص اپنے آپ کو فرشتہ اور اس سے قطع نظر کہ ابلیس بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی عبادت گزار فرشتہ تھا اور حکم الٰہی کو نہ ماننے کی پاداش میں بارگاہ الٰہی سے نکال دیا گیا اور قیامت تک لعین ٹھہرا، دیکھا

جائے تو ہم بھی آج یہی طرز عمل روا رکھے ہوئے ہیں۔ آج تو صورت حال اس قدر خراب ہو چکی ہے کہ ہم محض اپنے مفاد کی خاطر دین الٰہی کو داؤ پر لگانے کو تیار ہو چکے ہوتے ہیں۔ ابلیس بھی آج ہمیں دیکھ کر شرمندہ ہوتا ہوگا کہ نافرمانی کر تو بیٹھا ہوں مگر "لاحاصل" دنیا بھر میں آپ کو کوئی ایسا خطہ نہ ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی اس قدر بے بہا نعمتوں سے آراستہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایسا ٹکڑا عطا کیا جو دنیا بھر کے خزانے اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے مگر افسوس کہ اس خطے پر سرگرداں بے ہنگم ہجوم شکر کی بجائے گستاخیوں کی اس راہ پر گامزن ہے جس کا انجام وہ ذلت و رسوائی ہے جو ان قوموں کا مقدر بنتی ہے۔ ہر گزرتا دن ہمارے مقدر کے اندھیروں کو مزید سیاہ سے سیاہ تر کر رہا ہے کیونکہ اندھیروں کی روش پر ہماری ثابت قدمی سے پیش قدمی تیزی سے ہمیں پستی کی طرف لے جا رہی ہے۔ ہم لالچ کی پاتال میں گرتے جا رہے ہیں نا صرف خود گر رہے ہیں بلکہ اپنے تمام ساتھیوں کو بھی بڑی محنت کے ساتھ اپنے ساتھ اس پاتال کا ایندھن بنا رہے ہیں۔ جہاں پر ہمارا مقدر غلامی کے طوق ہیں۔ وہ وقت اب زیادہ دور نہیں ہے بس کچھ عرصہ اس روش پر سفر کرتے رہے تو غلامی کے دہکتے طوق ہماری گردنوں کو ناپنے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔ آج ہماری روش جن اندھیروں کی آماجگاہ بن چکی ہے اگر ان اندھیروں کی سیاہی کو دور نہ کیا گیا تو تاریخ کے صفحات میں ہمارا نام و نشان حرف غلط کی طرح مٹ جائے گا۔

پستی سے بلندی تک کا سفر بڑا کربناک، دشوار اور بے بہا قربانیوں کا مرہون منت ہوتا ہے۔ لمحوں کی خطا کو صدیوں کی سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے افسوس کہ ہم نے یہ سفر تو طے کیا مگر منزل مقصود پر پہنچ کر پھر سے پستی کے سفر پر نکل پڑے۔ بلندی سے پستی تک کا سفر پلک جھپکنے میں طے ہو جاتا ہے اور آج ہم اس پلک جھپکنے تک کے سفر کو طے کر چکے ہیں۔ 18 کروڑ سے زائد کا یہ بے ہنگم ہجوم اپنے مقدر کے اندھیروں کو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی تقدیروں میں کاتب وقت بن کر لکھ رہا ہے دلاسے، امیدیں، خوش خبریاں، الفاظ کی جادوگریوں میں اپنی جگہ اپنا اپنا رنگ جما رہے ہیں مگر "قدرت" اپنا فیصلہ دینے پر عین قادر ہے۔

ملک جواد نواز قریشی۔ ڈیرہ اسماعیل خان

اس ماہ کی مزاحیہ غزل

فرنگی کا جو میں دربان ہوتا
تو جینا کس قدر آسان ہوتا
میرے بچے بھی امریکہ میں پڑھتے
میں ہر گرمی میں انگلستان ہوتا
میری انگلش بھی بلا کی چست ہوتی
بلا سے جو میں نہ اردو دان ہوتا
سر جھکا کے جو ہو جاتا "سر" میں
تو لیڈر بھی عظیم الشان ہوتا
زمینیں میری ہر صوبے میں ہوتیں
میں واللہ صدر پاکستان ہوتا

حبیب جالب

ریما نور رضوان۔ کراچی

......☆......



حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت عمران بن حصین ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
''اللہ تعالیٰ اپنے مومن، تنگ دست، سوال سے بچنے والے، بال بچوں والے بندے سے محبت فرماتا ہے۔'' (ابن ماجہ)

حمدیہ قطعہ

بے سہاروں کا آسرا تو ہے
دردِ دل کی جو ہے دوا تو ہے
یہ میرا فخر ہے کہ دنیا میں
کوئی ہو یا نہ ہو، میرا تو ہے

راؤ تہذیب حسین تہذیب۔ رحیم یار خان

کلمے کی طاقت

اللہ تعالیٰ نے جب بھی باطل کو توڑا، کفر کو مٹایا وہ اس کلمے کی محنت کے سبب توڑا۔ جب اخلاص اور قوت کے ساتھ کلمہ وجود میں آتا ہے تو باطل کو توڑ دیتا ہے جب کوئی قوم ہلاک ہوئی مسلمان ہوں یا کافر، اس لیے ہلاک نہیں ہوئے کہ ان کے پاس طاقت کی کمی تھی یا دنیاوی اسباب نہ تھے اللہ کا دستور ہے اور قیامت تک رہے گا کہ جب لوگوں کے اعمال میرے حکم کے خلاف ہوں گے تو میں انہیں ہلاک و برباد کردوں گا اور کوئی انہیں بچا نہ سکے گا۔ اللہ کا فرمان ہے کہ ہم حق کو باطل پر پھینکتے ہیں تو باطل کا نام و نشان تک مٹ جاتا ہے یہ اس وقت ہوتا ہے جب کلمے والے کلمہ کو سیکھ لیتے ہیں اور کلمے کے مطابق ان کی زندگی ڈھل جاتی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اس کلمہ کو لے کر اٹھے۔ سامنے پوری دنیا کا باطل ہے لیکن آپؑ نے پوری محنت کے ساتھ ان تک کلمہ یعنی اللہ کا پیغام پہنچایا لیکن صرف 80 یا 82 لوگوں نے اس دعوت حق کو قبول کیا آپ نے ساڑھے نو سو سال تک لوگوں پر اس کلمہ کی محنت کی۔ نبی اللہ کی عظمت کو خود اپنے اور لوگوں کے دلوں میں بٹھاتا ہے ہر نبی یہی کام کرتا ہے۔

تمام انبیاء کلمہ کی محنت کرتے تھے اور لوگوں کو بتاتے تھے کہ لوگو ''لا الہ الا اللہ'' پڑھو! کامیاب ہو جاؤ گے، کامیابی مال، ملک اور عہدے میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو ماننے میں ہے۔ کلمہ کا یقین دل میں اتارنے سے زندگی بنتی ہے۔ زندگی کا بننا اور بگڑنا اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہے کامیاب کردے اور جسے چاہے ناکام کردے۔ کلمہ ایک خالی بول نہیں بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق زندگی کو گزارو یعنی اللہ سے سب کچھ ہونے کا یقین اور مخلوق سے کچھ نہ ہونے کا یقین۔ آج بھی اگر مسلمان کی زندگی اس کلمہ کے مطابق بن جائے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اس طرح آسکتی ہے جس طرح

صحابہ کرامؓ پر اترتی تھی۔ کلمہ بھی وہی ہے اور اس کا مفہوم اور مقصد بھی وہی ہے لیکن کلمہ والے بدل چکے ہیں۔ آج گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ہمارے دل سیاہ ہو چکے ہیں اور ہم اللہ پاک کی ذات اور صفات کو بھول چکے ہیں۔

آج مسلمانوں کے زوال کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری معاشرت، معیشت، سیاست غرض کہ زندگی کے تمام پہلو کلمہ کے مطابق نہیں ہیں۔ ہم اپنی من مانی کی زندگی گزار رہے ہیں اور اسی وجہ سے ہمارے ساتھ اللہ کی مدد اور نصرت نہیں ہے اگر ہم آج بھی کلمہ کے مطابق عمل کرنے والے بن جائیں تو ہمارے اوپر بھی صحابہ کرامؓ جیسی اللہ کی مدد اتر سکتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کلمہ کے یقین کو ہمارے دلوں میں اتار دے، (آمین)۔

ملک جواد نواز۔ ڈیرہ اسماعیل خان

دلوں کا میل

خلیل جبران کا گزر ایک دھوبی گھاٹ سے ہوا۔ وہاں ایک دھوبی کپڑے دھونے میں مصروف نظر آیا۔ خلیل جبران نے اس سے پوچھا۔

''تم کیا کرتے ہو؟''

دھوبی نے جواب دیا۔ ''میں کپڑوں سے میل کچیل نکالتا ہوں۔''

''آپ کیا کرتے ہیں؟'' دھوبی نے جبران سے پوچھا۔

''تم کپڑوں کا میل کچیل نکالتے ہو۔ میں دلوں کا میل کچیل نکالتا ہوں۔'' جبران نے جواب دیا۔

گلناز فاطمہ۔ کہروڑ پکا

بلا عنوان

بیوی۔ ''اگر میں گم ہو جاؤں تو تم کیا کرو گے۔''

شوہر۔ ''اخبار میں اشتہار دوں گا۔''

بیوی خوش ہوتے ہوئے۔ ''کیا لکھو گے اشتہار میں؟''

شوہر۔ ''جسے ملے تھوڑا اور دور چھوڑ آئے۔''

عائشہ امین خان عائش۔ کراچی

خواب

خواب کیا ہوتے ہیں؟ کیسے ہوتے ہیں اور کیوں آتے ہیں؟ خواب ایک ایسی چیز ہے جو ناممکن کو ممکن بناتے ہیں، کیسے ہوتے ہیں؟ صرف وہی جانتا ہے جس نے خواب دیکھے ہوں۔ خواب، اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی، سچے بھی ہوتے ہیں اور جھوٹے بھی ہوتے ہیں اور ڈراؤنے بھی۔ خوابوں پر دنیا کی کوئی طاقت پابندی نہیں لگا سکتی اور نہ ہی خوابوں پر مارشل لاء لاگو ہو سکتا ہے۔ کچھ خواب نیند میں دیکھے جاتے ہیں اور کچھ خواب جاگتی آنکھوں سے بھی دیکھے جاتے ہیں۔ خواب آسمان والے کی طرف سے انسان کے لیے ایک عطیہ ہیں۔ خواب میں کوئی چیز ناممکن نہیں ہے انسان اپنی ناتمام خواہشات صرف خوابوں میں پوری کر سکتا ہے۔ ہر انسان کے لیے اس کا محبوب کائنات کا مقصد ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ ساری کائنات فقط اس کے محبوب کے لیے تخلیق کی گئی ہے اور سب سے مشکل کام وصال یار ہوتا ہے لیکن عاشق نامراد اپنی ہر حسرت صرف خواب کے ذریعے ہی پوری کر سکتا ہے۔ جب ظالم دنیا دیکھتی ہے کہ کوئی شخص اپنی ناتمام خواہشات خوابوں کے ذریعے پوری کر رہا ہے تو یہ ظالم دنیا، اس کے خواب بھی چھین لیتی ہے۔ اس کی نیند بھی چھین لیتی ہے لیکن وہ پھر جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔

خواب تو ہر شخص دیکھتا ہے لیکن ان خوابوں کی تعبیر قسمت والوں کو ملتی ہے، خوابوں کا تصور اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ انسان خود قدیم ہے۔ ماہرین کے مطابق خواب صرف انسان دیکھتے ہیں جب ہم سوتے ہیں تو دماغ جاگ رہا ہوتا ہے، ارسطو کہتا ہے۔ انسان آنکھوں کے ذریعے جن اشیاء کو دیکھتا ہے تو ان کے دیکھنے سے جو تصورات ابھرتے ہیں وہ خواب کہلاتے ہیں۔

افلاطون کہتا ہے۔ ''خواب، دماغ کا عمومی عمل ہوتا ہے۔''

پرانے لوگوں کی رائے کے مطابق بھوت، جن اور بدروحیں خواب دیکھنے والے کو ملنے آتی ہیں۔ جدید تصورات ان تمام تصورات کو رد کرتے ہیں۔ دور جدید کا مشہور سائیکالوجسٹ فرائڈ نے خواب کی وجوہات بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ خواب دیکھنے والے پر کچھ بیرونی عوامل اثر انداز ہوتے ہیں، روز کے اندرونی عوامل اثر انداز ہوتے ہیں۔ بیرونی عوامل میں بادل کی گرج بجلی کی کڑک سخت طوفان اور ماحول کی بناوٹ شامل ہیں۔ اندرونی عوامل میں دفاعی بیماری انسان کی پانچ حسوں میں سے کسی حس کا کام نہ کرنا شامل ہے۔ اس کے علاوہ انسانی دماغ میں محفوظ تصورات بھی خوابوں کا باعث بنتے ہیں۔ کچھ خواب سچے ہوتے ہیں۔ مثلاً پیغمبروں کے خواب، اولیا اللہ کے خواب۔

انسان کو اپنی اوقات سے اونچے خواب نہیں دیکھنے چاہئیں۔ کیونکہ جب ان خوابوں کی تعبیر انہیں نہیں ملتی تو یہی خواب انسان کے لیے عذاب جان بن جاتے ہیں اور جب یہ خواب ریزہ ریزہ ہوتے ہیں تو ان خوابوں کے ساتھ انسان خود بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور تمام عمر اپنے جسم کی کرچیاں اکٹھی کرتے ہوئے گزار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے خواب سلامت رکھے اور ان کی تعبیر بھی دے، (آمین)۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

نئے سال کی آمد پر

پیارے پڑھنے والو
آپ کو نیا سال 2016ء مبارک ہو
خدا کرے یہ پچھلے سال سے بہتر ہو
ہم سب کو خوشیاں دے اور
بلاؤں سے دور رکھے
خدا کرے ہمارے حالات بدلیں
ہمیں مشکلات سے نجات ملے
بجلی کی گیس کی لوڈشیڈنگ سے نجات ملے
بجلی کی گیس کی لوڈشیڈنگ سے نجات ملے
بھوک، افلاس، مہنگائی اور بیماری سے رہائی ملے
خدا کرے ہماری حکومتوں اور حکمرانوں کے فاصلے ہم سے عوام سے کم ہوں
خدا کرے ہم جو چاند تک پہنچ گئے ہیں
پڑوسی کے دل تک بھی پہنچ سکیں
خدا کرے حکمرانوں کو عام آدمی کے دکھ درد کا احساس ہو
خدا کرے دہشت گردی، لاقانونیت اور ظلم وزیادتی ہمارا پیچھا چھوڑ دیں
خدا کرے پاکستان کا نظام بدل جائے اور
جبر واستحصال سے عام آدمی کو چھٹکارا مل جائے
خدا کرے ہمارے حکمران
ہمارے سیاستدان عوام کے لیے
جھوٹ اور مکر و فریب کے جال بننا چھوڑ دیں
خدا کرے وہ پاکستان سے لوٹ مار کر کے دنیا بھر میں بنانے والے اپنے اپنے کاروبار، بینک

بیلنس اور جائیدادیں فروخت کر کے عوام کی امانت واپس پاکستان لے آئیں اور ہم صرف ایک عمل سے غیر ملکی قرضوں سے نجات حاصل کر کے آئی ایم ایف ورلڈ بینک کی غلامی سے نجات حاصل کر لیں

خدا کرے ہماری عدالتوں سے انصاف سستا
ملے اور جلد ملے غریب اور محروم کی دسترس میں ہو
خدا کرے ہماری عدالتوں سے انصاف سستا
ملے اور جلد ملے غریب اور محروم کی دسترس میں ہو
خدا کرے ہمارے تھانوں سے مظلوموں کو
دھکے نہ ملیں اور
ہماری عدالتوں کی دیواریں تک
محروموں سے پیسے نہ مانگیں
خدا کرے ہمارے دفتروں سے رشوت اور
سفارش کی لعنتیں ختم ہو جائیں
خدا کرے ہمارے منتخب اداروں میں واقعی قانون سازی کا عمل جاری ہو اور عوام کے مسائل پر بحث ہو اور عوام کو بے وقوف بنانے کے لیے ایک دوسرے کے کپڑے نہ پھاڑے جائیں۔

قائد اعظم نے کہا تھا جس پاکستان میں غریب کو روٹی، مظلوم کو انصاف اور محروم کو چھت نصیب نہ ہو وہ پاکستان نہیں چاہتے

خدا کرے ہمارا پاکستان قائداعظم کے خوابوں کی تعبیر بن جائے

اور آخر میں چند اشعار جو شاید آپ کے موبائل پر موصول ہوئے ہوں گے اور آج دن بھر یہی دہرائے جارہے ہوں گے، ملاحظہ کیجیے!

نتیجہ پھر وہی ہوا سنا ہے سال بدلے گا
پرندے پھر وہی ہوں گے
شکاری جال بدلے گا
بدلنا ہے تو دن بدلو بدلتے کیوں ہو ہندسے کو
مہینے پھر وہی ہوں گے سنا ہے سال بدلے گا
چلو ہم مان لیتے ہیں مہینہ ساٹھ سالوں کا
بتاؤ کتنے سالوں میں ہمارا حال بدلے گا

پیارے قارئین سال 2016ء
کے لیے دعا کیجیے
بقول فیض
آیئے ہاتھ اٹھائیں ہم بھی فیض
ہم جنہیں رسم دعا یاد نہیں

ایم اے جے قریشی۔ڈی آئی خان

چٹکلہ

بیوی اور شوہر مارکیٹ جارہے تھے تو ایک فقیر نے کہا۔ ’’شہزادی پانچ روپے دے دے، اندھا ہوں۔‘‘

شوہر۔ ’’دے دو تمہیں شہزادی کہہ رہا ہے ضرور اندھا ہی ہوگا۔‘‘

ریمانور رضوان۔کراچی

انمول موتی

☆ ہر خواہش کے نصیب میں تکمیل کہاں کچھ آرزوئیں اختیار سے باہر ہوتی ہیں نہ کوئی انت ہوتا ہے نہ حد کہ انسان گھوم پھر کر تھک ہار کر بیٹھ تو سکتا ہے لیکن تمناؤں کے سرے ہاتھ نہیں آتے۔

☆ محبتیں مارتی نہیں انسان کو زندہ رہنے پر اکساتی ہیں۔ زندگی بخشتی ہیں ان کے کھو جانے کا ڈر تو روگ بن کر جان کے ساتھ چلتا رہتا ہے۔

☆ کچھ لوگ کتنے اچھے ہوتے ہیں انہیں خبر ہوتی ہے کہ ان کی جھولی میں کوئی صرف کانٹے ڈال کر جارہا ہے پھر بھی کچھ نہیں کہتے یا شاید جنہیں چاہا جائے ان سے شکوہ کیا ہی نہیں جاتا۔

امتیاز عالم۔لاہور

ذرا پھر سے کہنا

خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ

واہ کیا مرتبہ پایا ہے ذی النورینؓ نے
اپنا داماد بنایا ہے شاہِ کونینؐ نے
جناب رقیہؓ و کلثومؓ کے دلہا بن کر دو
نور والے کا اعزاز پایا ہے ذی النورینؓ نے
کردار کو ایسا پاکیزہ بنایا ہے ذی النورینؓ نے
مسندِ حیا پہ بٹھایا ہے شاہ کونینؐ نے
حشر تک جاری رہے گا فیض قرآن کا
کرشمہ ایسا کر دکھایا ہے ذی النورینؓ نے
قاری کربلی کے نام سے مشہور حسینؓ
جامع قرآن کا خطاب پایا ہے ذی النورینؓ نے
تاریخ میں لکھا جائے گا غنیؓ ان کو ناز سے
سخاوت کو نصب العین بنایا ہے ذی النورینؓ نے
حق یاری کا علیؓ مولا نے بھی کر دیا ہے ادا
واہ کیا دوست پایا ہے ذی النورینؓ نے
حکم نبی پر نہ اتارا خرقہ خلافت ہرگز
جام شہادت نوش فرمایا ہے ذی النورینؓ نے
دنیا میں جنتی ہونے کا مژدہ سنایا ہے شاہ کونینؐ نے
لو دیکھو کیا اجر کمایا ہے ذی النورینؓ نے
اپنے دشمنوں کو بھی وہ کر گئے تھے معاف
صلہ رحمی کو شعار بنایا ہے ذی النورینؓ نے
رشک سے آتے ہیں میری آنکھوں میں آنسو
قرآن پڑھتے مون جاں کو لٹایا ہے ذی النورینؓ نے

حافظہ مون شاہ

نئے سال کی دعا

جلتی بجھتی روشنیوں میں
عمر کے سال بھی جل جاتے ہیں
بجھ جاتے ہیں
آنے والے نئے برس کے
خواب آنکھوں میں
سج جاتے ہیں
اور خواب تو آخر خواب ہیں جاناں
بن جاتے ہیں اور بکھر جاتے ہیں
آنکھوں پار اُتر جاتے ہیں
تم......
خواب کی خوش فہمی میں نہ
جیتے رہنا
آس کے موتی چنتے رہنا اور پھر کہنا
آنے والے نئے برس میں
جو کچھ بھی ہے
میرے رب کے فضل و کرم سے
اچھا ہو گا

فرزانہ شوکت

نظم

سنو جاناں
نئے سال کے آغاز پر
ایک وعدہ میرے آنچل کے سپرد کر دو

میرے جل تھل نینوں کو
اپنی محبت کا جام بخش دوں
اب کے توڑ کے خول انا کا
محبت کا اظہار کردو
اس نئے سال کے آغاز پر
مجھے اپنے نام کرلو
یا پھر
خود کو میرے نام کردو

رابعہ افضال خان

نظم

ہوتا ہے پھر
اک نئی صبح کا آغاز
جب یادیں بن کر قید
ہو جاتی ہیں تصویر میں
Happy New Year!

نور الصباء

میرا اسکول

نہ جانے کیوں آج بڑے شدت سے
اپنا اسکول یاد آرہا ہے
وہ مہذب سے اساتذہ
وہ رعب والی میڈم
وہ خوب صورت سی ماسی
وہ باغیچہ، وہ بڑے بڑے
کلاس رومز وہ باؤنڈریز
وہ اسکول کی وسیع وعریض چھت
اسکول کے بڑے بڑے میدان
میدان کے درمیاں میں پڑا پتھر
اس پتھر پر بیٹھ کر میں نے
نجانے کتنے سپنے سنجوئے تھے
کیا وہ پتھر آج بھی وہیں موجود ہوگا
کیا آج بھی کوئی دیوانی سی لڑکی
میری طرح وہاں بیٹھ کر خواب سنجوتی ہوگی
وہ جان سے عزیز وقریب دوستیں
شدید سردی میں سی سی کرتے اسکول جانا
چلچلاتی گرمی میں لو کے تھپڑ کھا کر گھر واپس آنا
پیاس کی شدت کو ضبط کرتے ہوئے
اسکول میں ٹائم گزارنا
سارے خواب بچپن کی گلیوں میں ہی کھو گئے
یار ہم کیوں اتنی جلدی بڑے ہوگئے
ابھی تو تعلیم سے عشق پورا بھی نہ ہوا تھا
کہ قلم کی جگہ ہاتھوں میں سجن کے نام کی
مہندی لگ گئی زندگی کے زاویے تبدیل ہوگئے
ناداں سے زمینی رشتوں کے نبھانے کے
دائرے میں قید ہوگئے
سہانا بچپن نہ جانے کہاں کھو گیا
ریما نور تجھ پر ذمہ داریوں کا بوجھ زیادہ ہوگیا
ہر روز فضا ڈول کو اسکول بھیجنے کے لیے
صبح سویرے اٹھتی ہوں
ہر روز اپنے پیارے ماضی کے دریچوں میں
اترتی ہوں

ریما نور رضوان

اک تیرے جانے سے

پر نور ہو چلا تھا من
تھی کیسی خوشنما شام
راگ لگا کے دل کو میرے
طوفان برپا کیا ادھر
پھر جو تھم سا گیا ابھی
شام وہی نرالی دل میں بسی
ساون برسنا باقی رہا

خوشنما شام تھی کبھی
جگ پہلے سا سندر
اے منفرد کمال و حسن
فقط تیرے جانے سے
اجڑ گیا سب کچھ

زارا صدف قمر

غزل

تمہارے بعد دن ڈوبے ہیں تاریکی میں
چراغوں کو بھی نہ رہا اب انتظار رات
یوں تو ہم تم سے رہے ہمیشہ مخاطب
کر ہی نہ پائے جو کرنی تھی دل کی بات
تمہیں کھویا ہے کہ کھویا ہے اک جہان
خود سے بھی نہیں ہوتی اب اپنی ملاقات
پرندوں کا بسیرا تھا جس شجر پر وہ نہ رہا
اب کے قیامت کی طرح برسی ہے برسات
ممکن نہ ہو سکی پھر جلد رخصتی آرزو
جو چلی تیرے شہر میری یادوں کی بارات

ریمل آرزو

میری ذات سے تیری ذات تک

قصہ میری ذات سے تیری ذات تک
ہوئی ابتدا جبین عشق سے راہ وفا تک
سمٹ کر رہوں دھڑکن میں تیری دنیا سے بے خبر
مجھے عشق ہوا سبیل مصرین سے فلسفۂ حیات تک
محبتیں جو بچا رکھیں ہیں میں نے سفر زیست کے لیے
میری سوچ کی سرحدوں پر ہر اک سوال جواب تک
اے معرکہ گل میری تنہائی سے اس دل ناتواں تک
قصہ میری ذات سے تیری ذات تک

محمد بلال روہیز

غزل

پیار میں جب کچھ لوگ مسکرا کے ملے ہیں
تیری یادوں کے کیا کیا پھول کھلے ہیں
یہ انداز وفا کا یہ تیرے بدلے ہوئے تیور
کانٹوں سے بھی اے مہرباں کہیں زخم سلے ہیں
میرے لیے تو سب کچھ تیرے حسن کی دولت سہی
تجھ کو تو میری بے رخی کے پھر سے گلے ہیں
خاموشی احباب تمنا پر نہ ہم بھی مسکرائیں گے
دل میں تو بہت کچھ سہی مگر ہونٹ سلے ہیں
سنتے ہیں کہ اس بار بھی آئی تھیں بہاریں
تیرے گلشن میں اس بار بھی کچھ پھول کھلے ہیں
آیا ہے بہت یاد جاوید پھر سے ان کا تبسم
جب بھی بہت گہرے داغ زمانے سے ملے ہیں

محمد اسلم جاوید

رہنے دو

کون اس راز کی صدیوں پرانی
کیفیت سے آشنا ہے
یہ مرے چاروں طرف کیوں
اک سکوت بے صدا ہے
میں کہوں کس سے
مری اجڑی ہوئی آنکھوں کے خالی روزنوں سے
اس طرف کیا ہے
خلا ہے یا ستارے پھانکتی اندھی ہوا ہے
جانتا ہے کون
کس پر کھل سکا ہے
جسم کے خالی کھنڈر میں
کون اب بس رہا ہے
تم مجھ کو دیکھو
میں اپنے آپ سے ڈرتا ہوں شب کو
جب اندھیرا بولتا ہے

دل کا سناٹا

پرانی داستانوں سے
اٹے بھیدوں کی گرہیں کھولتا ہے
جب لہو کی آگ میں لت پت کواڑوں سے
الجھتی ہیں میری چیخیں
کوئی سنتا نہیں مجھ کو
بکھرتے ٹوٹتے خوابوں میں جب تقسیم ہوتا ہوں
کوئی چنتا نہیں مجھ کو

ایم جے قریشی

جو لگی تھی دوستوں کے ہاتھ سے
وہ عدو نے چوٹ سہلائی بہت
یہ حقیقت ہے کہ رہتے ہیں یہاں
باوفا کم اور ہرجائی بہت
رونقِ شہر تمنا ماند ہے
بڑھ گیا احساس تنہائی بہت
جو بجھانے آئے تھے اس کو قمر
آگ ان لوگوں نے بھڑکائی بہت

ریاض حسین قمر

غزل

کچھ خبر آئے نیم جانوں کی
کھڑکیاں کھول دو مکانوں کی
لوگ ہیں جھوٹ کی طرف مائل
اے خدا خیر ہو زبانوں کی
ان کے گیسو بکھر گئے شاید
آئی خوشبو شراب خانوں کی
رک نہ پائے زمیں پہ جن کے قدم
بات کرتے ہیں آسمانوں کی
ان کے تیروں کو دے رہا ہوں لہو
کچھ تو خاطر ہو مہمانوں کی
ان کی آنکھوں کے سامنے امتیاز
آبرو کیا ہے داستانوں کی

ایس امتیاز احمد

غزل

ہر ایک شخص کا تحفہ قبول کرتا نہیں
مکالمہ وہ کسی سے فضول کرتا نہیں
عزیز ہے تیری شاہی سے مفلسی مجھ کو
مرا ضمیر غلامی قبول کرتا نہیں
سنا ہے جب سے خاموشی بھی اک عبادت ہے
کسی سے بات میں کوئی فضول کرتا نہیں
کسی بھی شاخ پر رہتا نہیں سلامت وہ
قبول سنگ جو کانٹوں کا پھول کرتا نہیں
میں اپنے عہد کا اس کو ولی سمجھتا ہوں
کسی کا کام بھی جو بے اصول کرتا نہیں
اسے ہے ناز بہت اپنے حسن پر شاید
وہ پھول بھیجتا ہے اور وصول کرتا نہیں
میں اپنے حال پر چپ چاپ روتا رہتا ہوں
کسی کو زخم دکھا کر ملول کرتا نہیں
بھرا ہوا ہو جو بغض و حسد سے اس دل کی
دعا حکیم کبھی وہ قبول کرتا نہیں

حکیم خان حکیم

غزل

جب ہوئی غیروں میں رسوائی بہت
پھر مجھے اپنوں کی یاد آئی بہت
کب نکل پائے انا کے خول سے
بات میں نے جن کو سمجھائی بہت
بک گئے ہیں مصر کے بازار میں
تھے مہِ کنعان کے بھائی بہت

غزل

جاتے ہوئے دکھا گیا اپنا رنگ دسمبر
اس کے بغیر سکھا گیا جینے کا ڈھنگ دسمبر

دیکھ کر مجھے آنگن کے پرندوں سے لڑتا ہوا
رہ گیا اپنے آپ میں دنگ دسمبر
یاد کر کے پچھلے سال کا اپنا استقبال
کرنے لگ گیا مجھ سے جنگ دسمبر
ادھر میرے خواب دم توڑ رہے ہیں
ادھر انجام کو پہنچ رہا ہے الگ دسمبر
ساری رات میرا درد بانٹتا رہا اس لیے شاید
نئے سال کا سورج بھی نکلا اداس بے حد دسمبر
کبھی چلایا کبھی ہنسا مجھ پر ساتھی
اس بار لگا مجھے اپنے جیسا ملنگ دسمبر

زبیر پنہیار

نظم

جنوری کی یہ شام ڈھلے
جھیل کنارے بیٹھ کے میں
اک دن ایسا سوچ رہا تھا
دکھ درد کیوں یہ بول رہا تھا
آج ملن کی آس ہے جاگی
آج سجن کی یاد ہے جاگی
تو نے ناتا کیوں توڑ دیا ہے
ایسے کیوں مجھے چھوڑ دیا ہے
اتنا سا بس اس نے کہا تھا
نہیں بنا تھا میرے لیے تو
اس لیے ناتا توڑ دیا تھا
اس لیے تجھ کو چھوڑ دیا تھا

ماریہ یاسر

غزل

رکھنا تھا مجھے خود کو زمانے سے بچا کے
نظروں کو اسی وجہ سے رکھا ہے جھکا کے
زخموں پر میرے اک ذرا مرہم ہی لگاتی
کیا دنیا نے پایا ہے میرے دل کو دکھا کے؟

وعدوں کا بھرم ٹوٹا، وہ ظالم نہیں آیا
بیٹھی رہی دہلیز پر میں آنکھیں جما کے
تھا مجھ کو بہت ناز کبھی اس کی وفا پر
ہے جس نے سکوں پایا میری خاک اڑا کے
تڑپے گا بہت دیکھنا شاہین وہ بچھڑ کر
مانگے گا معافی وہ کبھی اشک بہا کے

سدرہ شاہین

نظم

کچھ بات بناتے ہیں کچھ لوگوں کے لیے
کچھ خواب سجاتے ہیں کچھ لوگوں کے لیے
کبھی نم آنکھوں سے بھی تکتی ہیں راہ ان کی
کبھی سرد آنکھوں سے بھی دیدار نہیں ہوتا
کبھی شجر پر ایک پتا بھی تنہا نہیں ہوتا
کبھی صحرا بن جاتا ہے دل میرا
کچھ خواب سجائے ہیں دل نے
پر کون بتائے ان کو زینب
کہ ان کی حسین یادوں کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا

زینب ملک ندیم

نظم

شام ہوئی اور سورج ڈوبا
سوچ میں تھا جو روشن تارا
اِک پل میں وہ ایسے ٹوٹا!
جیسے کانچ کا ننھا برتن!
جیسے مٹی کا کوئی کنگن

زاہی

امید

اے میرے ہم نفس!
تم پوچھتے ہو امید کیا ہے؟
تو جان لو تم
کسی روتے بچے کو لولی پاپ دے کر ہنسا دینا

کسی مریض لادوا کی ڈھارس بندھا دینا
کسی آندھی میں گرتے چڑیا کے گھونسلے کو بچالینا
کسی بھٹکے مسافر کو خلوص دل سے منزل تک پہنچا دینا
ایک آس ایک امید ہے
میرے ہم نفس! عبادت اپنی جگہ لیکن
کسی بھیڑ میں گم بچے کو ماں کا آنچل تھما دینا
کسی ویران آنکھوں کو کاجل سے سجا دینا
امید ہے
اے میرے ہم نفس جان لو تم
کسی شاعر کی کاوش کو بروقت صلہ دینا
کسی روٹھے قلم کو حق لکھنے کی جلا دینا
کسی کو ناامیدی کے گھپ اندھیرے میں
روشنی کا استعارہ تھما دینا
کسی خزاں رسیدہ ٹہنی کو نوید بہار سنا دینا
ہاں میرے ہم نفس!
میری زندگی کی امید ہے
میری بندگی کی جیت ہے

سیدہ فرزین حبیب

دسمبر

دسمبر بھی اپنے اختتام کو پہنچا
اداس غمگین تنہائی بھری راتیں
دن کی بے کلی، بے اعتنائی، بے سکونی
اب جیسے اپنے اختتام کو ہے
تم ہی نے کہا تھا مجھ سے جاتے سمے
مجھے یاد ہے اب بھی
تمہارا کہا وہ اک اک لفظ
دسمبر کا ہی ماہ ہے
جدائی کا طویل رستہ
جنوری آتے ہی چلا جائے گا
دکھوں کے پل جو باقی ہیں
دسمبر کے مہینے تک ہی رہنے ہیں
جنوری آتے ہی تم کو لوٹ آنا ہے
جدائی کا میٹھا درد اب جانے کو ہے
جنوری آنے کو ہے!

مریم ماہ منیر

اُداس شام

جنوری کی اداس شاموں میں
جب ہر طرف ویرانی چھائی ہوئی ہے
تب ان پت جھڑ شاموں کی
اداسی بولتی ہے
یہ کہر آلودہ شامیں
ہمیں خوشامدید کہتی ہیں
اپنی ویرانی اور اداسی کے باوجود
اچھے وقت کی امید دلاتی ہے
خزاں کو آغوش میں سمیٹے سمیٹے
ہمیں نئے سال کی مبارک باد کہتی ہیں

شہلا گل سحر

نظم

کچھ بات بناتے ہیں کچھ لوگوں کے لیے
کچھ خواب سجاتے ہیں کچھ لوگوں کے لیے
کبھی نم آنکھوں سے بھی تکتی ہیں راہ ان کی
کبھی سرد آنکھوں سے بھی دیدار نہیں ہوتا
کبھی شجر پر ایک پتا بھی تنہا نہیں ہوتا
کبھی خواب سجائے ہیں دل نے
پر کون بتائے ان کو زینب
کہ ان کی حسین یادوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا

زینب ملک ندیم

......☆......

سندیسے

افشاں علی ـــــــ کراچی

پرخلوص محبتوں عقیدتوں کے پھول و دعاؤں کے نذرانے لیے یکم جنوری کے ساتھ شروع ہوتے سال نو کی خیر و عافیت کی ڈھیروں دعاؤں سنگ آپ سب پیاری پیاری قارئین اور ہر دل عزیز صالحہ اپیا کو افشاں علی کا محبت بھرا اسلام الفت اور سال نو کی بہت بہت مبارک باد۔ سالِ نو چوکھٹ پہ آ کھڑا چلیں پھر اسے خوش آمدید کہتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اب کے نیا برس میرے لیے آپ کے لیے ہم سب کے لیے اور ہمارے وطن کے لیے خوش آئند و مبارک ثابت ہو (آمین)۔ سال آخر کا شمارہ جس کے سرورق پر پیاری سی فرینا موہنی سی صورت و مسکراہٹ لیے موجود تھی۔ ''گوشہ آگہی'' و ''ردائے جنت'' سے مستفید ہوتے سجے سنورے ردا شمارے کی جانب بڑھے۔ ''اس مٹی کا قرض'' حب الوطنی کی شیرینی میں ڈوبی تحریر بلاشبہ یہ ایک مکمل اور خوب صورت ناول رہا۔ ''ایسا بھی ہوتا ہے'' کزنز کی چھیڑ چھاڑ لیے اچھا ناولٹ لگا۔ ''دسمبر کا چاند'' افسانہ بھی خوشیاں لے کر آیا۔ دسمبر کی یہ آخری رات، دسمبر کا موسم، نیلی آنکھوں والی گڑیا، سود و زیاں کا حساب، سبھی افسانے پسند آئے۔ بچت، جیون پہیلی، سود و زیاں کا حساب تینوں ہی مختصر مگر پراثر الفاظوں سے سجے افسانے بہت پسند آئے۔ سب سے بڑی وجہ اس میں چھپے سبق و نصیحت آمیز جملے، ویل ڈن مائے ڈیئر گیتی آرا، ثمینہ فیاض اور قرۃ العین سکندر (ردا میں خوش آمدید پہلی تحریر ہی اتنی موثر جان دار ٹائیٹل بہت اچھا لگا قرۃ العین)۔ ''لہو کو میرے بھول مت جانا'' گزرے برس شہداؤں کی یاد تازہ کرتا افسانہ بہت خوب صورتی سے لکھا۔ درد بیان کرتا آنسو دے گیا۔ فریدہ فرید کا مکمل ناول و موثر نام دل کو چھو گیا۔ بہت زبردست ناول ''چل اڑ جا اب تیری باری'' عائشہ ذوالفقار کا نیا ناول وہ بھی سلسلے وار زبردست اضافہ۔ ردا کے تمام سلسلے ردا کی ڈائری سے لے کر سنگھار تک سبھی ٹپ ٹاپ رہے۔ دسمبر کا رنگ لیے سال آخر کا شمارہ بہت پسند آیا۔ اب بات ہو جائے ''سندیسے'' کی۔ سباس گل جی کا نام دیکھ کر خوشی ہوئی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جلد ہی ان کا ناول ردا کی زینت بننے والا ہے۔ پیاری گیتی آرا کا سندیسہ تو ہوتا ہی شاندار ہے۔ ساتھ ہی آپ نے میری بہن کو سالگرہ وش کی اس کے لیے جزاک اللہ۔ سویٹ رابعہ افضال، ڈیئر صبا عبدالغنی، پیاری ثناء کنول سمیت سبھی کے سندیسے پسند آئے۔ پیاری صبا عبدالغنی روٹھے ہو تم کو کیسے مناؤں Next تھینکس نہیں کہوں گی اب مان بھی جاؤ نا یار! ثناء کنول، کشف ضیا کو تمہاری طرح میں بھی مس کرتی ہوں۔ تمہارا پیغام یقیناً اس تک پہنچ ہی گیا ہوگا وہ ضرور اور جلد ہی شامل ہوگی۔ (کشف پلیز میرے یقین پر مہر لگا دو)۔ سحر مبین اتنا مختصر سندیسہ کیوں؟ زاہدہ آپی آپ کی دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔ اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ آپ سمیت سبھی بیماروں کو شفائے کاملہ عطا فرمائے (آمین)۔ دوستوں کے نام میں روشنی فیصل کا پیغام صالحہ آپی کے

نام دیکھ کر اچھا لگا۔ ریما نور رضوان نے پہلی بار اپنے پیغام میں ہمیں بھی شامل رکھا بہت خوشی ہوئی۔ ریما نور جلدی سے اپنی تحریر کے ساتھ آپ بھی شامل ہو جائیں۔ فریدہ فرید آپ کا پیغام تو اس بار بازی لے گیا۔ کیا عمدہ پیغام اور وہ بھی سب کے نام بہت خوب صورت، مجھے اس قابل سمجھنے کا بے حد شکریہ۔ اللہ آپ کو ڈھیر ساری خوشیوں سے نوازے (آمین)۔ پیاری سی سب کو مخاطب کرتی ثنا کنول ڈیئر میں بالکل خیریت سے ہوں اور تمہاری خیریت مطلوب ہے اور بالکل جناب آپ جیسی پیاری پیاری دوست کا حکم سر آنکھوں پر میں باقاعدگی سے ردا میں شامل ہوتی ہوں اور ہوتی رہوں گی انشاء اللہ۔ باقی پیغام بھی پڑھ کر اچھے لگے۔ عانیہ نیازی کی کمی محسوس ہوئی۔ حافظہ مون شاہ، فرزانہ شوکت، زارا صدف قمر، روشنی فاطمہ، صبا سحر، دھنک ناز، آفتاب سسٹرز، نور بانو، سیدہ ابر ہاشمی، راجکماری سارہ، مہر بجٹی، سیدہ فرزانہ حبیب فرزین اور تمام قارئین سے التماس ہے کہ آپ سب لوگ بھی سندیسے میں اپنی شرکت لازمی بنائیں۔ آخر کو یہ آدھی ملاقات ہی ہمیں قریب کرتی ہے۔ بہت ساری دعاؤں اور نیک تمناؤں کے سنگ اپنی پیاری افشاں علی کو اجازت اور یہ سال نو کی پیاری سی دعا کیوٹ سی نورین ہردلعزیز صالحہ آپی اور میری تمام قارئین بہنوں کے نام

ہر آنگن خوشیاں لے کر آئے نیا سال
ہنستے چہرے روشن لمحے نیا خیال
مٹا کے رنج و غم ماضی کے سب ملال
تابندہ کر دے ہر دل کا حال

ماریہ یاسر ______ کراچی

اچھی نورین اور پیاری صالحہ آپی السلام علیکم! امید ہے کہ آپ سب اور قارئین خیر و عافیت سے ہوں گے۔ ردا ماشاء اللہ سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ ایک ایسے گلستان کی مانند جس میں پرانے پھول پیڑوں کے ساتھ ساتھ نئے اور مہکتے گلابوں کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ہم جیسی نئی رائٹرز کی حوصلہ افزائی آپ کا شیوہ ہے۔ اس کے لیے جتنا بھی سراہا جائے کم ہے۔ کچھ ماہ پہلے تک رسالہ پڑھتے ہوئے جب رائٹرز کے نام پر نظر پڑتی تو ان پر رشک آتا کہ کتنی خوب صورتی سے اپنے خیالات اور سوچوں کو لفظوں میں ڈھال کے پڑھنے والوں کا دل موہ لیتی ہیں۔ اپنے بارے میں کبھی سوچا نہ تھا کہ میں بھی انہی قابلِ رشک لوگوں کی فہرست میں ایک ادنیٰ سا اضافہ بن جاؤں گی لیکن جب پہلی بار میری تحریر نے ردا میں اپنی جگہ بنائی تو کتنی ہی دیر تو بے یقینی سے اپنے نام کو دیکھے چلی گئی۔ جسم پر عجیب سی کپکپی طاری ہو گئی۔ خوشی کے مارے زبان لفظوں کا ساتھ دینے سے انکاری ہو گئی، کبھی سوچا نہ تھا کہ میری لکھی ایک چھوٹی سی تحریر کو لوگ نہ صرف پڑھنے کا شرف بخشیں گے بلکہ پہلی کاوش پر یوں سراہیں گے۔ اس کے لیے میں صالحہ آپی اور نورین آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ گیتی آراء آپ کی بھی مشکور ہوں کہ آپ نے میری چھوٹی سی کاوش پر مجھے سراہا۔ میری تحریر کے بارے میں آپ کے لکھے دو جملوں نے میرا سیروں خون بڑھا دیا۔ رابعہ افضال اور ثناء کنول اور صبا عبدالغنی کا بھی شکریہ جنہوں نے میری تحریر کو شرف قبولیت بخشا۔ امید کرتی ہوں کہ آپ لوگ آئندہ بھی میری تحریروں کے بارے میں اپنا قیمتی تبصرہ ضرور کریں گے۔ اس ماہ میری تحریر "دسمبر کی یہ آخری رات کیسی لگی" ضرور بتائیے گا مجھے انتظار رہے گا۔ اب آتے ہیں تبصرے کی جانب تو افسانوں میں سب نے ہی اچھا لکھا۔ ثمینہ فیاض اور گیتی آراء آپ نے تو کمال ہی کر دیا۔ ویسے گیتی مجھے آپ کا نام بہت پسند ہے۔ پچھلے ماہ ناول کے اختتام پر میں قمر وش شیخ کو مبارک دوں گی۔ بے شک ان کی تحریر بہت اعلیٰ تھی۔ مکمل ناول بھی دونوں ہی بہت اچھے رہے۔ ناولٹ

کے تو کیا ہی کہنے بلاشبہ پورا شمارہ ہی بہترین تھا۔

صباء عبدالغنی ______ کراچی

آداب عرض ہے۔ ردا کی خوب صورت شہزادیوں کو ردا کی خوب صورت شہزادی کا سلام پرخلوص قبول ہو السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب؟ اللہ کے فضل وکرم سے میں تو بالکل فٹ فاٹ ہوں بس تھوڑا سردی کا اثر ہے لیکن یقیناً آپ لوگ بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ اب آتے ہیں تبصرے کی طرف تو سرورق عمدہ تھا۔ جگر جگر کرتی چوڑیوں نے توجہ کھینچ لی۔ ''گوشہ آگہی'' ہر بار کی طرح بہترین تھا۔ ''ردائے جنت'' میں اسلامی معلومات کو ذہن نشین کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ نائلہ طارق! بہترین ناول، خوب صورت منظر نگاری اور عمدہ لفظوں کا چناؤ آپ کو ہمیشہ منفرد اور خاص بناتا ہے۔ شازیہ مصطفیٰ! بہت عمدگی سے آگے بڑھتے ہوئے ہر دل پر سحر طاری کرتیں آپ ہمیں بہت پسند ہیں۔ عائشہ ذوالفقار! نئے ناول کا آغاز اچھا ہے۔ امید ہے آگے مزید اچھا رہے گا۔ آسیہ مظہر چوہدری! میری ناقص یادداشت کے مطابق یہ ردا میں آپ کا پہلا ناول ہے؟ اس لیے ردا میں آپ کو دل سے ویلکم۔ فریدہ فرید! سمجھ میں نہیں آرہا کہ کن لفظوں میں آپ کے ناول کی تعریف کروں۔ مجھے آپ کا ناول بہت بہت پسند آیا۔ فجر کا کردار بہت پاورفل اور میچورڈ تھا اور آپ کی خاص اردو میں روابط ہمیں بہت متاثر کرتی ہے۔ تہمینہ بانو! ماشاءاللہ آپ بہت عمدہ لکھتی ہیں۔ کہانی میں ہیروئن کا نام بہت خوب صورت تھا (ہاہاہا) نوشین طاہر! کیا کمال کا لکھتی ہیں آپ۔ آپ کا نام ہی آپ کی تحریر کی پہچان ہے۔ ماریہ یاسر! آپ کی پہلی تحریر کی طرح دوسری بھی بہترین تھی۔ آپ اپنا سفر ردا کے سنگ مزید جاری رکھیے گا انشاءاللہ۔ مہرین کنول! آپ ہمیشہ اچھا لکھتی ہیں۔ گیتی آراء! آپ کے سندیسے جب اتنے اچھے ہوتے ہیں تو پھر تحریر تو ماشاءاللہ بہترین تھی۔ اسماء فاروق! بہترین تحریر تھی آپ کی۔ 16 دسمبر کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس حوالے سے آپ کی تحریر بہترین تھی اور ردا میں آپ کو خوش آمدید۔ ثمینہ فیاض! آپ کی تحریر مجھے بہت پسند آئی۔ پختہ اندازِ تحریر ہر بار متاثر کرتا ہے، ویلڈن۔ عائشہ حمد! لائف بوائے شیمپو کے اشتہار سے بھرا آپ کا افسانہ اچھا تھا زبردست۔ کائنات غزل! آپ کی تحریر ہمیشہ مجھے اچھی لگتی ہے۔ اچھے موضوع اور لفظوں کا چناؤ آپ کو اچھی رائٹر ہونے کا اعزاز دیتا ہے، ویلڈن۔ قرۃ العین سکندر! ردا میں یہ آپ کی پہلی شمولیت ہے تو ردا میں آپ کو دل سے خوش آمدید۔ مکافاتِ عمل پر مبنی آپ کی تحریر پراثر تھی۔ آگے بھی اپنا سفر ردا اور ہمارے سنگ جاری رکھیے گا۔ ''ردا کی ڈائری'' میں ایم جے قریشی، سارہ احسان، مہوش جواد، مہرین کنول، شائستہ جواد اور دھنک ناز کی پسند متاثر کن تھی۔ دھنک ناز! کہاں غائب ہوگئی ہیں؟ ''اشعار'' میں سارے اشعار اچھے تھے۔ ''اس ماہ میں'' ہر بار کی طرح بہترین تھا۔ ''خوشبو'' میں شامل تمام انتخابات اچھے تھے۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں مون شاہ، رابعہ افضال، شہلا گل سحر اور امبرین ناز سمیت سبھی کی شاعری بہترین تھی۔ ''سندیسے'' کی محفل ہر بار کی طرح بارونق تھی۔ سباس گل! ''سندیسے'' کی محفل میں آپ کی آمد اچھی لگی اور آپ کے ناول کا انتظار شدت سے شروع ہوچکا ہے۔ گیتی آراء! باریک بینی سے تبصرہ آپ کی رائے کو اہم بناتا ہے اور ہم بھی سندیسے میں شامل ہیں۔ ہماری طرف آپ کا دھیان کب آئے گا؟ افشاں علی! ہر بار کی طرح سندیسے کی محفل کو افشاں کی طرح چمکاتی نظر آئیں۔ رابعہ افضال! سندیسے کی محفل میں آپ کی آمد گویا بہار نو آئی ہو۔ جس منتھ آپ شامل نہ ہوں وہ منتھ ہی اچھا نہیں لگتا۔ ثناء کنول! آپ کی دوستی میرے لیے کتنی اہم ہے میں یہ لفظوں میں بتا نہیں سکتی۔ بہت خوشی

ہوئی یہ جان کر کہ میری وجہ سے آپ اداس نہیں ہوتیں اور آپ کی وجہ سے میں بھی اداس نہیں ہوتی۔ ثوبیہ ملک! تحریر کے بعد سندیسے میں آپ کی شرکت اچھی لگی۔ سحر مبین! سچ میں دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ زاہدہ ہاشمی! آپ کی کبھی کبھی کی شرکت ہمیں اچھی لگتی ہے۔ آپ کو آپ کی شادی کی چوتھی سالگرہ مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا کاملا عطا فرمائے، آمین۔ ''دوستوں کے نام پیغام'' میں سب کا پیغام اچھا تھا۔ ریما نور! میں نے اتنی چاہت دی نہیں جتنی مجھے آپ لوگوں سے ملی ہے۔ یاد آوری کے لیے جزاک اللہ۔ رابعہ افضال! آپ کو اور آپ کی سسٹرز کو میری طرف سے سالگرہ مبارک ہو۔ باقی ''کچن'' اور ''سنگھار'' ہر بار کی طرح بہترین تھا۔ صالحہ آپی! بہت بہت شکریہ کہ آپ ہر ماہ میری نگارشات شامل کرتی ہیں۔ آج جو مجھے اتنی چاہتیں مل رہی ہیں وہ سب آپ کی مرہون منت ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کے ساتھ لمبی زندگی عطا فرمائے (آمین)۔ سال نو کی آمد ہے۔ ردا سے جڑے ہر فرد کو سال نو مبارک ہو۔ دعا ہے اس نئے سال ہمارا ملک بہت ترقی کرے۔ ہمارے ملک میں امن قائم ہو اور یہ سال ہمارے لیے ڈھیروں خوشیاں لے کر آئے، آمین۔ اب اجازت۔

رابعہ افضال خان ——— کراچی

بہت ساری محبت، دعاؤں اور خوب صورت سی مسکراہٹ کے ساتھ رابعہ افضال خان کا سندیسے کی پررونق محفل میں سلام محبت حاضر ہے۔ دسمبر کی دس تاریخ کو ردا ہمارے ہاتھوں کی رونق بنا۔ سرورق پر نازک سی فرینا اپنے پیارے سے ہیئر اسٹائل اور ہلکے پھلکے میک اپ کے ساتھ بہت پیاری لگی۔ ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے ''گوشہ آگہی'' کی طرف آئے اور صالحہ آپی کے قلم سے بکھرے لفظوں کے سحر میں کھو سے گئے۔ دسمبر تو ہمارا بھی بہت فیورٹ ہے۔ شاید اس لیے بھی کہ مابدولت نے دسمبر میں ہی دنیا میں قدم رنجہ فرمایا تو دسمبر سے ہمیں خاص لگاؤ ہے۔ دسمبر کی سرد مگر فسوں خیز راتیں دل کو چھوتی محسوس ہوتی ہیں۔ نائلہ طارق آپ کے قلم سے نکلا ہر لفظ ہمیں اپنے سحر میں جکڑ لیتا ہے۔ شازیہ جی! آپ کے ناول کی ہر قسط ہی بے ساختہ ہمارے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتی ہے۔ افسانے کی محفل میں تو سب ہی نے کیا خوب رونق لگائی ہے۔ مکمل ناول میں فریدہ فرید کے ناول نے ہمیں مکمل طور پر اپنے سحر میں جکڑے رکھا۔ ''ردا کی ڈائری'' سے سارہ احسان کی ڈائری سے فیضان ہاشمی کی نظم اچھی لگی۔ ''اس ماہ میں'' میں سحر مبین کی غزل دل کو چھو گئی۔ ''خوشبو'' کی تو کیا بات ہر لفظ اپنے آپ میں انمول ہے۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں سب ہی کا کلام بہت اچھا تھا۔ ''سندیسے'' کی محفل میں سب نے ہی کیا خوب رونق لگائی۔ سوئیٹ صبا عبدالغنی دوستی میں حساب برابر نہیں کرتے۔ دوست ہمیشہ ادھار چھوڑ دیتے ہیں (ہاہاہا)۔ کیوٹ سی ثناء کنول اللہ دتہ! آپ یقیناً میرے لیے بہت خاص ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ پیاری ریما نور رضوان آپ نے اپنی فرینڈز لسٹ میں مجھے یاد رکھا اتنی محبت اور اپنائیت کے لیے بہت شکریہ۔ فریدہ فرید دل کرتا ہے آپ کو روبرو دیکھوں آپ کی محبت اور اپنائیت نے ہمیں آپ کا گرویدہ بنا دیا ہے۔ ہمیں آپ کی محبت اور اپنائیت بہت عزیز ہے۔ سال کے آغاز پر میری بہت پیاری سی صالحہ آپی نورین ملک، فریدہ فرید، افشاں علی، صبا عبدالغنی، مون شاہ، ملالہ اسلم، ثناء کنول اللہ دتہ، سحر مبین اور جن کے نام رہ گئے ہیں (معذرت کے ساتھ) ان سب کو ڈھیر ساری مبارک باد، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کا ساتھ اور محبت اسی طرح قائم رہے، آمین۔ رابعہ افضال خان کی طرف سے ردا سے جڑی تمام بہنوں کے لیے مختصر ساتحفہ۔

کوئی رنج کا لمحہ نہ کسی کے ہاتھ آئے
خدا کرے کہ یہ سال سب کو راس آئے

گیتی آراء ــــــــ کراچی

ڈیئر آپی اور پیاری نورین السلام علیکم! سب سے پہلے تو آپ سب کو اور ردا کے تمام قارئین، لکھاری اور اراکین کو عید میلاد النبیؐ کی ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ آپ سب کو اور ہم کو ایسی ڈھیروں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے، آمین۔ اور اب بات ہو جائے ردا کی تو جناب 8 دسمبر ہمارا ردا ملا۔ دیکھ کر خوشی سے باچھیں کھل اٹھیں۔ سب سے پہلے فہرست پر نظر ڈالی۔ آنکھوں کو جیسے اپنی بصارت پر یقین نہیں آیا ہمارا افسانہ ''بچت'' فہرست میں جھلملا رہا تھا۔ دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ آپی! اس محبت کے لیے ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں اور اب بات ہو جائے ماہ دسمبر کے افسانوں کی۔ نوشین طاہر کا ''دسمبر کا چاند'' ایک خوب صورت طرز تحریر لیے اچھا افسانہ تھا۔ اداس سی تعبیر کا کردار دل میں اتر گیا۔ ماریہ یاسر کا ''دسمبر کی یہ آخری رات'' پہلے تو نام نے متاثر کیا پھر افسانے کے خوب صورت اشعار نے ہمارے دل میں اپنی جگہ بنا لی۔ افسانوں میں خوب صورت اشعار کا انتخاب بھی دل میں اپنی جگہ خود بنا لیتا ہے۔ مہرین کنول کا ''دسمبر کا موسم'' انتم کا سوبر سا کردار اچھا لگا۔ خوبصورت انداز لیے طرز تحریر اور ڈائیلاگ متاثر کن تھے۔ خاص کر یہ جملہ ''اور وہی اسے اس موسم کی لغزش دے گئی تھی۔'' واہ کیا خوب صورت بات کہی۔ مزہ آگیا۔ اسماء فاروق کی ''لہو کو ہمارے بھول مت جانا'' وطن کے جیالوں پر لکھی ایک دکھی کر دینے والی کہانی تھی۔ جیون پہیلی، پھر دل مل گئے، نیلی آنکھوں والی گڑیا، سود زیاں کا حساب بھی اچھی اصلاحی تحریریں تھیں اور اب باری تھی سلسلے وار ناول میں شازیہ جی اور نائلہ طارق تو پہلے میدان مار چکی ہیں لیکن عائشہ جی بھی کسی سے پیچھے نہیں رہنے والی۔ مکمل ناول اور ناولٹ بھی متاثر کن رہے اور قارئین کے دل میں اپنی جگہ بنائے بنا نہ رہ سکے۔ دلکش انداز لیے اپنے اندر ڈھیروں اصلاحی پہلو لیے سبق آموز تحریریں ہیں۔ آسیہ مظہر، فریدہ فرید کے ساتھ ساتھ تہمینہ بانو نے بھی ''ایسا بھی ہوتا ہے'' میں اپنی ذہانت قابلیت کے خوب جوہر دکھائے۔ ''ردا کی ڈائری'' میں سبھی انتخاب اچھے تھے۔ خاص کر پروین شاکر کی نظم ''اس ماہ میں'' اور ''خوشبو'' میں نورین ملک کا انتخاب باکمال ہوتا ہے جس کا کریڈٹ لکھنے والوں کے ساتھ ساتھ یقیناً نورین کو جاتا ہے۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں مون شاہ، سباس گل، مریم ماہ منیر، فرزانہ شوکت، زارا صدف، ریاض حسین، محمد اسلم نے خوب لکھا۔ باقی غزلیں، نظمیں بھی اچھی تھیں۔ ''سندیسے'' میرا سب سے زیادہ پسندیدہ صفحہ جس کی جان افشاں علی کے تبصرے اور شوخ و چنچل باتیں جان ڈالے ہوئے ہیں ہمیشہ کی طرح رہیں۔ کیوٹ سی صبا عبدالغنی موسٹ ویلکم! ارے ہم سب ردا کے قارئین اور لکھاری بہنیں دوست اور سہیلیاں تو ہیں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہر ماہ تبصرے کے ذریعے ملاقات اور ہماری باتیں۔ یہ سب ہماری دوستی کی نشانی تو ہیں۔ زاہدہ ہاشمی ''سندیسے'' میں ہمیں یاد رکھنے پسند کرنے کا شکریہ۔ ڈیئر زاہدہ! ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں انشاءاللہ جلد اللہ آپ کو اولاد جیسی نعمت سے نوازے، آمین ثم آمین۔ ''دوستوں کے نام پیغام'' میں پیاری ریما نور ہماری بھی یہی دعا ہے کہ ردا کے توسط سے مزید تعلق ہوتا رہے، آمین۔ پیاری فریدہ فرید! تم نے اپنے پیغام میں ہمیں یاد رکھا، ہماری تحریر کو پڑھنا ضروری جانا تمہارا بہت بہت شکریہ۔ ثناء کنول کی نظم نے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ ''کچن'' اور ''سنگھار'' کے سلسلے زبردست رہے۔

......☆......

دوستوں کے نام پیغام

پیاری فرزانہ فرزین حبیب کے نام

ہماری بہت پیاری اور ہر دلعزیز رائٹر فرزانہ حبیب 16 دسمبر 2015ء کو رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئیں ہیں۔ بہت ساری دعائیں اور پیار اور خدا کرے کہ نیا سفر آپ کے لیے ہزاروں خوشیاں اور کامیابیاں لے کر آئے، آمین۔ آپ کے جو احساسات ہیں فرزانہ وہ ہر بیٹی کے اس موقع پر ہوتے ہیں مگر ہماری دعا ہے کہ آپ سدا شاد و آباد رہیں اپنے ہمسفر کے سنگ اور ردا میں بمع تصویر آپ اپنی شادی کا احوال قارئین و رائٹرز کے ساتھ ضرور شیئر کیجیے گا۔ ہماری طرف سے اور پورے ادارے کی طرف سے آپ کو اور آپ کی پوری فیملی کو یہ خوشی بہت بہت مبارک ہو۔

صالحہ آپی

لائبہ توقیر کے نام

میری لولی ڈول لائبہ تمہاری 6 جنوری کر برتھ ڈے ہے اور دیکھ لو میں نے تمہیں اپنے پیارے ردا میں وش کیا ہے اب نہ کہنا کہ آپی آپ نے گفٹ نہیں دیا۔ اس سے بڑا کیا گفٹ ہوگا اپنی سب دوستوں کو دکھانا ردا اور اترانا (ہا ہا ہا) بہت بہت جنم دن مبارک ہو اور خدا کرے نیا سال تمہارے لیے بہت سی خوشیاں لے کر آئے

اور تم یونہی ہنستی مسکراتی پھولوں کی طرح کھلتی رہو، آمین۔

نگہت توقیر۔ چیچہ وطنی

ردا فرینڈز کے نام

میری تمام پیاری سکھیوں اور سہیلیوں دل کی تمام تر گہرائیوں کے ساتھ سلام الفت اور آپ سب کو عید میلاد النبیؐ کے ساتھ ساتھ نئے سال کی ڈھیروں مبارک باد قبول ہو۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی کن لفظوں میں آپ سب کی چاہتوں اور محبتوں کا شکریہ ادا کروں میں تو کچھ بھی نہ تھی مگر جس طرح آپ سب مجھے سندیسے اور پیغامات میں یاد رکھتے ہیں۔ یقین کریں سیروں خون بڑھ جاتا ہے محبت کا جواب محبت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔ پتا ہے ناں میں نے سندیسے میں شرکت کرنا اور تبصرہ کرنا جب اسٹارٹ کیا تھا تو مجھے خود اندازہ نہیں تھا کہ میرے ٹیڑھے میڑھے لکھے لفظ آپ لوگوں کے دلوں میں شرف قبولیت پالیں گے۔ پھر جوک در جوک سندیسے میں شرکت بڑھتی گئی اور آج آپ سب اس بات کے گواہ ہوں گے کہ سندیسے کی محفل میں یوں لگتا ہے جیسے ہم سب لوگ مل بیٹھے ہوں۔ ایک جگہ اور اپنے ردا پر بات کر رہے ہیں۔ میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ ہر انسان میں

ایک لکھاری ہوتا ہے بس ہوتا یہ ہے کہ ہم اکثر اپنے اندر چھپے ٹیلنٹ سے خود بھی آگاہ نہیں ہوتے مگر جب قلم کو تھامتے ہیں تو قلم ہمارے احساسات کی لاج ضرور رکھتا ہے۔ آج مجھے بہت فخر ہے آپ سب پر کہ آپ لوگ اپنا اپنا حصہ ڈال رہے ہیں یعنی اپنے اپنے حصے کی شمع جلا رہے ہیں۔ جزاک اللہ۔ ہمیں معلوم بھی نہیں ہوتا کہ ہمارے بولے یا لکھے لفظ سے کسی کو کتنی خوشی مل سکتی ہے اور آج کل کے نفسا نفسی کے دور میں اگر آپ ہم تھوڑی سی خوشیاں بانٹ لیتے ہیں تو اس میں کوئی بڑی بات نہیں کیوں صحیح ہے ناں؟ آخر میں، میں اپنی تمام ردا رائٹرز و قارئین افشاں علی، فریدہ فرید، شازیہ آپی، نائیلہ جی، عائشہ ذوالفقار، گیتی آپی، ثناء کنول، سحر مبین، ثمروش آپی، صبا عبدالغنی، زاہدہ جی، ریما نور اور جو نام رہ گئے ان سے معذرت کے ساتھ آپ سب کی چاہتوں اور محبتوں کی میں تاعمر مشکور و ممنون رہوں گی اور خدا سے آپ سب کی خوشیوں، کامیابیوں کے لیے دعا گو ہوں، خوش رہیے، خوشیاں بانٹیے، اللہ نگہبان۔

عانیہ نیازی۔ ربوہ

پیارے ردا کے نام

پیارے ردا لوگ تمہیں کتاب کہتے ہوں گے۔ تمہیں پڑھ کے اپنی ذوق کی حس کو تسکین دیتے ہوں گے مگر تمہارے وجود میں پنپنے والے مجھ جیسی نو آموز لکھاریوں کے لیے تو تم پوری ایک دنیا ہو۔ ایک ذاتی دنیا جہاں آزادی سے اپنے الفاظ اپنی شاعری اپنے افکار دوسروں تک پہنچائے جا سکتے ہیں۔ جہاں اپنے وجود کے ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ جہاں اپنی ہستی کو قائم رکھنے کے لیے کشت نہیں اٹھانا پڑتا۔ جہاں چاہتیں بے لوث اور دوستی بے خوف ہے۔ جہاں دل اور روح کو نہیں مارنا پڑتا جہاں نفرتوں کا کوئی جزیرہ نہیں جہاں محبتوں کا ایک جہاں آباد ہے جہاں کسی کے گلے میں حسد کا طوق لٹکا نہیں نظر آتا بلکہ ہر آنکھ میں محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے۔ جہاں صالحہ آپی محبت کا پیغام لیے ایک پلیٹ فارم پر سب لکھاری بہنوں کو اپنے زیر شفقت جمع رکھتی ہیں جہاں پر ہر رشتہ مجبوری، منافقت سے پاک ہے نیز گروہ بندی کے تسلط سے آزاد ہے جہاں ہر شخص محبت کا دیپ جلائے دوسروں کی راہ میں روشنیاں بکھیرتا ہے جہاں خون کے کے بجائے قلمی رشتے دل کی گہرائیوں سے ایک دوسرے کی خوشی میں خوش اور غم میں افسردہ نظر آتے ہیں۔ پیارے ردا تجھے میرا اسلام! سب کو نیا سال مبارک۔

شہلا گل سحر صالح۔ کوہاٹ

محمد صالح کے نام
(نئے برس کا تحفہ)

میری آنکھ کے سارے جگنو تیرے نام
پیار کے لمحے آس کی تتلی تیرے نام
تیرے دکھ پلکوں سے میں چن لوں
میرے نینوں میں سجے سپنے تیرے نام
تیرے آنسو پوروں سے چن لوں
میرے ہونٹ کی ہنستی کلیاں تیرے نام
منڈیر پہ تیری یاد کا دیپ جلاؤں
لب پہ مچلنے والی ساری دعائیں تیرے نام
ہجر کا دکھ دے کر رلانے والے

سحر کی ساری خوشیاں تیرے نام
آتی جاتی سانس کی گھڑیاں کہتی ہیں
دل کی دھڑکن پیار کا ساگر تیرے نام
شہلا گل سحر صالح۔ کوہاٹ

میری بہت ہی پیاری وعزیز ردا دوستوں کے نام

السلام علیکم! میری طرف سے صالحہ آپی، نورین ملک اور تمام ردا سے جڑی رائٹرز و قارئین کو نیا سال بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ اس نئے سال میں آپ کے دامن کو ڈھیروں ڈھیر خوشیوں سے بھر دے میرے دل سے بہت قریب اور پیاری صالحہ آپی، نورین ملک، فریدہ فرید، ثناء کنول اللہ دتہ، افشاں علی، صبا عبدالغنی، سحر مبین، ریما نور رضوان، ملالہ اسلم، مون شاہ، شہلا گل سحر آپ سب کو نیا سال (2016ء) نیا سال بہت مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو بہت ساری خوشیاں عطا کرے اور آپ سب کی اتنی محبت، خلوص، اپنائیت اور حوصلہ افزائی کے لیے جزاک اللہ آپ سب کی محبت اور حوصلہ افزائی کی بدولت ہی آج میں ردا فیملی کا حصہ ہوں۔ اسپیشلی صالحہ آپی آپ کی میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں یہ آپ کا ساتھ اور حوصلہ افزائی ہے جو آج میں بھی ردا فیملی کا ایک حصہ ہوں۔ مجھے آپ سب کے پیار اور حوصلہ افزائی کی ہر لمحہ ضرورت رہے گی۔ امید کرتی ہوں کہ آپ لوگوں کی محبت اور خلوص ہمیشہ اسی طرح میرے ساتھ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کا ردا یوں ہی پروان چڑھتا رہے اور ہمارا تعلق اور ساتھ اسی طرح قائم رہے، آمین۔

رابعہ افضال خان۔ کراچی

صالحہ آپی اور تمام قارئین کے نام

عروج تجھ کو خدا کچھ ایسا عطا کرے
کہ رشک تیری قسمت پر زمین و آسماں کرے
ہر دوست ہو تجھ پر جاں نثار
ہر رشتہ تجھ سے وفا کرے
ہر موڑ پہ ہوں فرشتوں کے لشکر ساتھ ساتھ تیرے
اور ہر موڑ پر تیری حفاظت خدا کرے (آمین)

سیدہ فرزین حبیب۔ کراچی

میرے کسی اپنے کے نام

باندھ لیں ہاتھ پہ سینے پہ سجا لیں تم کو
جی میں آتا ہے کہ تعویذ بنا لیں تم کو
پھر تمہیں روز سنواریں اور بڑھتا ہوا دیکھا
کیوں نہ آنگن میں چنبیلی سا لگا لیں تم کو
کیا عجب خواہشیں اٹھتی ہیں ہمارے دل میں
کر کے منا سا ہاتھوں میں اچھا لیں تم کو
کبھی خواب کی طرح آنکھ کے پردوں میں رہو
کبھی خواہشوں کی طرح دل میں بلا لیں تم کو
اس قدر تم پہ ٹوٹ کے پیار آتا ہے
اپنی بانہوں میں بھریں اور مار ہی ڈالیں تم کو

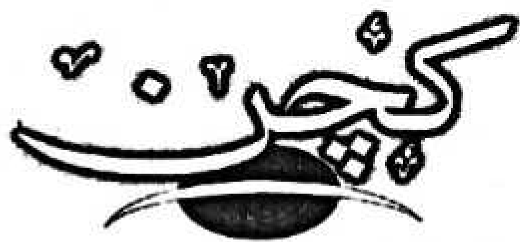
ثناء کنول اللہ دتہ۔ لودھراں

رضوان جی آپ کے نام

حرف بزم بنوں یا دعا ہو جاؤں
کاش میں کبھی تیرے ہونٹوں سے ادا ہو جاؤں
روک لینا میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو میری جاں
بے خیالی میں اگر تجھ سے جدا ہو جاؤں

ریما نور رضوان۔ کراچی

......☆......



مصالحہ فرائیڈ مچھلی

اجزاء

سُرمئی یا روہو مچھلی : آدھا کلو کے قتلے
لال مرچ پاؤڈر : ایک چائے کا چمچ
سفید سرکہ : ایک چائے کا چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ : دو چائے کے چمچ
تیل : فرائی کرنے کے لیے
پسا ہوا زیرہ : دو چائے کے چمچ
اجوائن : ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ پاؤڈر : ایک چائے کا چمچ
بیسن : تین کھانے کے چمچ
کُٹی ہوئی کالی مرچ : ایک چائے کا چمچ
لیمن جوس : ایک کھانے کا چمچ
چاٹ مصالحہ : ایک چائے کا چمچ
نمک : حسب ذائقہ

ترکیب: مچھلی کو صاف کر کے لیمن جوس اور نمک لگا کر دھولیں اور اچھی طرح خشک کر لیں۔ پھر ایک پیالے میں زیرہ، کالی مرچ، لال مرچ، اجوائن، لیمن جوس، سرکہ، گرم مصالحہ، چاٹ مصالحہ، ادرک لہسن، نمک اور بیسن ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں۔ اب اس مصالحے کو مچھلی کے قتلوں پر لگا کر تقریباً تین گھنٹوں کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ پین میں تیل گرم کر کے مچھلی کے ٹکڑوں کو شیلو فرائی کرلیں، جب گولڈن براؤن اور کرسپی ہو جائیں تو نکال کر کیچپ کے ساتھ کھانے لیے پیش کریں۔

مچھلی کے تکے (آٹھ افراد کے لیے)

اجزاء

سرمئی مچھلی : ایک کلو (صاف کروا کے چوکور ٹکڑے کروالیں)
لال مرچ کُٹی ہوئی : ایک کھانے کا چمچ
لیموں : چار عدد
سویا ساس : دو کھانے کے چمچ
سفید سرکہ : دو کھانے کے چمچ
سفید زیرہ بھنا اور پسا ہوا : ایک چائے کا چمچ
نمک : حسب ذائقہ
تیل : چار کھانے کے چمچ

ترکیب: مچھلی کو سرکہ لگا کر دس منٹ بعد دھوئیں پھر سارے مصالحہ جات لیموں کے ذریعے لگا کر ایک سے ڈیڑھ گھنٹے کے لیے رکھ دیں پھر سیخ پر لگا کر تکوں کو کوئلوں پر سینک لیں۔ جب سینک جائیں تو برش کے ذریعے ذرا سا تیل لگالیں اور گرم گرم املی کی چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔ سیخ پر سے اتارنے کے بعد لیموں کا رس دوبارہ ڈال دیں۔

فرائی مچھلی

اجزاء

مچھلی : دو کلو

انڈے : چار عدد
ثابت دھنیا : تین چمچ
اجینوموتو : دو چمچ
نمک : حسب ذائقہ
بیسن : آدھا کلو
سفید زیرہ : تین چمچ
سرکہ : آدھا کپ
سفید مرچ : دو چمچ
لال مرچ : تین چمچ

ترکیب: سب کا پیسٹ بنالیں اور مچھلی پر لگا کر دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں اور بعد میں ڈیپ فرائی کرلیں۔ فرائی مچھلی تیار ہے۔

فش فنگرز

اجزاء
سرمئی مچھلی : ڈیڑھ کلو (کھال صاف کروا کے فنگرز بنوا لیں۔ یا بنی بنائی بازار سے لے لیں)
سفید سرکہ : دو کھانے کے چمچے
لیموں : تین عدد
کالی مرچ پسی ہوئی : آدھا چائے کا چمچ
سفید زیرہ بھنا پسا ہوا : ایک چائے کا چمچ
بیسن : ایک پیالی
گرم مصالحہ پسا ہوا : آدھا چائے کا چمچ
نمک : حسب ذائقہ
انڈا : ایک عدد
ڈبل روٹی کا چورا : ایک پیکٹ
تیل : حسب ضرورت

ترکیب: سب سے پہلے مچھلی کو لہسن اور نمک کے پانی سے دھو کر فنگرز میں لیموں اور سرکہ نمک لگا کر دو سے تین گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ جب تلنا ہو تو ایک پیالے میں بیسن، انڈا، تھوڑا سا نمک، کالی مرچ، گرم مصالحہ، زیرہ ملا کر تھوڑا سا پانی ڈال کر گاڑھا بیسن تیار کرلیں۔ اب ایک ایک فش فنگر کو لے کر بیسن میں ڈبو کر Crumbs لگا کر رکھتے جائیں۔ ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں جب گرم ہو جائے تو تیار کی ہوئی فش فنگرز تیل میں ڈال کر گولڈن براؤن تل لیں۔ اسٹیل کے چمچے سے اوپر نیچے کرتے رہیں اس طریقے سے بہت اچھی اور خستہ تلی جائیں گی۔ جب گولڈن براؤن ہو جائیں تو نکال کر اخبار پر رکھتے جائیں تاکہ چکنائی جذب ہو جائے۔ ٹماٹر ساس کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

فش کوفتہ کری

اجزاء
مچھلی (بغیر کانٹے) : ایک کلو
کٹی ہوئی پیاز : دو سے تین عدد
کٹی ہوئی ہری مرچ : پانچ عدد
انڈا : ایک عدد
نمک : حسب ذائقہ
لیموں : ایک عدد
پسا ہوا دھنیا : آدھا چائے کا چمچ
پسا ہوا زیرہ : ایک چائے کا چمچ
ہلدی : آدھا چائے کا چمچ
پسا ہوا لہسن : آدھا چائے کا چمچ
ٹماٹر کا گودا : آدھا کپ
آئل : حسب ضرورت

ترکیب: مچھلی کے گوشت کو پیس لیں۔ فرائی پین میں ایک کھانے کا چمچ آئل گرم کرکے اس میں تھوڑی سی پیاز، ہری مرچ اور ہرا دھنیا ڈال کر تھوڑی دیر پکائیں۔ جب یہ نرم ہو جائیں تو نکال کر الگ رکھ دیں۔ ایک پیالے میں مچھلی کا گوشت، انڈا، لیموں کا رس اور پیاز کا آمیزہ شامل کرکے کوفتے بنالیں۔ کڑاہی میں آئل گرم کریں اور ڈبل روٹی کا چورا لگا کر کوفتے فرائی کریں۔ دیگچی میں

آئل گرم کر کے پہلے پیاز سنہری کر لیں پھر ادرک، لہسن، پسا ہوا دھنیا، زیرہ، لال مرچ، ہلدی اور ٹماٹر شامل کر کے بھون لیں۔ کوفتے ڈال کر مزید دس منٹ تک پکانے کے بعد اتار لیں۔ نان یا سادہ چاولوں کے ساتھ پیش کریں۔

اسپائسی فش کری

اجزاء

فلے فش	: آدھا کلو
تیل	: تین کھانے کے چمچے
باریک کٹی پیاز	: ایک عدد بڑی
کلونجی	: ایک چائے کا چمچ
ثابت سوکھی لال مرچ	: چھ عدد
باریک کٹا لہسن	: دو چائے کے چمچے
کٹے ٹماٹر	: دو عدد
پسا کھوپرا	: تین کھانے کے چمچے
نمک	: حسب ذائقہ
پسا دھنیا	: ایک چائے کا چمچ
پسا زیرہ	: ایک چائے کا چمچ
پسی لال مرچ	: ایک چائے کا چمچ
لیموں کا رس	: دو کھانے کے چمچے
باریک کٹا ہرا دھنیا	: دو کھانے کے چمچے

ترکیب: ایک پین میں تین کھانے کے چمچے تیل گرم کریں اور باریک کٹی ایک عدد بڑی پیاز ڈال کے بھونیں۔ پھر اس میں ایک چائے کا چمچہ کلونجی، چھ عدد ثابت سوکھی لال مرچ اور دو چائے کے چمچے باریک کٹا لہسن ڈال کر دو سے تین منٹ پکا لیں۔ اب اس میں دو عدد کٹے ٹماٹر، تین کھانے کے چمچے پسا کھوپرا، حسب ذائقہ نمک، ایک چائے کا چمچہ پسا دھنیا، ایک چائے کا چمچ پسا زیرہ اور ایک چائے کا چمچ پسی لال مرچ شامل کر کے دس منٹ پکائیں۔ پھر اس میں فلے فش اور پانی ڈال کر مچھلی گلنے اور پانی خشک ہونے تک پکائیں۔ اب اس میں دو عدد کھانے کے چمچے لیموں کا رس اور دو کھانے کے چمچے باریک کٹا ہوا ہرا دھنیا ملائیں۔ گرم اسپائسی فش چاول کے ساتھ سرو کریں۔

چائنیز سوپ

اجزاء:

چکن (بون لیس)	: آدھا کلو
کارن فلور	: کھانے کے تین چمچے
پیاز	: ایک عدد (باریک کٹی ہوئی)
انڈے	: دو عدد (صرف سفیدی)
کالی مرچ	: چائے کا ایک چمچہ
چائنیز نمک	: کھانے کا ایک چمچہ
ہری مرچ	: دو عدد
سویا ساس	: کھانے کا ایک چمچہ
نمک	: حسب ذائقہ

ترکیب: مرغی کے پیس اچھی طرح دھو لیں۔ ایک ساس پین میں مرغی، باریک کٹی ہوئی پیاز، سیاہ مرچ، نمک اور پانی ڈال کر یخنی تیار کریں۔ گوشت گل جائے تو یخنی چھان کر الگ نکال لیں۔ ابلی ہوئی بوٹیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں۔ ایک پیالی پانی میں کارن فلور کو اچھی طرح سے حل کریں۔ یخنی میں کارن فلور کا آمیزہ اور چھوٹے چھوٹے گوشت کے ٹکڑے ڈال کر دھیمی آنچ پر چند منٹ تک پکائیں۔ جب سوپ آپ کی پسند کے مطابق گاڑھا ہو جائے تو انڈے کی سفیدی ملا دیں اور چمچہ سے سوپ میں خوب اچھی طرح مکس کریں، مزے دارے چائنیز سوپ تیار ہے۔

......☆......

شہلا مشائق

سنگھار

ہلدی اور لیموں سے جلد کی حفاظت

آج کل خواتین ہلدی اور لیموں کے مساج سے اپنی جلد کو بہترین غذائیت مہیا کرتی ہیں جس سے ان کی جلد چمک دار اور نرم و ملائم ہو جاتی ہے۔ ایسی جلد ہر قسم کے دانوں سے محفوظ رہتی ہے۔ ہلدی سے چہرے پر مساج کرنے سے چہرے کا رواں ختم ہو جاتا ہے اور تھریڈنگ کی ضرورت نہیں پڑتی اس کے علاوہ رنگت الگ نکھر آتی ہے۔ جلد سے بالوں کا خاتمہ کرنے کے لیے ویکس بھی چینی اور لیموں کو ایک خاص مقدار میں مکس کر کے تیار کی جاتی ہے۔ بیسن کا بھوسا اور آٹا بھی جلد کی کلینزنگ میں بے حد کارآمد ثابت ہو رہے ہیں۔ ان قدرتی اشیا کو استعمال کرنے سے جلد کی کم عمری اور صحت و کشش میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب کہ صابن اور دیگر مصنوعی اشیاء کی پروڈکٹس مارکیٹ میں ملتی ہیں اور انہیں گھر پر بھی مختلف طریقوں سے تیار کیا جاسکتا ہے۔ شہد کے مساج سے چہرے کی رنگت نکھرتی ہے۔ اور آپ کو بیوٹی پارلر جانے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔

ہاتھوں اور پیروں کی حفاظت

خوب صورت ہاتھ اور پاؤں آپ کی شخصیت کو پرکشش بناتے ہیں۔ چہرے کی خوب صورتی کے ساتھ ساتھ ہاتھ پاؤں کی خوب صورتی بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ہاتھوں کی جلد بہت حساس ہوتی ہے جب موسم تبدیل ہوتا ہے تو ایسے میں ہاتھوں اور ناخنوں کو معمول سے زیادہ نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ موسم سردی کا ہو یا گرمی کا دوسروں کی نظر آپ کے ہاتھوں اور ناخنوں پر ضرور پڑتی ہے۔ ہاتھوں اور پیروں کی خوب صورتی کو بڑھانے کے لیے ہاتھوں کو دھونے سے پہلے ہمیشہ کولڈ کریم یا موسچرائزر استعمال کریں۔ ہفتے میں دو بار ہاتھوں پر لیموں کا رس ملیں۔ دس منٹ سادہ پانی سے ہاتھ دھوئیں اور ہینڈ لوشن لگائیں اس سے ہاتھوں کی جلد صاف اور ملائم ہو جاتی ہے۔ جب بھی آپ کو فرصت کے اوقات ملیں اپنی انگلیوں کو اس طرح حرکت دیں جیسے آپ ٹائپ کر رہی ہیں یہ ورزش ہاتھوں کی لچک برقرار رکھنے کے لیے بہترین ہے۔

بالوں کو خشکی سے بچائیں

بال خشک ہوں تو نہ صرف روکھے پھیکے اور بے جان لگتے ہیں بلکہ کمزور ہو کر گرنا اور ٹوٹنا بھی شروع ہو جاتے ہیں۔ سر کی جلد میں ایسے گلینڈز ہوتے ہیں جو جلد اور بالوں کو قدرتی نمی فراہم کرتے ہیں جس سے بال چمکدار اور صحت مند رہتے ہیں اگر کسی وجہ سے یہ گلینڈز ٹھیک کام کرنا چھوڑ دیں تو خشکی پیدا ہونے لگتی ہے۔ سرد موسم میں عام طور پر خشکی کی شکایت زیادہ ہو جاتی ہے۔ جس کی بہت سی وجوہات ہیں تاہم تھوڑی محنت اور احتیاط سے بالوں کو خشکی سے بچایا جاسکتا ہے۔ زیادہ گرم پانی سے سر دھونا خشکی کی ایک بڑی وجہ

ہے، کوشش کریں کہ نیم گرم پانی سے نہائیں، زیادہ گرم پانی بالوں کے لیے مناسب نہیں۔ سردیوں میں کم پانی کا استعمال اور پسینہ نہ آنا بھی بالوں میں خشکی کی بڑی وجہ ہے۔ اس مسئلے پر بھی قابو پانا چاہیے اس کے علاوہ ہفتے میں دو بار کسی اچھے آئل کے ساتھ سر کا مساج ضرور کریں۔ شیمپو ہفتے میں صرف دو بار استعمال کریں اور شیمپو کرنے کے بعد کنڈیشنر ضرور لگائیں۔ سرسوں کا تیل، دہی اور انڈہ بالوں کے لیے مفید ہے۔ ایک برتن میں دو چمچ سرسوں کا تیل، تین چمچ دہی اور ایک انڈے کی زردی اچھی طرح مکس کرلیں اور اس آمیزے کو بالوں کی جڑوں میں لگائیں، گھنٹے بعد سر دھولیں۔ ہر ہفتے میں ایک بار ایسا کریں تو ایک ماہ کے بعد خشکی سے مکمل نجات مل جائے گی۔ اس کے علاوہ بالوں میں کنگھی کرنا بھی انہیں خشکی سے محفوظ رکھتا ہے۔ بالوں میں کنگھی کرنے سے جلد میں دوران خون بڑھ جاتا ہے۔ جس سے چکنائی پیدا کرنے والے گلینڈز بھی حرکت میں آجاتے ہیں اور یوں بالوں تک مناسب مقدار میں چکنائی پہنچتی رہتی ہے۔ کنگھی کرنے کے لیے موٹے دندانوں والی کنگھی استعمال کرنی چاہیے اور اسے سر میں کچھ دیر کے لیے تیز تیز رگڑنے کی بجائے پندرہ منٹ تک ہلکے ہاتھ سے کرنا چاہیے، روزانہ ایسا کرنے سے بال جلد ہی صحت مند لگنے لگیں گے۔

آنکھوں کی صحت اور دلکشی

آنکھوں کی صحت اور دلکشی حسن کو نکھار دیتی ہے۔ آنکھوں کی خوب صورتی کے بارے میں شعراء نے بہت کچھ کہا ہے تاہم تھوڑی سی توجہ سے آنکھوں میں نکھار پیدا کیا جاسکتا ہے۔ خواتین کو آنکھوں سے متعلق کئی مسائل درپیش ہوتے ہیں جن کی بنیادی وجوہات میں درست طریقے سے میک اپ صاف نہ کرنا، زائد المیعاد کاسمیٹکس کا استعمال اور مناسب حفاظت نہ کرنا شامل ہے۔ آنکھوں کی حفاظت کے لیے وٹامن اے، بی اور سی کا استعمال بہت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ دودھ، مکھن، مچھلی، انڈے کی زردی، گاجر، ٹماٹر، آم اور پپیتا بھی آنکھوں کے لیے بے حد مفید ہے۔ خواتین اپنی آنکھوں کی دیکھ بھال کس طرح کرتی ہیں اس کا اندازہ ارد گرد کی جلد آنکھوں کی چمک وخوب صورتی اور عمومی صحت سے ہو جاتا ہے اگر آپ اپنی آنکھوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں یعنی انہیں نہ صرف دھوئیں بلکہ گرد وغبار سے بھی بچا کر رکھیں تاکہ آنکھوں کی چمک اور خوب صورتی برقرار رہے۔ آنکھوں کے ارد گرد کی جلد پورے چہرے کی جلد سے زیادہ پتلی اور نازک ہوتی ہے اور اس میں آئل گلینڈ پھیلے ہوتے ہیں ان کی صحت کے لیے اچھی کریم استعمال کی جاسکتی ہے جس کے استعمال سے اس حصے کی جھریاں خاصی حد تک ختم ہوجاتی ہیں۔

جھائیاں ختم کرنے کا گھریلو نسخہ

سیپوں کا سفوف ایک چائے کا چمچ، عرق گلاب ایک چائے کا چمچ، لیموں کا رس آدھا چائے کا چمچ، ہلدی پاؤڈر آدھا چائے کا چمچ۔ سیپوں کو گرم پانی سے دھو کر صاف کرلیں۔ پھر انہیں گرائنڈر میں ڈال کر اچھی طرح پیس کر سفوف بنالیں۔

طریقہ استعمال: تمام اشیاء کو اچھی طرح ملا کر آمیزہ تیار کرلیں۔ رات کو سوتے وقت اسے اپنے چہرے پر لگائیں اور صبح اٹھ کر اچھی طرح دھولیں اگر دن میں استعمال کرنا چاہیں تو کرلیں۔ ہر دفعہ دس منٹ کے لیے لگائیں۔ یہ نسخہ نہ صرف جھائیوں کے لیے ہے بلکہ اس سے داغ دھبے بھی دور ہوجائیں گے۔ ☆